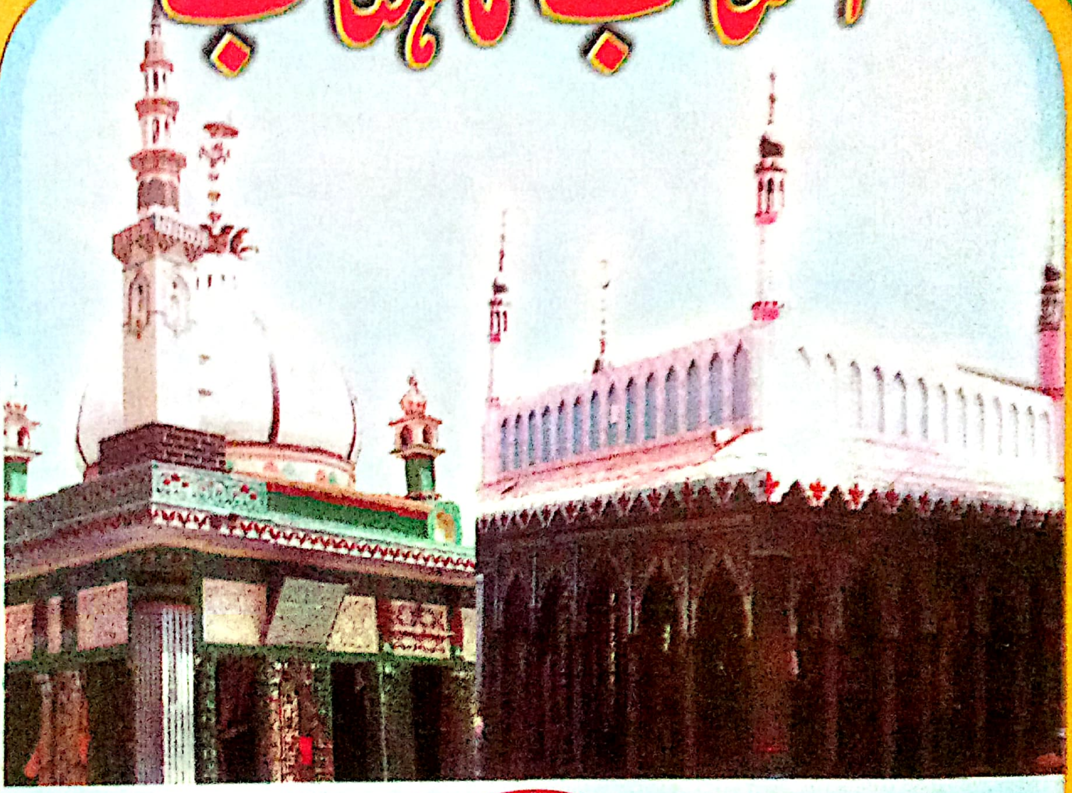
# آفتاب و ماہتاب



مصنف

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی (ایم-اے)

ناشر

حضرت بخشی اکیڈمی بدایوں

## اسے پڑھئے

# سید منور علی میموریل گرلس جونیر ہائی اسکول نزد پولس چوکی سوتھہ بدایوں

## (نرسری سے درجہ 8 تک)

یہ ادارہ یکم جولائی ۱۹۸۲ء میں ''سید منور علی مرحوم'' کی یاد میں قائم کیا گیا۔ سید منور علی صاحب بذات خود تعلیم و تربیت سے دلچسپی رکھتے تھے۔ محکمہ تعلیم میں سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن کے منصب پر فائز تھے۔ ملازمت کے دوران ہی آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ والد گرامی جناب تصدق علی صاحب بھی انسپکٹر آف اسکول تھے۔ اس طرح تعلیم و تربیت اس خاندان کی سرشت رہی ہے اور سید منور علی میموریل گرلس جونیر اسکول اسی سرشت و عادت کا عملی نمونہ بن کر ابھرا۔ ۱۹۸۲ء سے اب تک یہ ادارہ تعلیم و تربیت کو فروغ دے رہا ہے اور قوم کے نونہال بچوں کی شخصیت و سیرت کی تعمیر کر رہا ہے۔ اس ادارہ میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں......

(۱) حکومت اتر پردیش سے منظور شدہ ایک اقلیتی ادارہ ہے۔

(۲) عصری علوم و فنون کے ساتھ ساتھ اس ادارہ میں مذہبی، دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے

(۳) اس ادارہ میں حکومت سے منظور شدہ تمام مضامین پڑھائے جاتے ہیں اس کے علاوہ اردو، عربی کے مضامین بھی پڑھائے جاتے ہیں۔

(۴) اس میں پی ٹی کا بھی انتظام ہے۔

(۵) زمانہ حاضر کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اس سال سے کمپیوٹر کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے لئے ۵ رکمپیوٹر خرید کر لگائے گئے ہیں۔

(۶) اس ادارہ کا تعلیمی نظام تین مرحلوں پر مشتمل ہے......

(الف) بچوں کے لئے، نرسری، کے جی وغیرہ

(ب) پرائمری- اوّل سے پانچ درجات تک

(د) جونیر ہائی اسکول- ۶/۷/۸ر درجات

(۷) اس ادارہ میں نہایت ہی قابل ترین، ماہر اور تجربہ کار اساتذہ درس دیتے ہیں

جناب سید منور علی مرحوم کے بڑے صاحبزادہ جناب سید تنویر علی جو خود معلم ہیں، ادارہ ھذا کی نگرانی کرتے ہیں اور اسکول کو بہتر سے بہتر بنانے میں مشغول ہیں۔ تمام اہل بدایوں سے درخواست ہے اپنے بچوں کو اس ادارہ میں داخل کریں اور زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ اس ادارہ کی کامیابی اس سے بھی ثابت ہوتی ہے یہاں کے سات بچوں کو گورنر اتر پردیش سے انعامات بھی مل چکے ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو زیادہ سے زیادہ ترقی نصیب کرے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

محمد شمشاد حسین رضوی
ناظم حضرت نخشبی اکیڈمی (چودھری سرائے بدایوں)

**حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں**

بدایوں دبستانِ علم وحکمت

کے

# آفتاب وماہتاب

مصنف

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی ایم اے

ناشر

حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | ...... | آفتاب و ماہتاب |
| تصنیف | ...... | مفتی محمد شمشاد حسین رضوی |
| معاونین | ...... | جناب عبداللطیف خاں صاحب |
| | | جناب شمیم الدین صاحب صدیقی |
| سنِ اشاعت | ...... | مارچ ۲۰۰۸ء |
| تعداد | ...... | ۵۰۰ |
| ناشر | ...... | حضرت بخشی اکیڈمی، چودھری سرائے بدایوں |
| کمپوزر | ...... | سید طارق علی (طیبہ کمپیوٹرز سوتھ بدایوں) |
| سرِ ورق | ...... | |
| زرِ تعاون | ...... | ۸۰/ (سو) روپئے |

## کتاب ملنے کے پتے

۱۔ دارالعلوم شاہ ولایت، قبولپورہ، حضرت شاہ ولایت روڈ بدایوں

۲۔ مولوی محمد اسحاق، سلطانی بک ڈپو، بڑی سرکار بدایوں

۳۔ نظامی پریس محلہ سوتھ بدایوں

۴۔ شوقین بک ڈپو گھنٹہ گھر بدایوں

# ایک حسین پیش کش

سرزمین بدایوں کے ان مقربانِ خاص کے حضور جن کے رخِ رنگین، خال مشکین، زلف عنبرین اور پُرافشاں حالات و کوائف کی اس تذکرہ پاک میں آئینہ داری کی گئی ہے اور گزرے ہوئے لمحات کی شگفتگی کی یادیں تازہ کی گئیں ہیں......

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

گدائے دلبراں
محمد شمشاد حسین رضوی
ناظم
حضرت نخشبی اکیڈمی
محلہ چودھری سرائے بدایوں

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۹۵ | القاب وآداب | ۱۴۹ |
| ۹۶ | بدرالدین | ۱۴۹ |
| ۹۷ | پسِ منظر | ۱۵۰ |
| ۹۸ | صاحب ولایت/شاہ ولایت | ۱۵۰ |
| ۹۹ | موئے تاب | ۱۵۱ |
| ۱۰۰ | دیوگیر | ۱۵۳ |
| ۱۰۱ | سیرت وشخصیت | ۱۵۶ |
| ۱۰۲ | وصال شریف | ۱۵۹ |
| ۱۰۳ | **باب ہفتم :** کشف وکرامت | ۱۶۱ |
| ۱۰۴ | حضرت سلطان العارفین کی کرامتیں | ۱۶۳ |
| ۱۰۵ | حضرت چھوٹے سرکار کی کرامتیں | ۱۶۷ |
| ۱۰۶ | **باب ہشتم :** ذکر سگے بھائیوں کا | ۱۷۰ |
| ۱۰۷ | ذکر خواجہ عثمان وخواجہ عمر | ۱۷۰ |
| ۱۰۸ | ذکر خواجہ سید عبداللہ ملتانی | ۱۷۱ |
| ۱۰۹ | ذکر حضرت زینب | ۱۷۱ |
| ۱۱۰ | ذکر حضرت خواجہ سید منور سہروردی | ۱۷۲ |
| ۱۱۱ | **باب نہم :** بدایوں دبستان علم | ۱۷۳ |
| ۱۱۲ | دبستان کا مفہوم | ۱۷۳ |
| ۱۱۳ | علامہ رضی الدین صغانی | ۱۷۵ |
| ۱۱۴ | نام ونسب | ۱۷۶ |
| ۱۱۵ | ولادت- مقام ولادت | ۱۷۶ |
| ۱۱۶ | تعلیم وتربیت | ۱۷۸ |
| ۱۱۷ | تبحر علمی | ۱۷۸ |
| ۱۱۸ | علم حدیث اور علامہ صغانی | ۱۷۹ |
| ۱۱۹ | علامہ صغانی اور زیارت حرمین شریفین | ۱۸۲ |
| ۱۲۰ | علامہ صغانی اور درس وتدریس | ۱۸۳ |
| ۱۲۱ | تصانیف | ۱۸۴ |
| ۱۲۲ | وفات پرحسرت | ۱۸۵ |
| ۱۲۳ | علامہ علاء الدین اُصولی | ۱۸۵ |
| ۱۲۴ | نام ونسب | ۱۸۶ |
| ۱۲۵ | تبحر علمی | ۱۸۷ |
| ۱۲۶ | علوم باطنی | ۱۸۷ |
| ۱۲۷ | درس وتدریس | ۱۸۸ |
| ۱۲۸ | مؤثر طریقہ تدریس | ۱۸۹ |
| ۱۲۹ | علامہ اصولی اور نظریۂ تعلیم | ۱۹۰ |
| ۱۳۰ | مولانا اصولی اور دلِ دردمند | ۱۹۱ |
| ۱۳۱ | بیعت وخلافت | ۱۹۳ |
| ۱۳۲ | وصال شریف | ۱۹۴ |
| ۱۳۳ | حضرت حافظ ضیاء الدین نخشبی | ۱۹۴ |
| ۱۳۴ | ابتدائی حالات | ۱۹۵ |
| ۱۳۵ | علامہ نخشبی چھوٹے سرکار کی بارگاہ میں | ۱۹۷ |
| ۱۳۶ | شریعت وطریقت | ۱۹۹ |
| ۱۳۷ | درس وتدریس | ۱۹۹ |
| ۱۳۸ | تصنیفات نخشبی | ۲۰۰ |
| ۱۳۹ | حضرت نخشبی اور بیعت وارشاد | ۲۰۱ |
| ۱۴۰ | وصال پاک | ۲۰۴ |
| ۱۴۱ | خراج عقیدت | ۲۰۵ |
| ۱۴۲ | خواجہ نظام الدین اولیاء | ۲۰۵ |
| ۱۴۳ | نام ونسب | ۲۰۶ |
| ۱۴۴ | لقب نظام الدین | ۲۰۷ |
| ۱۴۵ | محبوب الٰہی | ۲۰۸ |
| ۱۴۶ | دریتیم | ۲۰۹ |

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱۴۷ | تعلیم و تربیت | ۲۱۰ |
| ۱۴۸ | فن کی تعلیم | ۲۱۱ |
| ۱۴۹ | جشن دستار بندی | ۲۱۳ |
| ۱۵۰ | قدیم دبستان علم اور اسکی انفرادیت | ۲۱۶ |
| ۱۵۱ | **باب دھم** : فن تصوف | ۲۱۹ |
| ۱۵۲ | تصوف کا مفہوم | ۲۱۹ |
| ۱۵۳ | تعریف موضوع اور غایت | ۲۲۰ |
| ۱۵۴ | ماخذ و مراجع | ۲۲۰ |
| ۱۵۵ | تصوف اور اسلامی ثقافت | ۲۲۱ |
| ۱۵۶ | اسباب و عوامل | ۲۲۲ |
| ۱۵۷ | تصوف و سلوک | ۲۲۳ |
| ۱۵۸ | فن تصوف اور سلک السلوک | ۲۲۴ |
| ۱۵۹ | مقدمہ سلک السلوک | ۲۲۶ |
| ۱۶۰ | حمد و نعت | ۲۲۶ |
| ۱۶۱ | کتاب سلک السلوک | ۲۳۱ |
| ۱۶۲ | حال اور مقام | ۲۳۱ |
| ۱۶۳ | وجد | ۲۳۲ |
| ۱۶۴ | صاحب وقت، احوال، انفاس | ۲۳۲ |
| ۱۶۵ | قبض و بسط، خوف و رجا | ۲۳۲ |
| ۱۶۶ | علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین | ۲۳۲ |
| ۱۶۷ | محاظرہ، مشاہدہ، مکاشفہ | ۲۳۳ |
| ۱۶۸ | لوائح، لوامع، طوالع | ۲۳۳ |
| ۱۶۹ | غیبت و حضور | ۲۳۴ |
| ۱۷۰ | صحو و سکر | ۲۳۴ |
| ۱۷۱ | جمع و تفرقہ | ۲۳۴ |
| ۱۷۲ | حال و قال | ۲۳۴ |
| ۱۷۳ | مسائل تصوف | ۲۳۶ |
| ۱۷۴ | رجال تصوف | ۲۳۸ |
| ۱۷۵ | طبقات صوفیاء | ۲۴۰ |
| ۱۷۶ | گروہ الف کے اولیاء | ۲۴۱ |
| ۱۷۷ | اقطاب | ۲۴۱ |
| ۱۷۸ | ابدال | ۲۴۲ |
| ۱۷۹ | نجباء | ۲۴۳ |
| ۱۸۰ | نقباء | ۲۴۳ |
| ۱۸۱ | اوتاد | ۲۴۳ |
| ۱۸۲ | عمود | ۲۴۳ |
| ۱۸۳ | تصوف اور شاعری | ۲۴۴ |
| ۱۸۴ | سلک السلوک اور اسلوب بیانی | ۲۴۵ |
| ۱۸۵ | حا[illegible] الکتاب | ۲۴۶ |
| ۱۸۶ | [illegible]ت کی وسعتیں | ۲۴۷ |
| ۱۸۷ | اشک[illegible] | ۲۴۹ |
| ۱۸۸ | شگفتہ ترجمہ | ۲۵۰ |
| ۱۸۹ | تاثر: خضر احمد | ۲۵۲ |
| ۱۹۰ | تقریب رونمائی: جمیل احمد صدیقی | ۲۵۳ |
| ۱۹۱ | جشن رونمائی: عبدالصبور خان | ۲۵۴ |
| ۱۹۲ | عشق حقیقی: الحاج عقیل بخش | ۲۵۵ |
| ۱۹۳ | تبصرہ: ماہنامہ اعلیٰ حضرت | ۲۵۶ |
| ۱۹۴ | تبصرہ: ماہنامہ نیا دور لکھنؤ | ۲۵۹ |
| ۱۹۵ | تاثرات: مسرت اللہ اشرفی | ۲۶۱ |
| ۱۹۶ | پتنگ میلہ میں پڑھا گیا مقالہ: عبداللطیف خاں، شمیم الدین صدیقی | ۲۶۳ |
| ۱۹۷ | پروفیسر مسعود احمد کا خط بنام ڈاکٹر صداقت اللہ | ۲۶۷ |
| ۱۹۸ | تعارف مصنف | ۲۶۸ |
| ۱۹۹ | نخشبی اکیڈمی کا مختصر تعارف | ۲۷۰ |

# فہرست ضمنی تذکرے، اعلام واشخاص


| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | شہاب الدین غوری | ۱۹ | ۲۵ | حضرت شرف الدین الخیاط | ۱۲۱ |
| ۲ | قطب الدین ایبک | ۲۰ | ۲۶ | حضرت احمد الخیاط | ۱۲۱ |
| ۳ | چنگیز خاں | ۲۸ | ۲۷ | حضرت مسعود نخاسی | ۱۲۸ |
| ۴ | ملا عبد القادر | ۳۸ | ۲۸ | مولانا روم | ۱۳۳ |
| ۵ | شیخ احمد توختہ | ۴۲ | ۲۹ | شیخ احمد تختہ، شیخ احمد معشوق | ۱۴۲ |
| ۶ | حضرت سید یحییٰ مدنی | ۴۲ | ۳۰ | شیخ ابن علی | ۱۴۲ |
| ۷ | شیخ صدر الدین | ۴۹ | ۳۱ | شیخ بودلہ، شیخ احمد بھرتول | ۱۴۳ |
| ۸ | بہاء الدین زکریا | ۴۹ | ۳۲ | شیخ احمد نوری، شیخ احمد نہروالی | ۱۴۳ |
| ۹ | سید محمد مبارک کرمانی | ۶۴ | ۳۳ | شیخ احمد خنداں | ۱۴۳ |
| ۱۰ | یحییٰ برمکی | ۷۲ | ۳۴ | علامہ کمال الدین امیری | ۱۵۵ |
| ۱۱ | علی تکین | ۸۰ | ۳۵ | علامہ فضل رسول بدایونی | ۱۶۵ |
| ۱۲ | محمود غزنوی | ۸۱ | ۳۶ | علامہ خیر الدین زرقانی | ۱۷۶ |
| ۱۳ | یوسف قدر | ۸۱ | ۳۷ | علامہ جلال الدین سیوطی | ۱۷۷ |
| ۱۴ | سید سالار مسعود غازی | ۸۶ | ۳۸ | علامہ کمال الدین زاہد | ۱۷۷ |
| ۱۵ | جلال الدین تبریزی | ۱۰۶ | ۳۹ | مستنصر باللہ | |
| ۱۶ | شیخ وجیہ الدین فاروقی | ۱۰۶ | ۴۰ | قدوری | ۱۸۹ |
| ۱۷ | حضرت قطب الدین بختیار کاکی | ۱۰۶ | ۴۱ | ابوتراب نخشبی | ۱۹۵ |
| ۱۸ | حضرت قاضی حمید الدین ناگوری | ۱۰۷ | ۴۲ | عزیز کوتوال | ۲۰۲ |
| ۱۹ | بابا فرید الدین | ۱۰۷ | ۴۳ | حضرت فرید الدین ناگوری | ۲۰۲ |
| ۲۰ | خواجہ محمود | ۱۰۷ | ۴۴ | شیخ ضیاء الدین مدنی | ۲۰۳ |
| ۲۱ | مولانا ناصح الدین | ۱۰۷ | ۴۵ | شیخ ضیاء الدین سنامی | ۲۰۳ |
| ۲۲ | حضرت پیر مکہ علیہ الرحمہ | ۱۰۸ | ۴۶ | خواجہ علی مولیٰ | ۲۱۴ |
| ۲۳ | امام ابو یوسف | ۱۱۴ | ۴۷ | ابوبکر الکتانی | ۲۲۰ |
| ۲۴ | امام ابو محمد | ۱۱۴ | ۴۸ | غوث اعظم | ۲۴۲ |

# پیش لفظ

''سلک السلوک'' کے بعد حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں کے سلسلۂ اشاعت کی دوسری اہم کڑی ''آفتاب وماہتاب'' (یعنی تذکرہ چھوٹے بڑے سرکار) پیش خدمت ہے۔ اسے بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ ان دو برگزیدہ مقدس ہستیوں کا ذکر شریف ہے جن کے پاکیزہ ناموں سے عوام وخواص کو صدیوں سے آگاہی ہے اور اب جن کا تفصیلی تذکرہ پیش کر دینا اس تصنیف کا بنیادی مقصد ہے۔ اس دور کے دیگر بزرگانِ دین کا تذکرہ شامل کر لینا اس دور کی علمی اور اصلاحی فضاء کو بیان کرنے کے لئے جزو لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔

پہلے بزرگ کا نامِ نامی اسم گرامی حضرت سید خواجہ حسن شیخ شاہی روشن ضمیر سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ ہے اور دوسرے بزرگ حضرت سیدنا خواجہ ابوبکر موئے تاب بدر الدین شاہ ولایت رحمتہ اللہ علیہ ہے۔

عربی زبان وادب کا ایک مقولہ ہے...... **السعی منی والدعاء منک والاتمام من اللہ**۔ کہ کوشش میری، دعائیں آپ کی اور کامیابی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوا کرتی ہے۔ سلک السلوک مترجم پر یہ مقولہ پورے طور پر صادق آتا ہے کہ حضرت خواجہ حافظ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ کی اس فارسی تصنیف کو اردو زبان وادب میں پیش کرنے کی میری کوشش ضرور تھی۔ مگر دعائیں تمام اہل بدایوں کی تھیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلک السلوک مترجم کو جو قبولیت اور پذیرائی عطا کی، یہ اس کا احسان عظیم ہے، اس پر جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

دار العلوم شاہ ولایت قبولپورہ بدایوں کے وسیع صحن میں جب کتاب سلک السلوک مترجم کا رسم اجرا کیا گیا اور کتاب کی تقسیم عمل میں لائی گئی تو اس وقت محفل کا رنگ کچھ اور ہی

تھا اور اس میں ایسی کشش و جاذبیت محسوس ہو رہی تھی کہ اس سے قبل اور کسی محفل یا بزم میں دیکھنے کو نہیں ملی تھی۔ جو لوگ اس تقریب میں شریک تھے وہ اس بات کے گواہ ہیں۔ میں اس رنگِ محفل کو بزرگوں اور خاص طور سے حافظ صاحب علیہ الرحمہ کا باطنی تصرف قرار دیتا ہوں اور انھیں کے فیض و برکت کی اثر انگیزی۔

اہل بدایوں نے سلک السلوک مترجم کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ تقریباً ۲۵۰ کتابیں بدایوں شہر میں ارباب ذوق کے ہاتھوں تک پہنچ گئیں جس کا وہ برابر مطالعہ کر رہے ہیں۔ آئے دن کتاب ہٰذا کے تعلق سے اصحاب رائے اور دوسرے افراد کے تاثرات بھی آ رہے ہیں۔ ان تاثرات سے ہمیں حوصلہ ملا۔ میرے ذوق و شوق میں جلا پیدا ہوئی اور متزلزل ارادوں میں فولاد کی صلاحیت ابھر آئی ہے اور یہ ارادہ ہوا، کیوں نہ بدایوں کی دو عظیم سرکاروں کا ایک اہم تذکرہ لکھا جائے؟ اسی عزم و ارادہ کو عملی روپ دیدیا گیا ہے۔ اس میں ہم کہاں تک کامیاب ہو پائے ہیں اس کا اندازہ کتاب ھٰذا کے مطالعہ سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔

تذکرہ ''آفتاب و ماہتاب'' ایک خاص ضرورت کے تحت لکھا گیا۔ تمہید کے طور پر ذیل میں کچھ ایسے حقائق و بصائر پیش کیے جا رہے ہیں جن کا مطالعہ کرنے سے آپ خود بھی اس خاص ضرورت کا احساس کر لیں گے وہ حقائق و بصائر یہ ہیں......

**اولاً** - یہ کہ دنیا عالم اسباب ہے اس جہاں میں جو چیز وجود پذیر ہوتی ہے کسی نہ کسی ضرورت کے تحت ہی ہوتی ہے۔ اس لئے دانشوروں کا قول ہے......ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں کسی چیز کا وجود بلا ضرورت نہیں ہوتا لہٰذا اس ضابطہ سے ثابت ہوا کہ بدایوں میں اس کتاب کی ضرورت تھی اسی لئے یہ کتاب بابرکت آپکے مقدس ہاتھوں میں ہے اور عنقریب آپ کے زیر مطالعہ آنے والی ہے۔

**ثانیاً** - یہ کہ جب عوام گناہوں میں پڑ جائیں، مذہبی امور میں دلچسپی لینا کم کر دیں اور دنیا داری میں الجھ کر رہ جائیں تو اس موقعہ پر ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ان کے سامنے

بزرگوں کے واقعات و حالات اوران کے اوراد و وظائف پیش کیۓ جائیں تا کہ اس ذکر خیر سے ان کے اندر بھی نیکی کا جذبہ بیدار ہو، اور خود اپنے دل میں رغبت پیدا کریں۔ کیا دورِ حاضر میں ہمارے سماج و معاشرہ کی یہ حالت نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے تو پھر بزرگوں کے حالات و واقعات کے بیان کرنے اور لکھنے میں کیا قباحت ہے؟

**ثالثاً-** یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں صالحین کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوا کرتا ہے۔ اگر لوگ انفرادی یا اجتماعی طور پر صالحین کا ذکر کریں یا پڑھیں تو ان پر خدا کی رحمتوں کا ضرور نزول ہوگا اور اس کی مقدس بوندوں سے ہم جیسے گنہگار بھی ضرور سیراب ہوں گے۔

**رابعاً-** دورِ حاضر میں کچھ ایسے ناعاقبت اندیش پیدا ہو گئے ہیں جو عوام کو بزرگوں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے دور کرنے میں لگے ہوئے ہیں، غلط پروپیگنڈہ کر رہے ہیں، اہل سنت و جماعت کے معمولات و مراسم پر اعتراض و تنقید کر رہے ہیں۔ خانقاہوں اور سجادہ نشینوں کا مذاق اڑا رہے ہیں اور قرآنی آیتوں کا غلط معانی بتا کر خدا کے برگزیدہ بندوں کی یاد اور اس کے تذکروں کو فراموش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے شوریدہ ماحول اور زولیدہ حالات میں ضرورت ہے کہ بزرگوں اور خدا کے بندوں کا مقدس کردار پیش کر دیا جائے۔ تحریر کے ذریعہ ہو یا تقریر کے ذریعہ، تا کہ عوام الناس دوست اور دشمن کے مابین امتیاز کر سکیں۔ اچھے اور بروں کے درمیان کوئی فرق محسوس کریں۔ یہی رہنمائی دور حاضر کی شدید ضرورت ہے اور اسی کو پورا کرنے میں ہم اپنی تگ و دو کر رہے ہیں۔

یہ سائنسی عروج اور میڈیائی ارتقاء کا دور ہے جسے دیکھیۓ شہرت کے آسمانوں میں پرواز کے لئے اپنے بازو پر تول رہا ہے اور جذبۂ مسابقت سے سرشار ہو کر آگے بڑھنے کی کوشش میں ہے مگر اسے خود چین و سکوں میسر نہیں، زیرِ پا چنگاری رکھ کر رقص و سرود تو کر رہے ہیں مگر کسی بھی مقام پر انھیں ثبات نہیں، سکون و قرار نہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ برگزیدہ

بندوں سے دور رہ کر دل کو سکون اور ذہن کو خوش گوار فضا نہیں مل سکتی ہے۔ اگر سکوں چاہیے قلب وروح کے لئے طمانیت کی ضرورت ہے، تو یہ صرف پاکباز نفوس قدسیہ کے قدموں میں نصیب ہو سکتی ہے۔ ان کے ماسوا میں نہیں۔ اسی موقع کے لئے وسیم بریلوی نے کہا ہے......

دنیا تجھے بھٹکتے بہت دیر ہو گئی
کچھ دن میرے رسولؐ کے قدموں میں آ کے دیکھ

تذکرہ ''آفتاب وماہتاب'' کا بھی کنائی انداز میں یہی پیغام ہے کہ اے لوگوں کب تک تم در در کی خاک چھانتے رہو گے اور مارے مارے پھرتے رہو گے۔ ذرا ان کی طرف بھی تو آؤ، جو صحراؤں میں گلستاں کھلائے ہوئے ہیں اور سناٹوں، بیابانوں میں بھی شہر بسائے ہوئے ہیں۔

آج ہم مزارات پر جاتے ہیں، ان کی قبروں پر پھولوں کی چادر ڈالتے ہیں اور کبھی کپڑوں کی جدید دور کے ارباب کمال ہماری اس روش کو غلط انداز میں پیش کر رہے ہیں اور پھر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ خرافاتی ہیں اور راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اس قدر زبردست الزام تراشی سے قبل انھیں خوب غور کر لینا چاہیے کہ ہمارے اسلاف زمانۂ اقدس سے لے کر اب تک کبھی بھی، راہ سے بے راہ نہیں ہوئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انھیں لوگوں کی راہ جادۂ مستقیم ہے۔ سچ فرمایا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کہ......

ان کے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے مقدس ولیوں کی بات ہے تو سن لیجئے کہ ان کی شان تو بہت نرالی ہوتی ہے ان کے حالات نہایت ہی جاذب نظر اور پر کشش ہوا کرتے ہیں۔ ظاہری طور پر ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے کپڑے پھٹے ہوتے ہیں، زلفیں ژولیدہ اور الجھی ہوئی

ہوتی ہیں۔ مگر اندرون جسم کیا ہوتا ہے، اسے کون دیکھ سکتا ہے؟ جب یہ شان عجیب اپنوں کو نظر نہیں آتی، تو پھر اغیار کس گنتی میں ہیں۔ علامہ اقبال نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ......

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

کتاب ''آفتاب و ماہتاب'' لکھنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ اس کا آپ مطالعہ کریں اور اپنے دلوں میں ارادت عقیدت اور ذوقِ یقیں پیدا کریں اور اللہ کے محبوب بندوں سے رشتہ استوار کریں کہ یہی واحد ذریعہ ہے جس سے سماج و معاشرہ میں سدھار آ سکتا ہے اور کردار و عمل میں خوبصورتی بھی آ سکتی ہے۔ جو اِن افراد عظیم کی پناہ میں آ جاتا ہے زمانے کی گردش اسے ہراساں نہیں کرسکتی اور نہ ہی کسی طاقت ورانساں سے ان کا بال بیکا ہوسکتا ہے۔ آج مسلمانوں کی زبوں حال کے دیگر وجوہات میں ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ان سے دور رہنے کے نتیجہ میں مسلمانوں کے مابین، خلوص و یقیں اور صدقِ نیت کا فقدان ہو چکا ہے۔ ہم جو بھی کام کررہے ہیں صرف نمود وریا کے لئے کررہے ہیں، زیب و زیبائش کے لئے کررہے ہیں۔ اس کے پسِ منظر جذبۂ صادق کہاں؟ اسی لئے تو ہمارے لئے دقتیں پیدا ہورہی ہیں اور پریشانیوں میں اضافہ ہورہا ہے۔ ذوق یقیں تو بہت کام کی چیز ہوا کرتی ہے کہ......

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ہم اس امید سے آپ کے بیچ آئے ہیں۔ اگر آپ نے ذوق یقین سے کام لیا میں سمجھوں گا میری امید بر آئی۔

## کچھ کتاب کے بارے میں

کتاب ھٰذا میں جہاں بدایوں شریف کے مشاہیر عظام کا تذکرۂ جمیل ہے وہیں اس مقدس سرزمین کو 'دبستانِ علم' کی حیثیت سے متعارف بھی کرایا گیا ہے۔ یہ دبستان عام دبستانوں کی مانند نہیں کہ اس میں الگ قسم کی انفرادیت، جذب وکشش اور حسن ودلکشی پائی جاتی ہے۔ دبستان علم کی اسی خوبی وکمال نے بدایوں کو قبۃ الاسلام بنا دیا۔ اس سرزمین کو دبستان علم کس نے بنایا اور وہ کون سی ذاتِ گرامی ہے جس کی التفات وتوجہ نے بدایوں کے رُخِ زیبا کو صاف شفاف آئینہ میں تبدیل کر دیا اور اس کے رگ وپے میں اجالے بھر دیئے؟ وہ ذات گرامی حضرت سلطان العارفین شاہِ روشن ضمیر خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ اور شاہِ ولایت حضرت سید ابوبکر موئے تاب بدرالدین شاہ ولایت علیہ الرحمہ کی ہے اسی جامعیت کے سبب میں نے ان دونوں بزرگوں کو آفتاب و ماہتاب سے تعبیر کر دیا۔ آپ کتاب ہٰذا کے مطالعہ سے اس بات کو ضرور محسوس کریں گے کہ آفتاب و ماہتاب ان کی شخصیات کے لئے کس قدر موزوں اور مناسب ہیں بقیہ ہم عمر ہم زمانہ اولیا، علماء، فضلاء اور مشائخ اس دبستان علم کے درخشندہ ستارے ہیں اور انھیں ستاروں کی جھرمٹ میں بڑے سرکار آفتاب ہیں تو چھوٹے سرکار ماہتاب اور مدرسہ معزیہ ہے جو ان تمام مذکورہ افراد کی درخشانیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اسی دانش کدۂ علم وفن سے کہیں علمی فیضان ابل رہا ہے اور کہیں روحانی عرفانی برکتوں کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ ذیل کے ابواب انھیں سوتوں کی نشاندہی کرتے ہیں......

**﴿۱﴾ پیش لفظ -** کچھ اہم باتوں پر مشتمل ہے۔

**﴿۲﴾ باب اوّل -** میں بدایوں کا ایسا تاریخی پسِ منظر بیان کیا گیا ہے جس کا مرکزی کردار شمس الدین التمش ہے۔

**﴿۳﴾ باب دوم** - اس باب میں بدایوں کا علمی ماحول اور پسِ منظر پیش کیا گیا ہے اس پسِ منظر کا زیادہ تر انحصار مدرسہ معزیہ اور اس کے مدرسین پر ہے۔

**﴿۴﴾ باب سوم** - اولیائے بدایوں سے متعلق تذکروں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے

**﴿۵﴾ باب چہارم** - اس باب میں علمی روحانی فروغ وارتقاء سے بحث کی گئی ہے اس میں ارباب ولایت اور صاحب علم وادراک کا کس قدر حصہ رہا ہے اسے بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور دونوں سرکاروں کے شجرۂ نسب سے گفتگو کی گئی ہے۔

**﴿۶﴾ باب پنجم** - میں آفتاب ولایت حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کے حالات وکوائف بیان کئے گئے ہیں اور ان کے تعلیمات و ارشادات پیش کئے گئے ہیں۔

**﴿۷﴾ باب ششم** - میں حضرت خواجہ سید ابوبکر موئے تاب بدر الدین شاہ ولایت رحمتہ اللہ علیہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

**﴿۸﴾ باب ھفتم** - اس باب میں کشف وکرامت کی وضاحت کی گئی ہے اور کچھ اہم کرامتوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

**﴿۹﴾ باب ھشتم** - میں حضرت خواجہ سید عثمان سہروردی / حضرت خواجہ سید عمر سہروردی/حضرت زینب عرف بنو بی اور حضرت عبداللہ ملتانی کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

**﴿۱۰﴾ باب نھم** - اس باب میں دبستان علم کے حوالہ سے بدایوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

〈۱۱〉 **باب دھم -** یہ دسواں اور کتاب ہٰذا کا آخری باب ہے جس میں بدایوں دبستان علم کے نظریات یعنی تصوف اور اس کے اصطلاحات کی وضاحت سلک السلوک کے حوالہ سے کی گئی ہے۔

〈۱۲〉 **خاتمہ -** اس میں اہل علم اور ارباب ولایت کی اُخروی حیات مختصر انداز میں پیش کی گئی ہے۔

مذکورہ تمام ابواب کے مطالعہ سے آپ کو روحانی عرفانی اور قلبی مسرت حاصل ہوگئی اور آپ کے غمزدہ دلوں کی کلی کلی کھل اُٹھے گی۔ اسکے علاوہ ان ابواب میں کچھ ضمنی عنوانات کے تحت تاریخی معلومات بھی پیش کئے گئے ہیں جنکے مطالعہ سے آپ یقینی طور پر محظوظ ہونگے۔

آخیر میں ہم حضرت نخشی اکیڈمی کے اراکین خاص طور سے جناب شمیم الدین صاحب صدیقی (ایڈوکیٹ) اور جناب عبداللطیف خاں صاحب (سابق آفس سپرنٹنڈنٹ محکمہ تعلیم) کاشکریہ ادا کرتے ہیں جن کے تعاون سے میری یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

وقتاً فوقتاً ریٹائرڈ پرنسپل ڈاکٹر مسرت اللہ خاں صاحب اور جناب نسیم احمد خاں متعلق محکمہ تعلیم نے بھی اس سلسلہ میں کافی دلچسپی لی، ہم ان کے بھی شکرگزار ہیں۔

محمد شمشاد حسین رضوی

پرنسپل مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں (یوپی)

# باب اول

## بدایوں کی تاریخ

**بدایوں** کا تاریخی پسِ منظر بہت زیادہ وسیع ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ لفظ ''بدایوں'' بدلتے بدلتے بنا ہے۔ یکبارگی اس کا نام بدایوں نہیں پڑا۔ سب سے زیادہ پرانا نام 'وِدامنا' تھا اور پھر بدلتے بدلتے بدایوں ہوا۔ جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

> آثار قدیمہ، اسفار سابقہ ہمیں بتلا رہے ہیں، یہ پرانی بستی ہے ایک زمانہ میں اس کا نام ''وِدامتا'' تھا، پھر ویداموتھ ہوا، بعد کو ''بدھ مئو'' پھر ''بیدامئو'' پھر بیدامون، بیداؤں/ بداؤں لکھا گیا اور انگریزی عملداری میں بدایوں بروزن ہمایوں مشہور ہوا۔
>
> (انوار الٰہی، حصہ اول، ص: ۷-۶)

کسی بھی نام میں رفتہ رفتہ تغیرات کا ہونا، اس کے اصلاحی مدارج اور ارتقائی منزلوں کا پتہ دیتا ہے جب بدایوں شہر کے نام میں اس قدر تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں تو اس کے حالات

وکوائف اور سماجی و معاشرتی مسائل میں بھی تغیرات ہوئے ہوں گے اور اس میں رفتہ رفتہ نیرنگیاں بھی آئی ہونگی۔ سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی مسائل میں بھی نشیب وفراز آئے ہونگے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں۔

(۱) عمدۃ التواریخ — از- عبدالحئی صفا

(۲) تاریخ بدایوں — از- رائے بختاور سنگھ

(۳) تاریخ بدایوں — از- ڈپٹی محمد کریم

(۴) بدایوں قدیم وجدید — از- مولانا نظام الدین حسن نظامی

(۵) کنز التواریخ — از- مولوی رضی الدین بسملؔ

(۶) ہست وبود — از- مولوی ضیاء علی خاں اشرفی

بدایوں کے تاریخی پسِ منظر میں ایک روشن نام شمس الدین التمش کا آتا ہے۔ یہ وہ عظیم بادشاہ تھا جس نے بدایوں کو سجانے اور سنوارنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ خود بھی نیک، رحم دل اور علم کا قدرداں تھا۔ اہلِ علم اور ارباب ولایت سے محبت وعقیدت رکھتا تھا۔ انھیں کے عہد میں بدایوں کو عروج ملا اور اس کی فضا میں خلوص، محبت، عشق و وفا، خود سپردگی، علم وفن، فکر وشعور اور تخیل کی رنگینی دکھائی دیتی ہے اور کچھ ایسی خوشبو محسوس ہوتی ہے کہ دلوں کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں اور غنچے مسکرانے لگتے ہیں۔ عہد التمش میں بدایوں کو مدینۃ الاولیاء اور قبۃ الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ میں سمجھتا ہوں اس دور میں بدایوں کے لوگ بھی مکارم اخلاق اور بہترین سیرت وکردار کے حامل رہے ہونگے۔ قاعدہ ہے کہ...... الناس علی دین ملوکھم۔ کہ رعایا بادشاہوں کے طور طریقے پر رہتی ہے۔ جس قسم کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں رعایا بھی ویسی ہی ہوا کرتی ہے۔ اس سے آپ خود بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ التمش کے عہد گورنری میں یہاں کے باشندوں کا کیا مزاج رہا ہوگا اور کیسی سرشت رہی ہوگی؟

**شمس الدین التمش کے حالات** - شمس الدین التمش قراختائی ترکوں

کے قبیلۂ البری کے بہت بڑے گھرانے کا بیٹا تھا۔ اس کے باپ کا نام ایلم خاں تھا جو البری قبیلہ کا سردار تھا۔ التمش اپنے تمام بھائیوں، میں ممتاز تھا۔ صورت میں بھی اور سیرت میں بھی عقل وخرد زیرک و دانائی میں یگانہ تھا، ذہین وفطین بھی تھا۔ اسی لئے باپ اسے دل و جاں سے چاہتا تھا اور اس کا زبردست خیال رکھتا تھا۔ التمش کے دوسرے بھائیوں کو باپ کا یہ رویہ ناگوار خاطر تھا اور وہ سب دل ہی دل میں کڑھتے تھے اور اس فراق میں رہا کرتے تھے کہ کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آئے جس سے التمش کو نیچا دکھایا جائے یا پھر اسے راستہ ہی سے ہٹا دیا جائے۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ اس کے بھائیوں، بھتیجوں نے التمش کو کسی سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہیں سے اس کی غلامی کی زندگی شروع ہوگئی اور آزادی رخصت ہوئی۔ ذرا سوچئے کہاں سردار کا عظیم نورِ نظر اور پھر غلامی کی زندگی؟ اسے نیرنگئ قسمت کہا جائے، یا پھر مستقبل کے اجالوں کا پیش خیمہ؟ اس میں کیا مصلحت مضمر تھی؟ یہ وہی جانتا ہے جو کانٹوں کو بھی زندگی عطا کرتا ہے اور پھولوں کو بھی مسکرانا سکھاتا ہے۔ پھر حاجی بخاری نامی ایک شخص نے التمش کو خرید لیا اور اس سے حاجی جمال الدین چست قبا نے خرید لیا اور التمش کو ساتھ لے کر غزنی آ گیا۔ التمش غلام بن کر کبھی بخاریٰ میں رہا اور کبھی بغداد وغزنی میں۔ اس طرح اس کی پرورش ہوتی رہی اور اس کی شخصیت میں تابناکی آتی رہی بظاہر غلامی کی زندگی میں تعلیم وتربیت کی فراہمی ذرا مشکل ہوتی ہے کہ انھیں تو صرف آقا کی ہدایت پر چلنا ہے اور اس کے اشارۂ ابرو پر اپنی جاں نچھاور کرنا ہے۔ خود کو سنوارنے یا سنورنے کا موقعہ کہاں ملتا ہے؟ یہ بات ہر شخص جانتا ہے غزنی میں التمش غلام کی شہرت ہوئی اور اس کے حسن و بانکپن اور رخِ زیبا کا چرچا ہونے لگا۔ سلطان شہاب الدین[1] غوری نے بھی اسے خریدنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ

---

۱۔ شہاب الدین غوری۔ ایک خدا ترس، رحم دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا اگرچہ وہ ایک خود مختار حکمراں تھا لیکن عالموں، فاضلوں اور ولیوں کی صحبت میں بیٹھنے کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا اور ان کی عزت اور خدمت کرنے کو وہ اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا، غزنی پر ابتدا سے سالِ شہادت تک ۳۵ رسال حکومت کی، اس کی صرف ایک اکلوتی لڑکی تھی۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول ص: ۲۵۶، بحوالہ حاشیہ سلک السلوک ص: ۱۶۔)

ہوسکا۔اس کے وجوہات کچھ بھی رہے ہوں؟ مگر قطب الدین ایبک نے اپنی بہتر تدبیر سے اسے خرید لیا چونکہ التمش میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں جو کسی غلام میں عام طور سے نہیں ہوتی ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی پیشانی میں شاہانہ چمک ابھی سے نظر آرہی تھی کہ قطب الدین نے اسے خرید کر اپنی تربیت و تعلیم میں لے لیا۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسے اپنا بیٹا بنا کر درباریوں میں داخل کر دیا۔پھر تو چوطرفہ ترقی کی راہیں کھل گئیں۔

خود دربار میں اور دربار سے باہر بھی التمش کے چرچے ہونے لگے،اس کے اخلاق اچھے کردار اور اس کی ذہانت و فطانت کی تعریف ہونے لگی۔اس کا حسن و جمال تو بہ شکن تھا جو دیکھتا ایک ہی نظر میں اس سے متاثر ہو جاتا اور کردار و عمل،سیرت و اخلاق کی تعریف کرنے لگتا اور التمش کو قطب الدین کس قدر چاہتا اس کا اندازہ لگائیے......

> قطب الدین[1] التمش پر بڑا اعتماد کرتا تھا۔یہاں تک کہ گوالیار کا قلعہ فتح کر کے التمش کو اس کا حاکم بنا دیا۔کچھ عرصہ بعد التمش کو برن اور اس کے گرد و پیش علاقوں کی جاگیرداری دیدی اور اسے بدایوں کا حاکم بھی مقرر کر دیا۔ جب شہاب الدین کھکروں کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان آیا تو قطب الدین بھی شاہی حکم کے مطابق ایک زبردست لشکر لے کر شہاب الدین کی مدد کے لئے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔
> التمش نے پنجاب کے اس معرکہ میں اپنی فطری بہادری کے بڑے جوہر دکھائے اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی فوج میں اس جیسا بہادر اور جیالا سپاہی اور کوئی نہیں ہے۔(تاریخ فرشتہ،جلد اول،ص:۲۴۹)

---

۱- قطب الدین ایبک- قطب الدین ایبک ایک غلام تھا جسے بچپنے میں ترکستان کے ایک سوداگر اسے نیشاپور لایا اور قاضی فخر الدین کے ہاتھ بیچ دیا ان کے انتقال کے بعد قاضی صاحب کے کسی بیٹے نے ایک دوسرے سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا اور انھوں نے سلطان شہاب الدین کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا۔۵۸۸ھ میں انھوں نے بدایوں کے قلعہ کو فتح کیا اور ۶۰۷ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔(تاریخ فرشتہ ص:۱۳۲،بحوالہ حاشیہ سلک السلوک)

التمش کی اسی فطری بہادری، شجاعت اور دلیری نے سلطان شہاب الدین غوری کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ شاہی انعامات سے بھی نوازا گیا اور غلامی کی زندگی سے بھی آزادی ملی۔ التمش اب غلام نہ رہا بلکہ ایک آزاد انسان بن کر ابھرا اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے اعلیٰ عہدوں تک جا پہنچا۔ یہاں تک کہ قطب الدین ایبک کی لڑکی سے التمش کی شادی ہوگئی اور ۶۰۷ھ میں دہلی کی سلطنت کا فرماں رواں بن گیا۔ اس طرح پورا ہندوستان اس کے زیر نگیں ہو گیا۔ التمش نے ۶۰۷ھ سے ۶۳۳ھ تک یعنی کل ۲۶ رسال حکومت کی، اس دوران اس نے ہندوستان کے سیاسی نظام کو مضبوط کیا اور عوام سے بھی ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا سلوک نہیں کیا۔ جیسی ضرورت پیش ہوتی ویسا ہی معاملہ کرتے، کہیں محبت سے پیش آتا اور کبھی تیر و سناں سے بھی کام لیتا کہ نظام حکومت انھیں دونوں کے بیچ گردش کرتا ہے۔ ان کی حکومت میں سبھی خوش رہے اور بادشاہ سلامت کو دل سے دعائیں دیں۔

کامیابی کی اسی دہلیز نے التمش کے قد زیبا پر شمس الدین کے لقب کو موزوں قرار دیا۔

**شمس الدین کی شخصیت اور اس کا تجزیہ** - اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ شخصیت ارتقائی انداز میں نشو و نما پاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس میں قوس و قزح کی رنگینیاں آتی ہیں کہ شخصیت کوئی انجمادی کیفیت کا نام نہیں بلکہ ایک نظام کے سہارے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف متحرک ہوتی ہے۔ شخصیت ان تمام منزلوں سے گزرتی ہے جہاں سے اثر انگیزی کی امید ہوتی ہے۔ گھر کا ماحول ہو یا درسگاہ کی فضا، بزرگوں کی صحبت ہو یا پھر ان کی محفلوں میں شرکت، یہ وہ چیزیں ہیں جو شخصیت کو متاثر کرتی ہیں اور اس میں نیرنگیٔ جہاں کو جنم دیتی ہیں۔ سیادت و قیادت کا جوہر بھی انھیں اپنے باپ دادا سے ملا ہوگا اور شجاعت و بہادری کا مزاج بھی۔ جب بہادری کی صلاحیت پر جوش انداز میں ہوتی ہے تو اس کے بہک جانے کا اندیشہ قوی ہو جاتا ہے اور پھر بات ظلم و زیادتی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ قدرت کا نظام دیکھئے کہ اس پر جوش جوہر کو اعتدال کی حالت میں رکھنے کے لئے، التمش کو

غلام کی حیثیت سے واقف کرایا اور پھر فقیروں، درویشوں کی صحبت سے اسے حقیقی اعتدال سے آشنا کر دیا۔ التمش بادشاہ تھا، شاہانہ لباس بھی رکھتا تھا اور زرق و برق پوشاک بھی، مگر اصل خوبی و کمال یہ نہیں، حقیقت میں معنوی خوبیاں وہ ہوا کرتی ہیں جو شخصیت کے پردوں میں چھپی ہوتی ہیں جس پر شخصیت کا نظام چلتا ہے اور کہا جاتا ہے وہ باکمال شخصیت کا مالک ہے۔ اس کی شخصیت میں خوبیاں کس طرح آئیں؟ اس کو جاننے کے لئے ذیل کی عبارت کا مطالعہ کریں......

> بعض لوگ خود التمش کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں التمش بخارا میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک روز اس کے آقا نے اسے ایک رائج الوقت سکہ دیا اور بازار سے انگور لانے کو کہا، التمش انگور لانے کو روانہ ہوا۔ بازار میں جاتے جاتے اچانک وہ سکہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اس نے بہت تلاش کی مگر سکہ نہ ملا، لہٰذا وہ مجبور ہو کر (آقا کے خوف سے) ایک جگہ بیٹھ کر رونے لگا۔ اس وقت اُدھر سے ایک فقیر گزرا، اس فقیر نے اپنے کشف باطن کے ذریعہ التمش کا حال معلوم کر لیا اور انگور خرید کر اسے دیئے، انگور دیتے ہوئے فقیر نے التمش سے کہا اگر خدا تجھے بھی بادشاہ بنا دے تو تو فقیروں اور حاجت مندوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا جو خداوند تعالیٰ نے اس وقت تمہارے ساتھ کیا ہے۔

(تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص: ۵۵-۲۵۴)

یہ پوری عبارت غیبی امداد کی وضاحت کر رہی ہے اور اس میں کچھ ایسے گہرے اشارے بھی ہیں جن سے التمش کی شخصیت کی تفہیم میں آسانیاں آتی ہیں۔ سکہ کا کھو جانا کوئی حیرت انگیز نہیں مگر فقیر کا اس مقام پر آنا، اندرونی کرب و اضطراب کا دریافت کر لینا، انگور لا کر دینا

اور کچھ نصیحت کرنا ضرور حیرت انگیز ہے کہ اس سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں مثلاً......

(۱) یہ صرف سکہ کے کھو جانے والی بات نہ تھی بلکہ بادشاہت کے لٹ جانے کا مسئلہ تھا اگر فقیروں، برگزیدہ بندوں کا سہارا نہ لیا جاتا، یہ ایک ایسا اظہار عمل تھا جس کا اثر براہِ راست التمش کے ذہن وفکر پر پڑا تھا اور اس کی شخصیت متاثر ہوئی تھی۔

(۲) انگور کے دیئے جانے سے یہ عقدہ کھلتا ہے کہ جو خدا کا برگزیدہ بندہ ہوا کرتا ہے وہ ہر کھوئی ہوئی چیز کو واپس لاسکتا ہے اور واپس دلا بھی سکتا ہے اس واقعہ سے اس کی شخصیت میں فقیروں، درویشوں کے لئے جو جذبہ خیر سگالی بیدار ہوا وہ غیر فانی ہے اور تا زندگی قائم رہنے والا ہے۔

(۳) فقیر نے التمش کو بادشاہ بننے کی پیشینگوئی بھی کردی اور اس کے چلانے کے انداز بھی بتا دیئے کہ بادشاہ بننے کے بعد ان اللہ والوں کو نظر انداز مت کرنا اور نہ ہی ان کے ساتھ ظلم و زیادتی سے پیش آنا کہ بنائے سلطنت انھیں کے دم قدم سے ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جس نے التمش کی شخصیت اور ذات وحیات میں ایک گہری اور انمٹ چھاپ چھوڑ دی۔

یہیں سے التمش کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہوتا ہے اور یہ انقلاب ولیوں اور خدا کے بندوں سے محبت کرنے، دل وجان سے انھیں چاہنے اور معاملہ درپیش آنے پر اپنی عزیز ترین جان ان پر قربان کر دینے سے عبارت ہے۔ اب التمش کی زندگی اور اس کی شخصیت میں وہ تمام معنوی خوبیاں اور جمالیات آگئیں جن کی وجہ سے ذات وشخصیت معتبر ہوا کرتی ہے۔ التمش عام بادشاہوں کی طرح نہ تھا۔ شریعت اور طریقت دونوں کا التزام رکھتا تھا۔ نماز پڑھنے کا عادی اور تہجد گزار تھا۔ اس کی فطرت میں نیکی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بزرگوں کی ملفوظات میں بھی التمش کا تذکرہ آیا ہے اور بڑے ہی اچھے لفظوں میں آیا ہے۔ جن سے ان کی شخصیت کے خدوخال اور تار و پود نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے تو کوئی بیجا بات نہ ہوگی کہ التمش بظاہر بادشاہ ضرور تھا مگر اس کا دل درویشوں جیسا تھا۔ خدا کے برگزیدہ

بندوں کی خدمت کو اپنے لئے خوش نصیبی تصور کرتا تھا......التمش کی غلامانہ زندگی کی یہ جھلک بھی دیکھئے، کس قدر خوش نما اور دیدہ زیب ہے۔تاریخ فرشتہ کا مؤلف رقمطراز ہے کہ......

بعض کتب تاریخ میں یہ واقعہ بھی التمش کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ جب التمش بغداد میں اپنی غلامی کا ابتدائی زمانہ بسر کر رہا تھا، تو ایک روز اس کے مالک نے کچھ صاف باطن درویشوں کو اپنے گھر مدعو کیا۔ محفل سماع شباب پر تھی اور یہ فنا فی اللہ لوگ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ نعرہائے مستانہ بلند کر رہے تھے۔ یہ محفل رات بھر جاری رہی اور التمش رات بھر ہاتھ میں شمع لے کر کھڑا رہا۔ قاضی حمید الدین ناگوری اس محفل کے صدر تھے فقرائے پاک طینت التمش کی اس خدمت سے بے انتہا خوش ہوئے اور اس گروہ کی کیمیا اثر نگاہوں کے طفیل اس خوش عقیدہ غلام التمش کے دن پھر گئے۔ وہ پہلے خاک تھا اور اب کندن بن گیا۔ پہلے غلام تھا اور اب بے شمار غلاموں کا آقا۔

(تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص: ۲۵۵)

عام انسانوں کی یہ فطرت ہوا کرتی ہے جب اسے کوئی منصب یا عہدہ مل جاتا ہے تو اپنی پچھلی زندگی فراموش کر لیتا ہے اور اس دور کے دوستوں کو بھی بھول جاتا ہے۔ کسی کی نصیحت اور کہی ہوئی باتوں کا کون دھیان رکھتا ہے؟ یہ دور حاضر کا تقاضہ ہے اور زمانہ کا بدلتا ہوا رجحان بھی۔ مگر یہ التمش تھا اور بادشاہوں میں سب سے نمایاں مقام رکھتا تھا بلکہ عام انسانوں میں بھی الگ تھلگ دکھائی دیتا تھا۔ اس کی یہی وہ خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے سبھی لوگ اس کے درِ دولت پر جبہ سائی کرتے تھے اور ان کی سرپرستی میں پناہ گزیں ہونے کو لائق صد مسرت تصور کرتے تھے، اس عالی منصب پر فائز ہونے کے بعد نہ اس نے اپنے دور غلامی کو فراموش کیا اور نہ ہی اس زمانہ کے دوستوں کو اور اُس وقت جو نصیحت کی گئی تھی۔ شمس

الدین التمش نے باضابطہ اس پر عمل کیا اور تا زندگی اس پر عمل پیرا رہا۔ وہ کم ظرف ہوا کرتا ہے جو تھوڑی سی پی کر بہک جاتا ہے، مزا تو جب ہے مکمل پیا جائے اور قدم میں ذرا بھی لوچ نہ آئے۔ التمش ایک ایسے منصب پر فائز تھا جہاں نخوت، کبر اور غرور کے تمام تقاضے فراہم تھے اور دربار میں ایسے لوگ بھی تھے جو جھوٹی تعریف اور خوشامدانہ انداز اختیار کر کے نفس کو آسودہ بھی کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود التمش نے ان چیزوں کو اپنے پاس نہ آنے دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس کی زندگی اور اس کے تمام حرکات و سکنات پاک طینت اور صاف باطن افراد کی نگرانی میں تھے اسی لئے وہ شیطانوں کے حملوں، وسوسوں سے محفوظ رہا۔ کوئی دلدل میں پھنس جائے اور زندہ سلامت واپس آجائے یہ ضرور حیرت انگیز اور تعجب خیز معاملہ ہے۔ ذیل میں ایک ایسی تحریر دل پذیر پیش کی جارہی ہے جس سے التمش کی شخصیت کی نیرنگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کا مطالعہ کریں اور حق و دیانت سے فیصلہ لیں۔

**حوض شمسی اور التمش** - حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر اپنے پیر و مرشد حضرت قطب الدین بختیار اوشی علیہ الرحمہ کے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ......

> ایک مرتبہ التمش کو حوض شمسی تعمیر کروانے کا شوق پیدا ہوا اس سلسلے میں وہ روزانہ حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حوض کی جگہ اور اس کے رقبہ وغیرہ کے بارے میں ان سے بات چیت کرتا۔ اس حوض کی تعمیر کے لئے التمش کے ذہن میں جو مقام آتا وہ فوراً اسے جا کر دیکھتا اور پھر کسی وجہ سے اس مقام کا خیال ذہن سے نکال دیتا۔ اتفاق سے ایک دن التمش کا گزر اس جگہ سے ہوا جہاں اب حوض شمسی واقع ہے۔ التمش کو یہ مقام بہت پسند آیا اور اس نے اسی وقت اس جگہ پر حوض کی تعمیر کا ارادہ کر لیا۔ جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو التمش نے خواب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ التمش نے دیکھا

کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس منتخب مقام کی طرف تشریف لائے ہیں اور التمش سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ کس امر کا خواہاں ہے۔ التمش جواب دیتا ہے کہ وہ اس جگہ ایک حوض تعمیر کرانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے التمش کی التجا کو پسند فرمایا اور ان کے گھوڑے نے زمیں پر لات ماری جس سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور زور وشور سے بہنے لگا۔ التمش نے ابھی اسی قدر دیکھا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس وقت قدرے رات باقی تھی اور التمش اسی وقت حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑے ادب کے ساتھ ان سے اپنے خواب کی تمام روداد بیان کردی۔ حضرت فرید گنج شکر اپنے پیر ومرشد سے روایت کرتے ہیں کہ التمش اس وقت حضرت قطب صاحب کو اپنے ساتھ اسی جگہ لے گیا۔ قطب صاحب نے شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہاں چشمہ پھوٹا ہوا ہے اور اس کا پانی ہر چہار جانب بہہ رہا ہے۔ (تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص:۲۵۶)

اس واقعہ سے التمش کی شخصیت میں جس نکھار، حسن ورعنائی اور بانکپن کا اندازہ ہوتا ہے وہ لائق تحسین بھی ہے اور باعثِ رشک بھی۔ نیز اس میں یہ پیغام بھی ہے کہ جب وقت کا بادشاہ دریوزی گری پر مجبور ہے تو ہر انسان کو اسی طرز اور اسی روِش پر چلنا چاہیے کہ اسی میں سلامتی ہے اور اُخروی فلاح و بہبود بھی۔ آخران پاکباز انسانوں کی کیسی نظر تھی؟ کہ ایک ہی نظر میں التمش خاک کے ذروں سے اُٹھ کر ستاروں کی جھرمٹ میں جا بیٹھا اور اہل دنیا کے لیے نمونۂ عمل بن گیا۔ میرے دوست! سوکھے دھانوں پہ سبز وشادابی اسی انداز سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کہیں بھی جائیں، کانٹے ہی نصیب ہونگے، پھولوں کا بانکپن اور چمن نو بہار میں شگفتگی تو صرف انھیں برگزیدہ بندوں کے نقوشِ قدم کی برکت سے آتی ہے۔ وہ لوگ کن

بھول بھلیوں کے اسیر ہیں؟ جو اللہ والوں پر تنقید کرتے ہیں اور اپنی محفوظ کمیں گاہوں سے لفظوں کے تیر برساتے ہیں، ہمیں ان کی سادہ لوحی اور سیدھے پن پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنا ہی نقصان کرر ہے ہیں۔ بھلا ان کا کیا ہو سکتا ہے؟ ان کا محافظ تو خدائے پاک ہے

نورِ حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

ایسے لوگوں کے لئے صرف یہ شعر نذر ہے شاید یہ اثر انداز ہو جائے کہ......

شیشے کے گھر میں بیٹھ کے پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پر حماقت تو دیکھئے

اے التمش تجھے سلام اور تیرے کردار و عمل کو سلام کہ تو نے بدایوں کو اوج ثریا کا مقام عطا کر دیا اور اسے رشک جناں بنا دیا۔ تیرے عہد گورنری میں بدایوں کی فضا عشق ومحبت کی خوشبوؤں سے مہک اٹھی تھی، یہ وہ سچائی ہے جو تاریخ کے آئینہ سے جھلکتی ہے۔ تاریخ فرشتہ فن تاریخ کی ایک معتبر کتاب ہے۔ ہندوستان میں جس قدر بھی تاریخیں لکھی جاتی ہیں ان میں اس کتاب کا حوالہ ضرور دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تاریخ فرشتہ ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی تاریخ فرشتہ کے حوالہ سے میں نے بزرگوں کے چند ملفوظات کا ذکر کیا ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ ملفوظات بھی تاریخ کے لئے مصادر و مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا اس کے حوالہ سے جو بات بیان کی جائیگی وہ ثبوت کا درجہ رکھتی ہے، تاریخ ماخذ ضرور ہے مگر ملفوظات کے ماخذ ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بات اس لئے بیان کی جارہی ہے کہ آنے والے صفحات میں ملفوظات کے حوالے بھی آئیں گے۔ اس کے نگارشات کو تسلیم کرنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ وقت سے قبل اس کی وضاحت کردی گئی تا کہ آپ اپنے ذہن و دماغ اور قلب وجگر کو اس کے لئے تیار کرلیں۔

☆☆☆

# باب دوم

## بدایوں کا علمی ماحول

علم تاریخ سے تعلق رکھنے والے اس بات سے خوب واقف ہیں کہ چنگیز خاں[1] نے وسط ایشیا میں ایک کہرام مچا رکھا تھا۔ ظلم و زیادتی اور قہر و غضب کا ماحول گرم کر رکھا تھا۔ اہلِ علم ستائے جا رہے تھے۔ خراسان، بخارا، آذر بائیجان اور سیستان کے علاقے تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ اس تباہ و بربادی کے سبب ان علاقوں کی فضائیں بھی سوگوار نظر آ رہی تھیں اور ماحول پر مکمل سناٹا طاری تھا۔ کوئی کسی کی سننے کو تیار نہیں۔ عجیب قسم کی ہائے توبہ مچی ہوئی تھی، افراتفری بھی تھی اور طوائف الملوکی بھی، ذرا سوچیے ان سنگین حالات میں کون ہے؟ جو علمی ادبی اور فکری امور کو انجام دے سکتا ہے؟

---

۱- چنگیز خاں- ۵۹۶ھ میں پیدا ہوا۔ ۲۵ رسال تک حکومت کی، وہ ظالم و جابر حکمراں تھا۔ انھوں نے علماء، فضلاء اور دوسرے نیک لوگوں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ ۴ر رمضان ۶۲۴ھ میں اس کا انتقال ہوا، اس کی اولاد ۵۵ کے قریب تھی، مگر ان میں چار زیادہ ممتاز تھے...... (۱) جوجی خاں جو دشت قبچاق کا حاکم تھا۔ (۲) چغتائی خاں، ترکستان، خراستان ماوراء النہر پر حکومت کرتا تھا۔ (۳) اوکستان خاں چنگیز خاں کا جانشین تھا۔ (۴) قوی خاں ملک حظ کا حاکم تھا۔ (از حاشیہ سلک السلوک مترجم، ص:۱۹)

ٹھیک اسکے دوسری طرف التمش تھا جورحم دل اور علم دوست انسان تھا، انھوں نے کبھی کسی کواذیت نہ دی اور نہ ہی کسی کوستایا۔ اسلئے اسکے زیر نگیں والے علاقے پرسکوں تھے اور عوام وخواص عزت کی زندگی بسر کررہے تھے وہ علم والوں کی قدر ومنزلت کیا کرتا تھا اور فقیروں، درویشوں پرتو اپنی جان چھڑکتا تھا، اللہ کے دوستوں اور ولیوں سے بیحد لگاؤ رکھتا تھا۔ اس کی انہیں خوبیوں اور خصوصیات کے سبب مختلف دیار و امصار سے اہل علم ہندوستان کارخ کررہے تھے۔ کوئی خراسان سے آیا اور کوئی بخاریٰ سے، کوئی آذربائیجان سے تو کوئی عراق سے۔ کسی نے نخشب سے رخت سفر باندھا، تو کوئی مہرہ سے آیا اور کسی نے ملتان لاہور کو خیر آباد کہہ کر دلی اور بدایوں کی طرف رُخ کیا۔ آخر ہندوستان کی فضا میں وہ کون سی کشش تھی کہ دور ودراز کے علاقوں سے علماء، فضلاء، مفکرین اور قوم وملت کے دانشوروں اور صاحب اتقاء بزرگوں نے اس طرف رخ کیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے اہل علم اور صاحب زہد وورع کا کارواں بدایوں آکر اترتا رہا۔ وہ ساعت کس قدر حسین اور پرکشش نظر آتی ہوگی جب بدایوں کی فضا، عشق ووفا اور حب وولا سے آشنا ہو رہی تھی۔ ماضی کے اس تصور کو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے بھینی بھینی خوشبو آتی ہے اور مشام جاں کو معطر کر جاتی ہے اور قلب وجگر میں ایک ایسی کیفیت طاری کردیتی ہے جس سے بدن کا رونگٹا رونگٹا خوشیوں کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

ہمیں بدایوں کی قدیم تاریخ یاد رکھنی چاہیے اور اس دور کے انقلابات وتغیرات بھی ذہن میں محفوظ کئے جانے کے لائق ہیں۔ یہی وہ پسِ منظر ہے جس سے بدایوں میں رفتہ رفتہ علمی ماحول اور ادبی وفنی فضا تیار ہوئی۔ یہ ماحول بھی دفعتہً تیار نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے کافی جدوجہد کرنی پڑی ہے، ذہن ودماغ صرف کیا گیا اور بہت سی چاہتوں کو قربان کرنا پڑا، جس طرح خون جگر پلاکر بچوں کو پروان چڑھایا جاتا ہے، اسی طرح علمی ماحول کے لئے خون جگر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے خون پسینہ ایک کرکے جب علم وفن کی زلفوں کو

سنوارا جاتا ہے اور فکر وشعور کے رخ زیبا پہ جب چاندنی لائی جاتی ہے تو فضاؤں میں علم و ادب کی روایتوں کا سویرا ہوتا ہے علمی ماحول کسی فرد واحد کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس میں پوری جماعت اور پورا گروہ کام کرتا ہے۔ مختلف ذہن اور متضاد فکری قوتیں جب متحد ہوکر کوشش کرتی ہیں، تب ماحول سازی ہوتی ہے۔ بدایوں کے علمی ماحول میں بھی جن افراد نے کوششیں کیں ہیں اگر چہ یہ کوششیں الگ الگ نوعیّتوں کی تھیں تاہم ان میں کلیدی کردار، مدرسہ معزیہ کا رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے اساتذہ اور اس کے طلبہ کا رہا ہے کیونکہ مدرسہ سے الگ ہوکر ماحول سازی ہوسکتی ہے؟ اس سے انکار نہیں مگر جس ماحول کی بات کی جارہی ہے، مدرسہ سے الگ اس کی کوئی حقیقت نہیں، کہ خود روشن ہونا کوئی کمال نہیں۔ کمال اس بات میں ہے کہ خود بھی روشن ہوں اور اس کے سبب صحراؤں میں بھی چاندنی کا کھیت لہلہا اُٹھے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کسی مدرسہ کے پلیٹ فارم سے علمی کارنامے انجام دیئے جائیں کہ اجتماعی کوشش ہی کامیاب ہوتی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو کوئی غلط بات نہیں ہوگی کہ اجتماعیت کے سہارے ہی انفرادیت کی شان زیبائی ہے۔ ذرا سوچئے، آسمان کی وسعتوں میں ایک ستارہ کیا کرسکتا ہے جب کہ ہزاروں ستارے نہ ہوں۔

**مدرسہ معزیہ کا تعارف** - تاریخی حقائق بتاتے ہیں کہ بدایوں ہر دور میں علمی، ادبی، فکری اور شعوری روایتوں کا مرکز رہا ہے۔ جب بدایوں کی خاک نے مسلمانوں کے مبارک تلووں کا بوسہ لیا تو انبخلائی کیفیت محسوس کی اور یہاں اسلامی علوم وفنون کے ان گنت سوتے پھوٹ پڑے اور یکے بعد دیگرے علم وادب کی شمع روشن ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے بدایوں علم وادب، فکرو دانش کا ایک پرکشش نگار خانہ بن گیا۔ دوسرے مذہبوں کی طرح یہاں بھی تعلیم گاہ اور دانش کدہ قائم ہوا جس کا نام ''مدرسہ معزیہ'' رکھا گیا۔ غالبًا اسے قطب الدین ایبک/شمس الدین التمش نے اپنے آقا معزالدین کے نام سے قائم کیا تھا۔

انوارالہی کا مصنف لکھتا ہے......

> مسلمانوں کے تسلط کے وقت یہاں زبان عربی اور علم فقہ کا عظیم الشان دارالعلوم قائم ہو کر مدرسہ معزیہ کے نام سے ہندوستان بھر میں شہرہ آفاق ہونے لگا تھا۔ یہیں سے فارغ التحصیل طلبہ جید عالم و فاضل بن کر نکلتے تھے۔ (انوارالہی، ص:۹)

صاحب تذکرۃ الواصلین اور کنز التواریخ نے بھی مدرسہ معزیہ کی انفرادیت، عظمت و اہمیت اور اس کی افادیت کا تذکرہ کیا ہے کہ اس مدرسہ سے بہت سے اشخاص عالم و فاضل ہوتے تھے۔ انوارالہی کی عبارت کا گہرائی سے مطالعہ کریں، نتیجہ کے طور پر چند باتیں نکل کر آتی ہیں جو اس طرح ہیں......

(۱) مدرسہ معزیہ ایک عظیم دارالعلوم تھا۔

(۲) اس مدرسہ سے بہت سے افراد عالم و فاضل بن کر نکلے اور ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئے۔

(۳) انھیں افراد علم و ادب کی وجہ سے ہندوستان بھر میں مدرسہ معزیہ کی شہرت ہوئی۔

انھیں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں بدایوں ہی ایک ایسا شہر تھا جو علم و ادب اور فکر و شعور کا عظیم مرکز تھا۔ تمام ہندوستانی اسی شہر کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی خوبی اور کمال ہے کہ اہل بدایوں کو اس پر خوش ہونا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ زمانہ ماضی کے ان حسین اور خوشگوار لمحوں نے بدایوں کی خاک کو اجالوں اور روشنیوں کا غازہ بنا دیا کہ اسی خاک سے اجالوں کا منھ دھلتا ہے اس کے بعد وہ صاف و شفاف ہوتا ہے۔

علمی ماحول سازی کے لئے چند بنیادی چیزوں کا ہونا ضروری ہے......

**اولاً -** جگہ مناسب ہو، شور شرابہ سے دور ہو۔

**ثانیاً -** اہل علم وفن کی خاص توجہ ہونی چاہیے۔

**ثالثاً -** کوئی مرکزی ادارہ ہو جہاں علمی اشاعت بخوبی انجام پا سکے۔

**رابعاً -** پڑھنے والے طلبہ میں بھی علمی ذوق وشوق پایا جاتا ہو۔

جہاں یہ تمام چیزیں دستیاب ہوں وہیں علمی ماحول قائم ہوسکتا ہے۔ ان میں سے اگر ایک چیز بھی مفقود ہو جائے تو علمی ماحول کا قیام دشوار ہو جاتا ہے اور اگر کسی وجہ سے قائم بھی ہو جائے تو اس کی صیانت وحفاظت نہیں ہوسکتی ہے۔

**الحمد لله -** بدایوں میں یہ تمام چیزیں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ اسی لئے بدایوں علم وفن کا مرکز اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ بن گیا۔ فکر ودانش کے شبستانوں میں اگر کہیں کوئی چراغ جلتا تھا، تو یہ چراغ بدایوں کا ہوا کرتا تھا اور اسی شہر پاک کی علمی تابندگی تھی جو دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کے اجالے ہر طرف نظر آرہے تھے۔ بدایوں علمی ماحول کے لئے کس قدر مناسب تھا؟ اور مدرسہ معزیہ کی کیا حیثیت واہمیت تھی؟ اس بارے میں ابھی آپ مطالعہ کر چکے ہیں اب ذرا ان حضرات سے بھی متعارف ہوتے چلیں جنھوں نے مدرسہ معزیہ کو وقار بخشنے میں زبردست کوشش کی اور کلیدی کردار ادا کیا۔

**مدرسہ معزیہ کے مدرسین -** یہ حقیقت ہے کہ مدرسہ معزیہ کا اب کوئی وجود نہیں اور نہ ہی اس کے نشانات موجود ہیں صرف اسی قدر معلوم ہے کہ وہ ایک مدرسہ تھا جو جامع مسجد شمسی کے عقب میں واقع تھا۔ اس سے زیادہ اس کا تعارف کسی تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ مدرسہ کی ترقی کا انحصار اس کی عمارت یا جائے وقوع پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی تعلیم وتربیت، مدرسین کی اعلیٰ صلاحیتوں اور طلبہ کی محنتوں پر ہوا کرتا ہے۔ مدرسہ ھٰذا کے مدرسین کن اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے، اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل تحریروں سے لگا سکتے ہیں۔ مدرسہ معزیہ کے چند مدرسین میں یہ حضرات اہمیت کے حامل تھے......

(۱) حضرت علامہ مخدوم عالم سمرقندی علیہ الرحمہ

(۲) حضرت علامہ زین الدین علیہ الرحمہ

(۳) حضرت شیخ شہاب الدین مہمرہ علیہ الرحمہ

**علامہ مخدوم عالم سمرقندی**- آپ کا نام مخدوم عالم تھا اور سمرقند کے رہنے والے تھے۔ یہ وہی سمرقند ہے جو کسی زمانہ میں علم وفن، فکر وشعور، کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جہاں کثرت سے محدثین، مفکرین اور محققین پائے جاتے تھے۔ اسی خوبصورت ماحول اور خوشگوار فضا کے آپ پروردہ تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی شخصیت میں علم وادب کی کیا کیا خوبیاں رہی ہونگی۔ آنجناب خود بھی عالم باکمال اور محقق بے بدل تھے۔ کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ انداز تفہیم بھی بڑا خوبصورت تھا اور انتظامی صلاحیت بھی آپ کی شخصیت میں پائی جاتی تھی۔ انھیں خوبیوں نے حضرت موصوف کو مدرسہ معزیہ کے اعلیٰ مدرس کے عہدہ پر فائز کردیا۔ آپ نے مدرسہ معزیہ کو کن خطوط پر ترقی دی۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک پرنسپل میں جن صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے وہ تمام تر صلاحیتیں آپ میں موجود تھیں۔ نہایت ہی کامیابی کے ساتھ آپ نے مدرسہ کو عروج بخشا اور درس وتدریس کے ماحول کو سرگرم رکھا اور علمی روایتوں کو طلبہ تک بحسن وخوبی منتقل کیا۔ انھیں خوبیوں نے موصوف کو تاریخ کے اوراق میں زندہ وتابندہ کردیا ہم دل وجاں سے انھیں سلام پیش کرتے ہیں اور ان کے باطنی فیوض وبرکات کے متمنی ہیں کہ ان کے دریائے فیض کی ایک بوند بھی ہماری شخصیت کے لئے ایک بحر ناپیدا کنار کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۲۷/ذوالقعدہ ۶۳۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار پاک اسی بدایوں شہر میں واقع ہے۔

**علامہ زین الدین** - مردان خدا اور تذکرۃ الواصلین کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ معزیہ کے دوسرے مدرس اعلیٰ حضرت علامہ زین الدین صاحب علیہ الرحمہ تھے۔ ظاہر ہے اس منصب کے تعلق سے جو خوبیاں اور انتظامی صلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے وہ

سب آپ کی ذات و شخصیت میں جمع تھیں۔ آج سے ۸۰۰ (آٹھ سو) سال پہلے علم وادب، فکر و شعور، فقہ و تدبر اور علم وادب کا پیکر جمیل ہونا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی ذات میں کچھ انفرادیت پائی جاتی تھی۔ ایک کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب مدرس اعلیٰ کا ہونا بہت بڑی چیز ہے۔ یہ سب کو میسر ہو ایسا ہرگز نہیں۔ مگر قدرت کسے اور کیا نواز دے؟ یہ اس کی عطا کی بات ہے۔ آپ کو جو کچھ بھی ملا، ہم اسے عطیہ ربانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء سے مرقوم ہے، آپ فرماتے ہیں......

> یہ شخص دانشمند تھے اور تمام مشکل مسائل حل فرماتے تھے جب لوگوں نے ان سے ان کی تعلیم کا حال پوچھا کہ آپ نے کس سے تعلیم پائی ہے تو خواجہ نے فرمایا کہ میں نے کسی سے نہیں پڑھا اور نہ کسی کا شاگرد ہوا بلکہ جب میں زمانہ کبرسنی کو پہنچا تو میں نے نماز موسومہ حضرت اویس قرنی پڑھنا شروع کیا اور بعد نماز دعا مانگتا تھا کہ الٰہی بہ برکت اس نماز کے مجھ کو علم نصیب ہو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور کچھ کسی سے نہیں پڑھا ہے اسی نماز کے طفیل سے میری یہ کیفیت ہے۔ (تذکرۃ الواصلین، ص: ۶۳)

اس سے معلوم ہوا آپ کا علم علم لدنی تھا اور عطیہ ربانی بھی اور جب عطیہ ربانی کی بات آتی ہے تو ہم نہ اس کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی کمیت کا۔ آپ کو کس قدر علم حاصل تھا اور اس علم کی کیا گہرائی تھی، اسے کوئی بھی دانشور نہیں بتا سکتا ہے، ہاں ہم صرف یہی جان سکتے ہیں کہ انھوں نے کیا پڑھایا؟ کتنا پڑھایا اور کس کو پڑھایا؟ اور پھر اسی سے شخصیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ علم کا ہونا اور چیز ہے اور تفہیم کا انداز خوبصورت ہو یہ ایک الگ شے ہے۔ عالم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا انداز تفہیم بھی موثر ہو۔ یہ بھی ایک

خداداد صلاحیت ہے وہ جسے چاہتا ہے، عطا کر دیتا ہے۔ حضرت مولانا زین الدین علیہ الرحمہ میں یہ دونوں خوبیاں موجود تھیں، معلومات بھی وسیع اور انداز تدریس بھی لا جواب۔ مولوی ضیا علی خاں حضرت کے طریقۂ تعلیم کے تعلق سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں......

'ایک شخص جو آنحضرت ﷺ کے معراج جسمانی کا قائل نہ تھا۔ ایران سے چل کر آپ کے پاس آیا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی اپنے خادم سے کہا......آغا بھوکے ہیں، ان کے لئے کچھ کھانا لاؤ۔ جتنی دیر میں خادم گھر سے کھانا لے کر آیا، اتنے ہی دیر میں آپ نے اپنے تصرفات کے ذریعہ اسے ایسا مطمئن کر دیا کہ اس کو اقرار کرنا پڑا -واقعی آنحضرت ﷺ کو جسمانی معراج عطا ہوئی تھی۔ (مردان خدا، ص: ۱۴۳)

تحریرات بالا سے معلوم ہو گیا علامہ موصوف کی شخصیت ایک عظیم شخصیت تھی اور مشکل سے مشکل علمی مسائل کی توضیح وتشریح پر انھیں پورا کمانڈ حاصل تھا اور مخاطب کو پورے طور سے مطمئن کر دینا کسی علمی، فنی شخصیت کی زبردست خوبی ہوا کرتی ہے۔ حضرت موصوف کو یہ کمال بھی حاصل تھا۔ جس مدرسہ میں ایسے ایسے عظیم مدرسین علم وفن کی خدمت انجام دے رہے ہوں، اس کا تعلیمی معیار کس قدر بلند ہو سکتا ہے۔ ہر فکر صائب والا انسان اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ حضرت علامہ زین الدین کی ایک معنوی شخصیت بھی ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ان کا علم وفن، فکر و دانش اور ادبی فنی صلاحیت فیض و برکت کا نتیجہ تھا اور خدا نے انھیں اسی مذکورہ نماز کے صدقہ میں عطا کر دیا تھا جو حضرت اویس قرنی کے نام سے موسوم تھی، فیض و برکت کے اس عظیم پیکر میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پائی جاتی تھی کہ جہاں انھیں نصیحتیں ملتیں ان پر فوراً عمل کرتے اور جذبۂ خلوص سے اس کی اتباع کرتے۔ کسی بھی انسان

کے اندر عمل واتباع کے اس قسم کے جذبہ کا ہونا بہت بڑی بات ہے کیونکہ یہی جذبہ انوار و تجلیات، فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ ہوا کرتا ہے اور اس سے شخصیت میں جو انوکھا پن پیدا ہوتا ہے اس کی تابانیوں پر نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ حضرت مسعود نخاسی علیہ الرحمہ جو مجذوب صفت انسان تھے۔ ہر وقت مست رہا کرتے تھے۔ مدرسہ معزیہ پہنچے اور حوض کے آس پاس بیٹھ کر یہ نصیحت فرمائی......

(۱) یہ کہ گھر کا دروازہ کھلا رکھو جو کوئی آوے اسے منع نہ کر۔

(۲) یہ کہ کشادہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ رہ۔

(۳) جو کچھ قلیل یا کثیر میسر ہو اس کے دینے میں دریغ نہ کر۔

(۴) اپنا بوجھ کسی پر نہ رکھ۔

(۵) یہ کہ لوگوں کا بار اپنے کندھے پر لے۔

یہ وہ نصیحتیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نصیحت پر سیر حاصل گفتگو کی جا سکتی ہے چونکہ یہاں وہ مقام نہیں اس لئے اس بحث کو معرض التوا میں رکھا جاتا ہے۔ مگر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک نصیحت کا تعلق انسانی، سماجی، معاشرتی اور خانگی زندگی سے ہے۔ ان میں اعلیٰ قسم کے حسن واخلاق، بہترین معاشرت اور ایثار و قربانی کی عظیم خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ حضرت سیدنا مسعود نخاسی علیہ الرحمہ یہ نصیحت فرما رہے تھے اور مولانا زین الدین صاحب علیہ الرحمہ ان کو اپنے ذہن و دماغ اور قلب وجگر میں اتار رہے تھے۔ میں سمجھتا ہوں حضرت والا جب تک اس خاکدان گیتی میں باحیات رہے ہونگے اس پر ضرور عمل کرتے ہونگے مدرسہ کے احاطہ میں ان نصیحتوں کی تلقین اس بات کی واضح علامت تھی کہ ایک مسعود نخاس کی ہی بات نہیں بلکہ اس وقت کے جس قدر اولیا، صلحا، ابدال، مجاذیب تھے ان سب کی دعائیں اور نظر التفات اس مدرسہ کی طرف تھی۔ اسی لئے مدرسہ معزیہ نے ایسے ایسے باکمال شخصیتوں کو پیدا کیا جس نے بدایوں کے علمی دبستاں کو بین الاقوامی حیثیت عطا کر دی

اور دیارِ غیر میں بھی اس کو متعارف کرایا۔ بالآخر قانون قدرت کے تحت علم وادب کا یہ ضو فشاں پیکر ۹ رصفر ۶۴۱ھ کو روپوش ہوگیا اور تہہِ گل ہو کر آج بھی اپنی تابانیوں سے اہل بدایوں کے قلب و دماغ کو تابناک کر رہے ہیں خدائے تعالیٰ ان کی تربت پر رحمتوں کی بارش برسائے، آمین۔

**شیخ شہاب الدین مہمرہ** - حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین مہمرہ بہترین عالم باکمال اور فاضل بے بدل تھے۔ نکتہ دان، نکتہ سنج اور نکتہ نواز بھی تھے۔ مشکل ترین مسائل کے حل و تجزیہ میں انھیں کمال حاصل تھا۔ اس تبحر علمی اور تفوق فن کے سبب انھیں مسند درس و تدریس تفویض ہوئی اور مدرس کی حیثیت سے مدرسہ معزیہ میں علمی خدمات انجام دینے کا سنہرا موقع ہاتھ آیا۔ آپ کے پڑھانے کا انداز اس قدر انوکھا تھا کہ جس کو پڑھاتے تھے کامل بنا دیتے تھے۔ خاص طور سے انوار الٰہی کے مصنف نے آپ کی اس خوبی کا تذکرہ کیا ہے……

> ذی استعداد طلباء کو پڑھا دیتے تھے اور جس کو پڑھا دیئے تھے اُسے کامل بنا دیتے تھے ناقص نہیں چھوڑتے تھے۔ جس کا نمونہ حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبی آپ کے شاگرد رشید کو دیکھ لیجئے۔
>
> (انوار الٰہی، جلد سوم، ص: ۲۰۳)

صاحب انوار الٰہی کا فرمانا…… کہ کامل بنا دیتے تھے، کئی مفہوم کو واضح کرتا ہے……

**اولاً** - یہ کہ مشکل اور دقیق مفہوم کو آسان لفظوں میں بیان کر دینا خاص طور سے یہ آپ کی عظیم خصوصیت تھی۔

**ثانیاً** - یہ کہ علمی مسائل کو آپ طلبہ کے قلب وذہن میں اتار دیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ترسیل میں کامیابی بھی آپ کی خصوصیت تھی۔

**ثالثاً** - یہ کہ کتابوں سے بھی آپ پلاتے تھے اور نگاہوں سے بھی، جہاں علمی انداز

بیاں ناکام ہوتا وہاں باطنی تصرف سے کام لیتے تھے۔ انھیں دونوں خصوصیتوں سے آپ کام لیتے تھے۔ اور طلبہ کی ذات وشخصیت میں قوس وقزح کی رنگینی بھر دیتے تھے۔

ایک طرف جہاں آپ صاحب علم وبصیرت تھے تو دوسری طرف موزوں طبع شاعر بھی تھے اور فکر رسا قادر الکلام قصیدہ نگار بھی۔ فصاحت وبلاغت، لفظی ومعنوی صنعتوں سے کام لیتے تھے۔ آپ کی شاعری میں بڑی فکری گہرائی اور معنوی جمالیات پائی جاتی تھی، انھیں خوبیوں کے سبب آپ اپنے زمانے کے تمام شاعروں میں ممتاز اور نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ اس لیے اہل ادب آپ کو ملک الشعراء کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ملّا عبدالقادر[1] بدایونی نے آپ کی شاعری کا تذکرہ کیا ہے اور نمونہ کے طور پر چند قصائد بھی پیش کئے ہیں۔ منتخب التواریخ میں مہمرہ صاحب کے ذکر کو حق ہم وطنی کی صیانت ونگہداشت سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں......

فضل آں شہسوار میدان بلاغت را بر منصۂ ظہور آوردن خصوصاً حق ہم شہری نگاہداشتن لازم دید۔ (منتخب التواریخ، ص: ۷۰)

اس بات میں کیا شک، کہ اس دور کے جس قدر اہل علم اور ارباب فضل وکمال تھے حضرت مہمرہ صاحب کو لفظ استاد سے یاد کرتے تھے اور اس بات پر فخر محسوس کرتے تھے کہ ہم ان کے شاگرد ہیں۔ اس عظمت وشہرت کے پیش نظر حضرت ملا عبدالقادر نے ان کے ہم وطن ہونے کو باعث فخر وناز تصور کیا اور ان کے ذکر جمیل سے اپنی کتاب کو مالا مال کیا۔ ذرا سوچیے بدایوں میں ایسے بڑے بڑے ماہر فن اور تجربہ کار فنکار تھے کہ تاریخ ان سے زینت

---

۱۔ ملاعبدالقادر بدایونی- نام عبدالقادر، والد کا نام ملوک شاہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کی اولاد سے ہیں اور وطن بدایوں تھا۔ تاریخ میں ملاعبدالقادر بدایونی سے مشہور ہیں۔ سن ولادت ۹۴۷ھ ہے۔ عہد اکبری سے تعلق رکھتے ہیں، اساتذہ میں شیخ مبارک ناگوری اور عبدالقادر سرِ فہرست ہیں۔ ترجمہ وتالیف سے فطری لگاؤ تھا، سنسکرت، ہندی کتابوں کا ترجمہ کرنا آپ کے ذمہ تھا۔ منتخب التواریخ آپ کی اہم تصنیف ہے جو تین حصوں میں ہے، تاریخ نویسی میں آپ نے نہایت ہی راست بازی سے کام لیا اور بغیر کسی رورعایت کے اس میدان کو سر کیا، ۲۹/ذیقعدہ ۱۰۰۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

پاتی تھی ۔تو پھراہل بدایوں خود کے لئے باعث رشک کیوں قرار نہ دیں...... جب تک آپ
اس دار فانی میں رہے علم وفن کے خزانے لٹاتے رہے اور ضرورت مندوں کو دونوں ہاتھوں
سے عطا کرتے رہے اور بعد وصال بھی انھیں محروم نہیں رکھا بلکہ اپنی قبر انور پر انھیں بلا کر
نوازتے رہے اگر چہ دینے والا ہاتھ نظر نہیں آتا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ دینے کے لئے
ہاتھ کا ہونا ضروری نہیں ۔لوگ اپنی نگاہوں سے عطا کر دیتے اور ہاتھوں کو سمیٹ لیتے ہیں۔
یہ دینے والے پر منحصر ہوا کرتا ہے کہ وہ ہاتھوں سے دیں یا پھر نگاہوں سے؟ ۶۸۶ھ میں
آپ کا وصال ہوا۔مزار شریف پیر مکہ سے قبل ایک پختہ آستانہ میں ہے۔ بعد وصال بھی
آپ کے فیوض و برکات جاری وساری ہیں کہ جو کند ذہن ہوتا ہے آپ کے مزار پر جا کر
پڑھتا ہے تو ان کے ذہن کے بند دریچے کھل جاتے ہیں اور انھیں کتاب یا سبق یاد ہو جاتا
ہے۔اب ایسے اہل کمال کہاں؟ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل پائیں گے

یہ تذکرہ ان اہل علم وکمال کا تھا جنھوں نے مدرسہ معزیہ کے پلیٹ فارم سے پڑھنے
پڑھانے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور بدایوں میں علمی ماحول لانے میں
زبردست حصہ لیا اور کسی حد تک یہ افراد اپنے مقاصد حسنہ میں کامیاب بھی رہے مگر اسی دور
میں کچھ ایسے صاحب علم بھی تھے جو مدرسہ معزیہ سے الگ رہ کر بھی علمی چمن کو آباد اور فنی و
ادبی فضا کے تیار کرنے میں اپنے خون جگر صرف کر رہے تھے، ہم انھیں کسی بھی صورت میں
فراموش نہیں کر سکتے کہ جس قدر قربانیاں اوروں کی تھیں۔ اسی قدر قربانیاں ان کی بھی
تھیں۔ان میں بھی کچھ اہم لوگ تھے جن کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے خیال رہے ان
میں کچھ ایسے بزرگ تھے جو ما قبل علمی ماحول سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ وہ بزرگ افراد بھی
تھے جو اُسی زمانہ سے تعلق رکھتے تھے جس زمانہ میں حضرت مہرہ صاحب بدایوں کی سرزمیں
پر اپنا سکہ جمائے ہوئے تھے۔انہیں میں سے کچھ کے نام اس طرح ہیں......

(۱) حضرت حافظ ومولانا شادی مقری علیہ الرحمہ

(۲) حضرت مولانا سراج الدین صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

(۳) قاضی حسام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

**حضرت شادی مقری** - حضرت شادی مقری اوائل عمر میں کسی ہندوستانی کے غلام تھے۔آپ صرف حافظِ قرآن تھے مگر آپ پاکیزہ سیرت و کردار کے مالک تھے باطن صاف ستھرا تھا۔ روحانیت کے چشمے آپ کی ذات سے پھوٹتے تھے۔آپ کے پڑھانے میں اس قدر برکت تھی اور ایسا فیض تھا کہ جس کو قرآن شریف پڑھا دیا کرتے تھے وہ پورا قرآن حفظ کر لیتا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے استاذ محترم تھے۔انھوں نے بہت سے لوگوں کو قرآن پڑھایا تھا۔اس طرح مقری صاحب نے بدایوں میں علمی روایت اور علمی ماحول کی آبیاری میں زبردست کوششیں کی تھیں۔تلاوتِ کلام پاک کی ایک ایسی پر فضا آپ کی ذات سے تیار ہوئی کہ اس فضا میں سانس لینے سے عشق حقیقی کی بو آتی تھی اور قلب و ذہن کو طراوت محسوس ہوتی تھی۔خواجہ نظام الدینؒ نے فوائد الفواد شریف میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے تفصیل کے لئے تذکرۃ الواصلین اور مردان خدا کا مطالعہ کریں۔آپ کو قرأتِ سبعہ پر مہارت حاصل تھی اور بڑی ہی خوش آواز اور پرسوز لہجہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔آپ کا وصال کب ہوا، اس سلسلہ میں مولوی ضیاء علی خاں لکھتے ہیں......

> خواجہ شادی مقری کا وصال ۲۷؍رجب ۶۲۹ھ میں ہوا تھا۔قبر شریف حضرت سلطان العارفین صاحب کے جوار میں ہے۔بعض حضرات کہتے ہیں خواجہ شادی لکھنوتی کے جانب شرق سکندر سنگی والے کی قبر کے جانب شمال ہے اور بعض کہتے ہیں خواجہ شادی لکھنوتی کے مزار سے جانب غرب بلند اور پختہ چبوترہ پر منجملہ پانچ قبور کے درمیان میں ہے۔(مردان خدا، ص:۱۴۲)

تاریخ وسیر کی کتابوں میں آپ کا تذکرہ بہت ہی مختصر انداز میں ملتا ہے اور جہاں بھی ملتا

ہے صرف ملفوظات میں ملتا ہے تمام کتب تواریخ کا ماخذ یہی ملفوظات ہیں کسی بھی ملفوظ کو نظر انداز کرنے کے لئے میرے پاس کوئی معقول وجہ نہیں بلکہ اسے تسلیم کرنے کے لئے ایک قوی دلیل یہ ہے کہ کسی بھی عبارت کا لائق تسلیم ہونا، لکھنے والے کی شخصیت پر منحصر ہے اور فوائد الفواد شریف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بدایونی کا ملفوظ ہے ہندوستان میں کسے جرأت؟ کہ فوائد الفواد کی تحریروں کو نظر انداز کر دے۔ فوائد الفواد شریف اُس وقت سے لے کر اب تک نہ معلوم کتنے لوگوں کی نگاہوں سے گذری ہوگی ان میں دانشور مفکر اور صاحب علم وفن بھی رہے ہونگے اب تک اس ملفوظ کی کسی بھی عبارت اور تحریر پر کوئی انگشت نمائی نہیں ہوئی بلکہ سبھوں نے اسے بغیر کسی حیل و حجت کے تسلیم کر لیا جو اس کے مقبول ہونے کی واضح علامت ہے اور متفقہ فیصلہ بھی، کیا اہل علم وفن اور صاحب ادراک وفہم کا یہ تداول وتناول تسلیم کے لائق نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے، تو پھر آگے بڑھئے اور بدایوں کے علمی ماحول کا ایک خوبصورت آئینہ مولانا سراج الدین ترمذی بھی ہیں جو دید کے لائق ہے۔

**حضرت مولانا سراج الدین ترمذی**- حضرت مولانا محمد سراج الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ صاحب علم وفن اور اخاذ طبیعت کے مالک تھے۔ فکر و دانش اور فہم و فراست پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ مسائل شرعیہ مستحضر رہا کرتے تھے۔ شہر ترمذ میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم وتربیت پائی اور نشو ونما کے مراحل طے کئے، ان کے علم وفن اور فکر وشعور پر عشق و وفا اور غم جاناں غالب تھا۔ ان کی ذات بابرکت سے رشد وہدایت کا چشمہ جاری ہوا۔ لوگ جوق در جوق ان کے آستانۂ علم پر آتے اور سیراب ہو ہو کر واپس جاتے۔ ان کی شخصیت سے پھوٹنے والا چشمۂ پر آب نتھرا ہوا زلال ہوا کرتا تھا۔ جو ایک مرتبہ پی لیتا تھا، بادۂ عشق و وفا کا سرمست ہوتا تھا۔ بدایوں کی سرزمیں اس جلوہ گاہ انوار وتجلیات سے روشن وتابناک تھی۔ مختلف سوانح نگاروں نے آپ کا ذکر جمیل کیا ہے۔

مردان خدا کا مصنفِ ذی وقار ان کے حالات اس طرح قلم بند کرتا ہے......

حضرت خواجہ احمد توختہ سے بیعت ہوکر خرقہ خلافت پایا تھا۔ پیرومرشد
کے ہمراہ وطن مالوف سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے اور
لاہور میں بودوباش اختیار کی۔ شب وروز پیرومرشد کی اطاعت میں
مشغول رہتے۔ پانچوں وقت نماز کے لئے مصلّٰی بچھاتے تھے۔
(مردان خدا، ص:۹۲)

آج لاہور اگرچہ ملک پاکستان کا ایک اہم ترین شہر ہے مگر جس وقت آنجناب لاہور میں تھے اس وقت وہ شہر ہندوستان کا ایک حصہ تھا اور حضرت سید احمد توختہ[1] کا مزار شریف بھی لاہور ہی میں ہے۔

**بدایوں میں آمد۔** اللہ اکبر! بدایوں کی خاک میں کیا کشش ہے؟ کہ اہل علم و فن اور صاحب اتقا اولیاء کاملین اس طرف کھنچے ہوئے آتے رہے ہیں۔ بدایوں کی اسی خاک نے حضرت مولانا محمد سراج الدین ترمذی کو لاہور کی سرزمیں سے بلالیا۔ ان کی آمد کا واقعہ اس طرح پیش آیا......

ایک روز عشاء کی نماز کے بعد آپ کے شیخ نے مراقبہ سے سر اُٹھا کر
فرمایا۔ سراج الدین تم بدایوں کے صاحب ولایت ہوئے۔ سید یحییٰ[2]
مدنی قطب بدایوں کا انتقال ہوگیا۔ ابھی جاؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھا

---

۱- سید احمد توختہ- خدا رسیدہ اور برگزیدہ بندوں میں تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے اور اہل مراقبہ میں سے تھے حضرت مولانا سراج الدین ترمذی آپ کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آپ ہی کی اجازت سے بدایوں تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ حضرت سید احمد توختہ کا مزار پاک لاہور پاکستان میں ہے اور مرجع خلائق ہے۔ حضرت مولانا سراج الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کا بعد نماز عشاء چل کر بوقت فجر بدایوں آجانا آپ ہی کی کرامت ہے۔

۲- سید یحییٰ مدنی- آپ بدایوں کے قطب تھے۔ مدنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپکے آباواجداد مدینہ منورہ کے باشندے تھے، ترک وطن کر کے بغداد شریف میں سکونت اختیار کرلی، سید یحییٰ مدنی نے بغداد میں تعلیم حاصل کی، مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوکر حضرت امام غزالی کے شاگرد ہوئے۔ بغداد سے خراساں آئے، پھر غزنی اور اسکے بعد بدایوں تشریف لائے۔ حضرت ابوالوفا تاج العارفین سے خلافت حاصل تھی۔ آپ کا وصال ۵۹۹ھ میں ہوا اور یہیں مدفون بھی ہیں۔

کر دفن کراؤ۔ بعدازاں مصلّٰی کا کونہ اُٹھا کر اس کے نیچے سے دو دینار
نکال کر آپ کو دیئے اور فرمایا......ان کو راہ میں خرچ کرنا، شہر پناہ کے
دروازہ پر سواری تیار ملے گی۔ (مردان خدا، ص:۹۲)

یہ پیرومرشد کا کیسا مراقبہ تھا؟ کہ ایک ایک حال ٹی وی کے اسکرین کی مانندان کے ذہن پر آ رہا تھا اور ترتیب وار فرمارہے تھے...... جیسا انھوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا۔ حسب ارشاد حضرت مولانا سراج الدین صاحب شہر پناہ کے دروازہ پر آئے اور دیکھا کہ ایک ساربان آواز لگا رہا ہے۔ بدایوں جانے والو! آؤ چلو، بدایوں کے لئے سواری تیار ہے۔ قریب آ کر پوچھا - اے ساربان بدایوں کا کیا کرایہ ہے؟ کہا صرف دو دینار۔ حضرت مولانا سراج الدین نے پیرومرشد کا عطا کردہ دینار اس کے حوالہ کیا اور بدایوں کو چل دیئے اور مقررہ ساعت پر بدایوں آ پہنچے۔ قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔ جنازہ تیار تھا، نماز پڑھائی اور حضرت یحیٰی مدنی کو دفن کرایا۔ اس مقام پر یہ بات سوچنے کی ہے کہ کہاں لاہور؟ اور کہاں بدایوں؟ دونوں کے مابین میلوں کی مسافت ہے اور کئی روز کا سفر ہے مگر اس مسافت بعیدہ کو آن واحد میں طے کرنا کسی ولی کی کرامت ہو سکتی ہے؟ یہ انسان کے بس کی بات نہیں اور وہ بھی اونٹ کی چال سے؟ یہ ممکن ہی نہیں۔ اسلئے کہا گیا ہے جہاں عقل وخرد کی پرواز دم توڑتی ہے وہاں ایک ولی اور بندۂ برگزیدہ کی نظر کام کرتی ہے، یہی حال یہاں بھی تھا۔

حضرت مولانا سراج الدین ترمذی کئی دن تک شاہی مہمان رہے اس کے بعد شاہی محل سے باہر نکل کر اپنی خانقاہ قائم کی اور تبلیغ واشاعت، رشد وہدایت میں دل وجاں سے جٹ گئے۔ لوگ زنگ آلود آتے، انھیں تربیت دیتے، ان سے ریاض کراتے اور دلوں میں بسی ہوئی کدورتوں کو دور فرمادیتے اور پھر ہدایت کے انوار وتجلیات سے ان کی شخصیت کو پرنور بنا دیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے بدایوں میں اصلاحی کاموں کو انجام دیا اور یہاں کی فضا میں بوئے جاناں کی مہکتی ہوئی چادر بچھادی اور بدایوں کے علمی ماحول میں نئے گوشوں کی ابتدا

فرمائی۔ ذرا سوچئے بدایوں کس قدر خوش نصیب تھا کہ یہاں علم کی دولت بھی بہائی جا رہی تھی اور تصوف وسلوک کا رنگ بھی چڑھایا جا رہا تھا۔ بدایوں کے اس علمی اصلاحی ماحول پر ہم جس قدر بھی فخر کریں، کم ہے۔ یہ سنہرا دور اور شہروں کو نصیب نہیں صرف ایک بدایوں ہے جو ہزاروں میں ایک دکھائی دیتا ہے اور منفرد و ممتاز بھی نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا سراج الدین ترمذی کی قربانیاں بھی بدایوں کے لئے کچھ کم نہ تھیں اسی لئے بدایوں کی فضا کا ایک ایک ذرہ انھیں سلام کرتا ہے اور محبت بھرے لفظوں سے خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

حضرت مولانا موصوف کی کیسی انوکھی اور پرکشش شخصیت تھی؟ اور ان کے دل میں کیا تمنا تھی؟ اس کا اندازہ فوائد الفواد شریف کی اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں......

> مولانا سراج الدینؒ بدایوں کے باکمال مشائخ وعلماء میں سے تھے آپ نے بدایوں سے سفرِ حج اس نیت سے کیا کہ حج کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کریں گے اور وہیں مدفون ہونگے لیکن حج کے بعد بدایوں آ گئے اور یہیں رہنے لگے۔ مراجعت کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا...... ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جنازوں کو اطراف سے لاتے ہیں اور مردوں کو اطراف مکہ میں دفن کرتے ہیں اسی طرح بعض مردوں کو جو مکہ میں مدفون ہیں انھیں نکال کر باہر لے جاتے ہیں میں نے وجہ دریافت کی تو بتایا گیا کہ وہ لوگ جو اس مقام مقدس کی اہلیت رکھتے ہیں ان کے بارے میں حکم ہے کہیں اور دفن ہوں تو یہاں لایا جائے، اسی طرح جو اس مقام کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے بارے میں فرمان ہے کہ ان کو باہر لے جائیں جب مجھے اس بات کا علم ہو گیا تو بدایوں آ گیا۔ اس لئے کہ اگر میں اس مقام کے لائق ہونگا تو میری

آرزو پوری ہو جائے گی۔ (محبوب الٰہی، ص:۱۴)

اس مندرجہ بالا عبارت سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مولانا سراج الدین ترمذی کی شخصیت میں رسول پاک ﷺ سے محبت، الفت اور گہری عقیدت پائی جاتی تھی۔ اسی عقیدت کے سبب انھوں نے مکہ میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ ظاہر کیا اور عملی طور پر اس پر عمل کرنے کا بھی ارادہ کیا مگر خواب کے ذریعہ انھیں یہ بتایا گیا......اے سراج مکہ میں دفن ہونے کے لئے وہاں کی سکونت اختیار کرنا کوئی ضروری نہیں اپنے اندر وہ صلاحیت، خصوصیت اور امتیازی شان پیدا کرو جس سے تمھیں مکہ میں جگہ نصیب ہو جائے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جس شخص کے دل میں مکہ میں مدفون ہونے کی تمنا ہو اور وہ اس کا سزاوار بھی ہو تو انھیں اپنے مدفن سے دیارِ محبوب اور جوار مکہ کی جانب آمد ورفت کی اجازت مرحمت کر دی جاتی ہے اور انھیں اس بات کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ خدائے پاک کے برگزیدہ بندوں کا یہی تصرف ہوا کرتا ہے اور اسی عمل تصرف سے وہ ہزاروں حاجت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ان کی فریادرسی بھی کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں حضرت مولانا سراج الدین ترمذی علیہ الرحمہ کا یہ حسن تمنا ضرور باریاب ہوا ہوگا۔

**وصال شریف** - اولیاء کرام سے متعلق تذکروں میں اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں ملتے۔ بالآخر علم وفن کا یہ نیر درخشاں، زہد وورع اور تقویٰ وطہارت، پاکیزہ سیرت وکردار کا یہ پیکر جمیل ۱۳؍ربیع الاول ۶۱۰ھ کو اس دار فانی سے چل بسا اور رحمت ونور کی حسین چھاؤں میں سرمدی خواب میں محو خرام ہو گیا۔ مردان خدا میں ان کے تاریخ وصال کے تعلق سے یہ قطعہ درج ہے......

آں شیخ سراج الدین ترمذ موطن

وآں شاہِ ولایت و سراج ملت

چوں سال وفاتِ او بجستم ز خرد
"مشہور جہاں" بگفت سالِ رحلت
۶۱۰ھ

**مزار شریف** - حضرت شاہِ ولایت رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ کے اندار واقع ہے۔

**حضرت قاضی حسام الدین ملتانی** - آپ کا اسم گرامی حسام الدین ہے ملتان میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ علوم شریعت سے مالا مال ہوئے۔ فکر و شعور اور علم و فن میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ تاعمر آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ تشنگان علوم وفنون کو سیراب کرتے رہے۔ جو طالب علم آپ کے پاس آیا، علمی نکات اور فنی باریکیوں سے آشنا ہوکر واپس ہوا۔ انھیں خصوصیات کے سبب آپ استاد پیر سے مشہور ہیں اور بدایوں کے عام لوگ آپ کو جمال الدین ملتانی سے یاد کرتے ہیں۔ اہل بدایوں کا خیال ہے کہ آپ چھوٹے سرکار اور بڑے سرکار کے استاد ہیں۔ بایں وجہ استاد پیر سے آپ کی شہرت ہوئی۔ بدایوں میں علمی فضالانے میں آپ کا زبردست رول رہا ہے۔ آپ کا تذکرہ کئے بغیر بدایوں کا علمی دبستان سؤنا سؤنا محسوس ہوتا ہے۔ آپ نے علم وفن فکر و شعور کی وہ حسین و دلکش خوشبو بکھیر دی کہ یہاں کا علمی دبستاں شگفتہ اور ترو تازہ ہوگیا اور اس طرح نکہتوں میں بس گیا کہ جو بھی اس کے قریب سے گزرتا اس کا گوشۂ دل مہک اٹھتا اور ذہن کے بند دریچے واہو جاتے۔

**ابتدائی حالات** - جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ آپ ملتان کے رہنے والے تھے اور ملتان ہی میں رہ کر علوم حاصل کئے اور ملتان کے قاضی مقرر ہوئے۔ ملازمت بھی کی مگر یہ ملازمت آپ کی آزاد طبع کے موافق نہ تھی، اسی لئے ملازمت ترک کردی۔ یا یوں کہا جائے کہ قدرت نے آپ کے ذمہ بدایوں کی سرزمین سونپ دی تھی۔ اس لئے ملازمت سے دل مطمئن نہ ہوسکا اور بدایوں کے لئے رختِ سفر باندھ کر مناسب وقت کے منتظر رہے۔

**بدایوں میں ورود مسعود-** حضرت قاضی حسام الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت سید اعز الدین یمنی علیہ الرحمہ کے ہمراہ ملتان سے چل کر بدایوں آئے۔ یہ کارواں مختصر ضرور تھا مگر اس کارواں میں جو اشخاص شریک تھے وہ کسی آفتاب و ماہتاب سے کم نہ تھے۔ ان کی شخصیتیں انوار و تجلیات کی آماجگاہ تھیں اور قدرتی کرشموں کا بہترین نمونہ۔ جس مقام سے یہ کارواں گزرتا، وہاں کے لوگ اس کارواں کو رشک بھری آنکھوں سے دیکھتے اور نگاہوں کے توسط سے ان کی بارگاہ میں اپنی التجا پیش کر دیتے، مگر یہ ایسے مقدس و ذیشان اور برتر افراد تھے جو اپنی منزل پر پہنچے بغیر کسی اور مقام پر قدم نہیں روکتے تھے۔ بدایوں میں ہی قدم رکھا اور محلّہ سوتھا میں حضرت قاضی اور ان کے ہمراہیوں نے سکونت اختیار کر لی اور پھر اپنی جلوہ سامانیوں سے اہل بدایوں کے دلوں کو تابناک کرنے لگے۔ ان کے ذہنوں پر علوم وفنون کی برسات کرنے لگے۔ اب ایسے برتر و بالا افراد کہاں؟ جن کی دید سے آنکھیں سیراب و آسودہ حال ہوں۔

**سیرت و شخصیت-** حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ ماہر علم وفن اور امام درسیات تھے۔ ان کی شخصیت میں بے پناہ خوبیاں اور جمالیات پائی جاتی تھیں۔ جامع علوم وفنون ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب مرتبت بزرگ بھی تھے۔ ظاہری آنکھیں بھی روشن و تابناک تھیں اور باطنی دیدہ و دل بھی۔ اپنی انفرادی امتیازات میں ایسے منفرد و بے مثال تھے کہ لاکھوں میں ایک دکھائی دیتے تھے۔ خوف و رجا، زہد و ورع، خشیت ایزدی اور معرفت ربانی کی دولت سے سرشار تھے۔ بادۂ عرفاں کی نیم خوابی ہمیشہ طاری رہتی تھی، جو ایک مرتبہ انھیں دیکھ لیتا، ٹکٹکی باندھے دیکھتا ہی رہتا۔ اس مقبولیت عامہ کے علاوہ ”طے فی الارض“ کا اعلیٰ مقام بھی انھیں حاصل تھا۔ برسوں کی مسافت آن واحد میں طے کر لیتے تھے اور زیادہ تر جمعہ کی نماز خانہ کعبہ میں ادا کرتے تھے۔ یہ وہ کمال ہے جو سب کو نہیں ملتا۔ ہاں کچھ ایسے عظیم افراد ہوتے ہیں جو اس خوبی سے مشرف ہو جاتے ہیں انھیں تابناک افراد میں آپ کی

ذاتِ مبارکہ بھی تھی۔ اس کے تعلق سے ایک واقعہ درج کیا جارہا ہے:-

ایک مرتبہ ایک لڑکا جو آپکی خدمت میں رہا کرتا تھا اس کو بھی آپ اپنے ہمراہ لے گئے اور وہ لڑکا مکہ معظّمہ میں رہ گیا۔ اسکے والدین بہت متردد ہوئے کہ ہمارا لڑکا آج نہیں آیا۔ آپ سے آکر دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ میں ایک جگہ چھوڑ آیا ہوں اسکو لے کر آؤں گا، چنانچہ اسکے اگلے جمعہ آپ اس لڑکے کو اپنے ساتھ لے آئے اور اسکے والدین کے سپرد کردیا والدین بہت خوش ہوئے اور اس لڑکے سے حال دریافت کیا لڑکے نے انکار کیا اور کہا حاجی صاحب نے اس راز کو ظاہر کرنے سے منع فرمایا ہے اگر میں ظاہر کروں گا تو مجھ کو نقصان ہوگا۔ والدین نے نہ مانا اس نے اپنا جانا مکہ معظّمہ کا بنادیا۔ اس راز کا افشاء کرنا تھا کہ فوراً داعیٔ اجل نے لبیک کہا اور وہ لڑکا اسی وقت جاں بحق ہوکر زمیں پر گر پڑا۔ والدین نے ماتم کرنا شروع کیا اور یہ حال خدمت میں حضرت بدرالدین صاحب ولایت قدس سرہ العزیز کے عرض کیا۔ حضرت شاہ ولایت صاحب خدمت میں حاجی جمال الدین ملتانی کے گئے اور فرمایا بچہ کا کیا قصور ہے؟ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ پس حاجی صاحب اس لڑکے کے سرہانے تشریف لے گئے اور فرمایا- اُٹھ کیوں پڑا ہے؟ وہ لڑکا فوراً اُٹھ بیٹھا اور حاجی صاحب نے فوراً اس دارفانی سے انتقال فرمایا[1]۔ (مولوی رضی الدین- تذکرۃ الواصلین، ص:۴۰-۳۹)

---

۱۔ صاحب تذکرۃ الواصلین نے اسی تعلق سے لکھا کہ بعض لوگ اس واقعہ کو حضرت پیر مکہ اور حضرت شیخ احمد خیاط سے منسوب کیا ہے، مگر مؤلف موصوف نے اس واقعہ کو حضرت قاضی حسام الدین کے حالات میں درج کیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس واقعہ کی نسبت حضرت قاضی حسام الدین کی طرف زیادہ قوی ہے۔ حالانکہ مقامی روایت یہ ہے کہ حضرت پیر مکہ میں اسی فوت شدہ بچہ کی قبر موجود ہے۔ بایں وجہ حضرت پیر مکہ کی طرف اس واقعہ کی نسبت زیادہ قرین قیاس ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس درج بالا واقعہ سے آپ کی انوکھی شخصیت اور لاجواب سیرت نمایاں ہوتی ہے اور اس بات کا علم بھی بخوبی ہو جاتا ہے کہ رموز الٰہی اور اسرار ربانی کا افشاء کرنا باعث ضرر ہو سکتا ہے، خواہ یہ ضرر مطلوب کو پہنچے یا طالب کو، مگر اس کا ضرر ہوتا ضرور ہے۔

**ایک تمنا۔** انسان بہت سی تمنائیں رکھتا ہے لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کی ہر تمنا پوری ہو۔ بعض تمنائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو تشنہ رہ جاتی ہیں اور اس تمنا کا کوئی نہ کوئی بدل اسے مل جاتا ہے۔ کچھ اسی قسم کی تمنا یہاں بھی ہے۔ تاریخ فرشتہ کا مؤلف لکھتا ہے......

> ایک روز حضرت شیخ صدر الدین[1] رحمتہ اللہ علیہ شیخ بہاء الدین[2] زکریا ملتانی کے مزار پر تشریف لے گئے اس وقت قاضی حسام الدین ملتانی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیا اچھا ہوتا جو بقدر ایک مزار کے زمیں مجھ کو پائیں مزار شریف حضرت بہاء الدین زکریا ملتان کے مل جائے۔ حضرت شیخ صدر الدین مرحمت فرمائیں تو ببرکت مزار شریف کے میں بھی عذاب دوزخ سے نجات پاتا۔ یہ خیال حضرت

---

۱- شیخ صدر الدین- آپ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے فرزند ارجمند تھے۔ ۵۹۹ھ میں پیدا ہوئے، شیخ الاسلام کے وصال کے بعد مسند اصلاح و ارشاد پر جلوہ نما ہوئے، اکثر و بیشتر اولیاء کرام آپ کے ارادت مند اور مرید تھے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ کنز الفوائد ہے جسے آپ کے مرید شیخ خواجہ ضیاء الدین نے ترتیب دیا۔ دراصل یہ ملفوظات آپ کی وہ نصیحتیں ہیں جو اپنے مریدوں کے لئے تحریر فرمائی ہیں۔ آپ کا وصال ۶۸۴ھ میں ہوا۔ (اخبار الاخیار، ص: ۱۳۸)

۲- بہاء الدین زکریا- نام زکریا، کنیت ابو محمد لقب بہاء الدین، شیخ الاسلام، سن ولادت ۵۶۰ھ اور سنِ وصال ۶۶۱ھ آپ شیخ المشائخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے، ہندوستان کے اکابر اولیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، ظاہری کمالات، بلند مراتب اور اعلیٰ برکات و فیوض سے آراستہ تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر سے آپ کی گہری دوستی تھی اور بعض نے کہا دونوں بزرگ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے، سارا ملتان آپ کا ہمنوا اور دیوانہ تھا۔ محفل سماع سے آپ پرہیز رکھتے تھے، تصوف وسلوک میں آپ کے ارشادات سند کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ ۷/صفر ۶۶۲ھ میں وفات پائی۔ (اخبار الاخیار، ص: ۶۴)

حاجی جمال الدین ملتانی کے آیا ہی تھا کہ حضرت صدر الدین کو الہام باطنی ہوا اور فرمایا اے قاضی مجھے زمین دینے میں کوئی تردد نہیں مگر تیرا مدفن شہر بدایوں میں مقرر ہو چکا ہے۔

(تذکرۃ الواصلین، ص:۳۸)

اس واقعہ سے آپ کے دل میں بدایوں آنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ بدایوں آئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ عمر طبعی کا کارواں رفتہ رفتہ میعاد متعین تک پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک شب یہ خواب دیکھا......

آپ نے خواب دیکھا سرکار پناہ تشریف لائے ہیں۔ انھوں نے وضو فرمایا......خواب سے بیدار ہوتے ہی اس مقام پر پہنچے جہاں آپ نے وضو کیا تھا۔ دیکھا وہ زمین بھیگی ہوئی ہے۔ آج اسی مقام پر ان کا مزار شریف ہے۔

(تذکرۃ الواصلین، ص:۳۸)

یہ مختلف واقعات اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ آپ کی شخصیت بہت بلند تھی۔ اور اونچے مقام پر فائز تھی۔ اہل بدایوں اس بات سے واقف ہیں خاک مزار پاک میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ جس بچہ کی زباں میں لکنت ہوتی ہے مٹی چاٹنے سے صاف بولنا آجاتا ہے۔ اس واقعہ سے خود صاحب مزار کی عرفی حیثیت نمایاں ہوتی ہے جب مٹی کے چاٹنے کا یہ عالم ہے تو پھر آپ کی ذات و شخصیت میں کس قدر خوبیاں پائی جاتی ہونگی۔ آپ کے مقدس مزار سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ بھلا بتائیے جس کی شان یہ ہو، ان کی ذات و زندگی اور شخصیت و سیرت کا کیا عالم رہا ہوگا؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف ان کے خاکِ مزار کی بات نہیں بلکہ ان کی شخصیت کا یہ بھی کمال تھا؟ جس کسی نے ان سے فیض حاصل کیا وہ

زمانہ میں سرخرو بن کر رہا، وہ خود بھی روشن ہوا اور دن کو بھی روشن کر دیا اور ان کی زندگی کے تاریک گوشوں میں روشنیوں کا ذخیرہ جمع کر دیا۔ بالآخر عمر طبعی کے اعتبار سے آپ کا وصال ہوا اور مزار پاک آج بھی مرجع خلائق ہے۔

بدایوں کے علمی ماحول کا ایک خوبصورت تجزیہ پیش کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اسلامی علمی اور ادبی ماحول کی ابتدا بدایوں میں مسلمانوں کی آمد سے ہوتی ہے اور شمس الدین التمش کے دور میں یہ علمی ماحول شباب پر دکھائی دیتا ہے۔ اس دور میں علمی ماحول نے جو ترقی اور کامیابی پائی ہے کسی اور دور میں اسے نصیب نہیں ہوئی۔ اس ماحول کی آبیاری میں جن افراد نے زبردست حصہ لیا ان افراد کا بھی مختصر جائزہ پیش کر دیا گیا ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کریں اور بصیرت و بصارت سے خود کو مزین کر کے آنے والے باب سوم کا مطالعہ کریں۔

☆☆☆

# باب سوم

# تاریخ و تذکرہ - ایک تجزیاتی مطالعہ

**تاریخ کی نا انصافی** - باب سوم بدایوں دبستان علم و حکمت کے ان لالہ وگل اور گوہر شب تاب سے تعلق رکھتا ہے جس نے پوری زندگی اسی دبستان علم کی سرپرستی فرمائی اور اس کی تشکیل و تعمیر میں انھیں کے جلووں کی آمیزش نظر آتی ہے، وہ آفتاب و ماہتاب تھے جن کی کرنیں دبستان علم و حکمت اور فکر و شعور کی اِس آماجگاہ کے تار و پود ہیں۔ اس آفتاب و ماہتاب سے مراد حضرت سلطان العارفین شیخ شاہی روشن ضمیر سید حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سید ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت رضی اللہ عنہ سے ہے۔ یہ وہ مقدس حضرات تھے جنھوں نے بدایوں کے در و دیوار میں عشق و ایمان، خلوص و پیار، زہد و ورع، طہارت و پاکیزگی پیوست کردی اور بدایوں کی سرزمین کو رشک ارم بنا دیا۔ انھیں کے جلووں کی تابانیاں ہیں جو آج نظر آرہی ہیں، صحراؤں میں آسودۂ خاک ہیں مگر ان صحراؤں کو چمن بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی شخصیتیں ایسی تھیں جو تاریک راتوں میں بھی گوہر آبدار کی حیثیت

رکھتی تھیں۔ وہ ہر اعتبار سے امام و پیشوا، مقتدا و ملجا اور کرب و اضطراب سے پریشان حال انسانوں کے لئے درماں کا عظیم مرتبہ رکھتی تھیں جنھیں زمانہ میں کہیں آرام نہ ہوں، ان سے دلوں کا رشتہ قائم کرلے، مرغ بسمل کو بھی ان کی توجہ سے راحت جاں اور حیات نو نصیب ہو جاتی ہے۔ ایسی عظیم شخصیتیں اور تاریخ و تذکرے، ان کے ذکر خیر سے خاموش؟ یہ ایک افسوس ناک پہلو ہے، آخر وہ کیا اسباب و عوامل تھے جن سے متاثر ہوکر علم تاریخ سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں انھیں اسباب و عوامل کی تلاش اس باب سوم کا خاص موضوع ہے۔

**علم تاریخ** - تاریخ ایک ایسا فن ہے جس میں شاہان ماضی اور ایام گذشتہ کے تذکرے تاریخ و دن اور سنوں کے تعین کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم تاریخ، صرف بادشاہوں، امیروں، نوابوں کے اردگرد چکر لگاتا ہے۔ جہاں تک فضاؤں کی تعمیر و تشکیل اور ماحول سازی کی بات ہے علم تاریخ میں اس کی حیثیت ضمنی ہوا کرتی ہے۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے، بزرگوں کی بارگاہ سے نہ عقیدت رکھتے ہیں اور نہ ہی منفی رویہ سے کام لیتے ہیں، بلکہ وہ صرف اپنی غرض و غایت سے ان کے آستان علم و دانش پر حاضری دیتے ہیں اور پھر ان حالات کو اپنی تاریخ میں شامل کرلیتے ہیں، جن حالات میں شاہانہ گذشتہ کا کوئی کردار نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'تاریخ فرشتہ' اور دوسری تاریخوں میں کچھ بزرگوں کے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں تاریخ کی روشن جبیں کی طرف دیکھنے کی کوئی حاجت نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے بلکہ ہم جیسے کم علم لوگوں کو خود ہی اپنی دنیا بنانی ہے اور پھر اُسے سنوارتے ہوئے آپ کے مطالعہ کے لئے پیش کردینا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تاریخی داستانوں سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ تعلق ہے مگر اسی حد تک جس حد تک ہماری اس سے ضرورت پوری ہو۔

**تذکرے** - ہندوستان میں تذکرہ نگاری کی قدیم روایت رہی ہے مگر صرف ادبی

تذکرے ہی قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے اور وہ بھی صرف اس لئے کہ ان تذکروں میں تنقیدی شعور اور ادبی مذاق سخن پایا گیا۔ اس لئے تنقیدی اہمیت میں تذکروں کو فراموش کر دینا مناسب نہیں، جہاں تک بزرگوں کے علمی اور سوانحی تذکروں کی بات ہے تو لوگوں نے اس طرف بہت کم دھیان دیا اور اگر اس طرف دھیان دیا بھی تو بجھے ہوئے دلوں سے۔ بہر حال اس صورت حال کو میں ناقدری کی علامت تصور کرتا ہوں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے تذکرہ نگاروں کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے، حوصلہ بکھر جاتا ہے اور قلم کی جولانی اپنی بہاروں کو دکھانے سے قبل ہی دم توڑ دیتی ہے کہ بہت سے تذکرے زیور طبع سے محروم رہے۔ اس طرح ان کے نوک قلم سے نکلنے والے لفظوں کے آبدار موتی خود بخود بکھر کر رہ گئے۔ اس قسم کا حادثہ ارباب ذوق کے لئے کسی مصیبت سے کم نہیں۔

سرزمین بدایوں میں بھی بزرگوں کے تذکرے لکھے گئے، کچھ تو مطبوعہ ہیں اور کچھ ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ ذیل میں انھیں تذکروں کا تعارف پیش کیا جارہا ہے......

**(۱) مردان خدا** - مولوی ضیاء علی خاں کی تصنیف لطیف ہے جو غالباً ۱۹۷۶ء میں لکھی گئی، اس وقت سے اب تک اس کی تین بار اشاعت ہو چکی ہے۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء میں شوقین بک ڈپو سے شائع ہوا۔ اولیائے بدایوں کے تعلق سے اب تک جس قدر کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں اگر کوئی مکمل تذکرہ ہے تو صرف ''مردان خدا'' ہے۔ مصنف نے کافی جدو جہد کی اور حالات کی ترتیب میں زبردست کوششیں کی۔ جن کی وجہ سے یہ تذکرہ منظر عام پر آیا۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور پانچ مجالس پر مشتمل ہے، اس کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ اور فکر و دانش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جہاں کوئی تذکرہ نہ ہو، ایسی صورت میں 'مردان خدا' ہی اس کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ ہم اس جدو جہد اور کدو کاوش پر مصنف علیہ الرحمہ کو سراہتے ہیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، چونکہ یہ کتاب بآسانی مل جاتی ہے اور اپنے موضوع میں جامع ہے اس لئے اس کو اولیت کا درجہ دیا گیا ہے۔

**﴿۲﴾ تذکرۃ العارفین** ۔ یہ بھی مولوی موصوف کی کتاب ہے جس میں بدایوں کی تاریخ، اس کے جغرافیائی پسِ منظر اور حضرت سلطان العارفین سید حسن شیخ شاہی روشن ضمیر کے حالات و خدمات اور روحانی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی لائق مطالعہ ہے اس کی سن اشاعت ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء ہے۔

**﴿۳﴾ دو سرکارین** ۔ یہ مولوی ابرار علی صدیقی کی تالیف ہے جو کراچی میں مقیم ہیں، اس میں چھوٹے سرکار اور بڑے سرکار کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں۔ مزید اس کتاب میں حضرت بڑے سرکار کا حلیہ شریف بھی دیا گیا ہے مگر عجیب اتفاق ہے کہ یہ حلیہ دیکھنے والوں نے بیان نہیں کیا بلکہ خواب دیکھنے والوں نے اسے بیان کیا ہے۔ کسی شخص کے حلیہ کا تعین خواب کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا ہے؟ خواب کے ذریعہ ارباب عقیدت تو مطمئن ہو سکتے ہیں مگر ارباب فکر کو مطمئن کرنے کے لئے ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے؟ بہر حال اس کتاب میں جزوی طور پر کمزوری ہے، اس کے باوجود جو حالات قلم بند کئے ہیں لائق اعتناء ہیں۔

**﴿۴﴾ تذکرۃ الواصلین** ۔ یہ خان بہادر مولوی رضی الدین بسملؔ (آنریری مجسٹریٹ) کی کتاب ہے جس میں بدایوں کے مشاہیر اولیائے کرام کے تذکرے ہیں۔ یہ کتاب دو بار شائع ہوئی ہے بایں وجہ یہ برسوں سے نایاب ہے، بدایوں میں کچھ ہی ایسے افراد ہیں جن کے پاس یہ کتاب ہے، کوشش بسیار کے بعد یہ کتاب دستیاب ہوئی۔ جناب عبداللطیف خاں اور شمیم الدین صدیقی صاحبان اس کتاب کی تلاش میں سرگرداں رہے اور متعلقین و احباب سے اس کتاب کا تذکرہ کرتے رہے۔ مگر حسن اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد مرحوم نوازشؒ (ٹیوب ویل آپریٹر) نے اسکی فوٹو کاپی میسر کرا دی۔ اسی اثنا میں عبداللطیف خاں کے ایک عزیز کو کسی پرانی قبر سے تیز ہوا کے سبب کچھ اوراق اُڑتے ملے، جنھیں یکجا کرنے پر محسوس ہوا کہ یہ بوسیدہ اور کرم خوردہ اوراق تذکرۃ الواصلین کے ہیں جو

اولیاء اللہ کے تذکروں کی کتاب ہے جسے ادب و احترام کے نقطہ نظر سے کسی نے پرانی قبر میں ڈال دی تھی۔

**﴿۵﴾ حیات شیخ شاهی** - مولوی ابرار حسین صاحب قادری بدایونی کی تالیف ہے اور سن تالیف تذکرۂ پاک ۱۳۴۹ھ سے نکلتی ہے۔ اس طرح سے یہ کتاب آج سے تقریباً ۹۷ سال پہلے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں خاص طور سے حضرت سلطان العارفین علیہ الرحمہ کا تذکرہ ہے۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے بزرگوں کا بھی اس میں تذکرہ ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ ۲۰۰۴ء میں نظامی پریس سے شائع ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مختلف ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب بھی اہل علم وفن کے مابین لائق قدر تسلیم کی جاتی ہے۔

**﴿۶﴾ انوار الٰهی** - یہ کوئی مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ مولوی امانت حسین دانشمندی بدایونی کی قلمی کتاب تاریخ شیخ شاہی کا اردو ترجمہ ہے اور مولوی محمد افتخار الدین صاحب شور بدایونی اس کے مترجم ہیں۔ یہ ترجمہ موسوم بانوار الٰہی تین جلدوں میں ہے۔

حصہ اول- حیات شیخ شاہی سن ترجمہ ۱۹۱۰ء (غیر مطبوعہ)

حصہ دوم- تاریخ سید ابوبکر موئے تاب

حصہ سوم- دیگر بزرگوں کے حالات سن ترجمہ ۱۳۳۱ھ (غیر مطبوعہ)

'انوار الٰہی' بھی قلمی نسخہ ہے جو جناب شمیم الدین ایڈووکیٹ اور جناب عبد اللطیف خاں صاحب کے ذریعہ مجھ تک پہنچی۔

اس کی حصولیابی میں جناب خالد ندیم کا زبردست حصہ رہا ہے۔ اس قلمی معاونت پر ہم ان کے شکر گزار ہیں اور دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ خالد ندیم کو دارین کی سعادتوں اور فیروز بختیوں سے مالا مال کرے۔

**﴿۷﴾ روضۂ صفا** - مولوی اکرام الدین محشر بدایونی کی کتاب ہے جو فارسی زبان

میں لکھی گئی ہے، یہ بھی ایک قلمی نسخہ ہے اور جناب تسلیم اللہ خاں غوری کی لائبریری میں موجود ہے، ان کے ذریعہ ہمیں مطالعہ کو ملی۔ اس تحریری معاونت پر ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس کی سنِ تالیف ۱۱۸۲ھ ہے۔

**〈۸〉 الباقیات الصالحات۔** ہنوز پردۂ خفا میں ہے اور یہ کتاب طبقات الاولیاء از شیخ سعد الدین بصیر ملتانی بدایونی کی شرح ہے۔ شارح کا نام مولوی عبد الوالی چشتی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۲ھ میں لکھی گئی ہے۔ نہ اصل کتاب دیکھنے کو ملی اور نہ ہی اس کی شرح۔ الباقیات الصالحات طبقات اولیاء ۱۱۶۰ھ میں لکھی گئی۔

سرزمین بدایوں میں آسودۂ خاک بزرگوں، ولیوں، شہیدوں کے تعلق سے مندرجہ بالا نو تذکرے لکھے گئے۔ ان میں سے زیادہ تر مطبوعہ ہیں۔ انوار الٰہی، روضۂ صفا اور الباقیات الصالحات قلمی ہیں۔ ان تمام تذکروں پر اعتماد و بھروسہ کے سوا ہمارے لئے کوئی اور چارۂ کار نہیں کیونکہ ان میں جو باتیں لکھی گئیں ہیں انھیں جھٹلانے کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ ان تذکروں کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان تمام تذکروں کا ماخذ و سرچشمہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے ملفوظات و ارشادات ہیں جو فوائد الفواد کی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدایوں دبستان علم وحکمت سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت سیدنا ابوبکر موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اگرچہ اس وقت آپ کا دور کمسنی تھا، مگر آپ نے انھیں دیکھا ضرور تھا۔ ان کی زبان فیض سے بدایونی بزرگوں کے جو حالات صادر ہوئے، میرے خیال میں ان لوگوں کی زبانی سنے ہوئے ہیں جو لوگ بڑے سرکار یا چھوٹے سرکار کی زیارت سے مشرف تھے اور بعض بزرگوں کو تو آپ نے اپنے چشم ظاہر سے دیکھا بھی تھا، جیسے حضرت عزیز کوتوال، حضرت ضیاء الدین نخشبی، حضرت علی مولا وغیرہ وغیرہ رحمہ اللہ علیہم اجمعین،

فوائد الفواد اور دوسرے بزرگوں کے ملفوظات سے جو حالات اور تذکرے ہم تک پہنچے، اسے ہم مکمل سوانح نہیں کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی مکمل تذکرے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے سرکاروں یا دوسرے بزرگوں کے مکمل تذکرے نہیں ملتے۔ میری نظر میں اس کے مختلف وجوہات ہو سکتے ہیں......

**اول** – بدایوں کی سرزمیں تک جن بزرگوں نے رسائی حاصل کی اور یہاں آکر سکونت اختیار کر لی ان کا مقصد یہ تھا کہ پرسکون فضا اور تنہائی میں رہ کر علمی، دینی اور مذہبی و روحانی تبلیغ و اشاعت کریں اور تمام شور شرابوں سے دور رہیں۔ ایسی صورت میں کسی سوانح یا مکمل تذکروں کا وجود پرسکوں ماحول سے موافقت نہیں کرتا۔ اس لئے ان کے تذکرے کتابوں اور ملفوظات میں بہت کم دستیاب ہیں۔

**دوم** – ان کا نصب العین صرف اور صرف تبلیغ اسلام تھا اور دین حق کو دور دور تک پہنچانا تھا، اس لئے دور دراز علاقوں سے ہندوستان آئے اور اپنی زندگی کو صرف نصب العین تک محدود رکھا۔ چونکہ تذکرہ لکھنا یا لکھوانا، سوانح مرتب کرنا یا کرانا، ان کا مقصدِ حیات نہ تھا۔ جبھی تو اس طرف کسی نے بھی اپنی توجہ مبذول نہیں کی۔

**سوم** – یہ بزرگان دین مقام فنا سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی شخصیتوں کو گم کر کے ہی زندگی بسر کرنا ان کا نظریہ حیات تھا۔ بتایئے تذکرے اور علمی خدمات کے چرچے گم کردہ شخصیت سے کیونکر میل کھاتے؟

**چہارم** – یہ کہ جن ادوار سے یہ بزرگان دین تعلق رکھتے تھے ان میں تذکرہ نگاری کا ماحول نہیں تھا، البتہ تاریخ نویسی ضرور ہو رہی تھی۔

یہ وہ حقائق و بصائر ہیں جو اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ فوائد الفواد کے حوالے سے جو بھی حالات دستیاب ہو جائیں انھیں پر قناعت کرنی چاہیے۔ کتاب کی زیب و زیبائش اور

دلکشی کو بڑھانے کے لئے اِدھر اُدھر سے غیر معتمد و مستند واقعات کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ مذہب اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی سماج و معاشرہ۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم خواہ مخواہ کی الجھنوں میں پڑیں اور رطب و یابس سے کام لیں کہ اس قسم کا رویہ علمی، ادبی اور فکری وشعوری تقاضوں سے بالاتر ہے۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ بدایونی دبستان علم وحکمت کی سرپرستی انھیں دونوں سرکاروں کو حاصل تھی اور انھیں کا فیض وکرم تھا کہ بدایوں کی سرزمین لعل و گوہر پیدا کررہی تھی اور انھیں کی تابانیاں تھیں جو ہر طرف بکھری ہوئی نظر آرہی ہیں۔ کل کا بدایوں بھی انھیں کا محتاج تھا اور آج کا بدایوں بھی محتاج ہے۔

بدایوں کی تاریخ اور اس کا علمی ماحول حضرت سلطان العارفین خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ اور حضرت سید ابوبکر موئے تاب بدرالدین شاہ ولایت علیہ الرحمہ کے ذکر جمیل کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا کیونکہ شہر بدایوں کا ذرہ ذرہ ان دونوں مقدس بزرگوں کا رہین منت ہے۔ اس کتاب کا ''باب چہارم'' شروع ہو رہا ہے جس میں ان کے شجرۂ نسب اور خاندانی حالات وکوائف بیان کئے جائیں گے۔

☆☆☆

# باب چہارم

## ذکر۔ گوہران شب تاب

تاریخ کے اوراق اگر آپ گردانیں گے تو اس بات پر حیرت ہوگی کہ مذہب وملت، دین وشعور کے فروغ وارتقاء میں خدا کے برگزیدہ بندوں کی اس قدر خدماتِ جلیلہ رہی ہیں کہ سلاطین جہاں ان کے عشر عشیر تک نہ کر سکے، اس عظیم مقصد کے حصول کی خاطر بندگان خاص، اس نقطۂ ارتقاء کو بھی پار کر گئے کہ...... سلاطین جہاں مارے حیرت کے منھ تکتے رہ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ سلاطین زمانہ ہر دور میں ان کے التفات وتوجہ کے محتاج رہے ہیں اور ان کی ضرورتیں بھی انھیں سے پوری ہوتی رہی ہیں، وہی سلاطین وقت نہایت ہی فتح و کامرانی کے ساتھ حکومت کر گئے جن کے ساتھ خدا کے محبوب بندوں کی دعائیں شامل رہی تھیں اور جن بادشاہوں نے اللہ والوں کو نظر انداز کر دیا۔ ان کے ساتھ ظلم وستم کی کاروائی کی اور صدائے حق کو پھلنے پھولنے نہ دیا، تباہ و برباد ہو گئے۔ ان کے ناموں کو سنتے ہی ان کی تباہ کاریاں سامنے آجاتی ہیں جن کی وجہ سے آج بھی لوگ انھیں برا بھلا کہتے ہیں اور طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن سلاطین جہاں کے دامن سے اللہ تعالیٰ کے خاص

بندوں کی وابستگی ہوگئی ان کا دامن بھی چاندنی اور صاف شفاف کرنوں سے نہال ہوگیا۔ شمس الدین التمش کا نام لوگ عزت سے لیتے ہیں اور ان کی طرف وقار سے دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس دور کے جس قدر اولیاء، علما، مجاذیب اور فقراء و درویش تھے، سب کی نیک خواہشات ان کے ساتھ تھیں۔ مورخین نے بھی بزرگوں کے تئیں التمش کی عقیدت و ارادت کا اعتراف کیا ہے۔ تاریخ فرشتہ اور دوسری کتب تواریخ میں اس مذکورہ وابستگی کے جا بجا واقعات درج ہیں۔ بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کہ تاریخ میں اگر کہیں صاف وشفاف مقام آتا ہے تو اس میں مذکور وابستگی کا ثمرہ ضرور نظر آتا ہے۔ سرزمین بدایوں میں جن ادوار میں بزرگان عظام خصوصی طور پر حضرت سلطان العارفین سید حسن شیخ شاہی، حضرت سید ابو بکر موئے تاب علیہما الرحمہ اور دیگر خاصان خدا موجود تھے۔ ان سے نہ صرف یہ کہ بدایوں کی سرزمیں فیض یاب ہوئی بلکہ ان ادوار کے سلاطین، گورنرس کی زندگیاں بھی سدھر گئیں کہ جب ان کا نام لیا جاتا ہے تو خصوصی نسبت کے سبب اُن بادشاہوں کا تصور بھی ذہن میں ابھر آتا ہے۔ اس بات سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تاریخ اِن کی محتاج ہے، وہ تاریخ کے محتاج نہیں۔ اگر ایسے روشن افراد کا ذکر تاریخ کے صفحات میں نہیں تو یہ قصور تاریخ کا ہے، جس سے تاریخ نویسی کی حقیقت شناسی اور صداقت شعاری پر حرف آرہا ہے۔ لہٰذا ان کی ذمہ داری ہے کہ اس فن کو انجام دیتے وقت ان راہوں کی طرف ضرور جانا چاہیے، جہاں سے نور وضیاء کی کرنیں پھوٹتی ہیں اور ابدی سعادتوں کے سوتے بہتے ہیں۔ وہ ارباب فکر کس قدر تنگ نظر ہیں جو ان مقدس کرنوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور صحرا نشیں بندگان خاص کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں حالانکہ یہ حضرات جمالیاتی انقلاب وتحریک کے روح رواں ہیں۔ اُن کا یہ رویہ یقیناً لائق نفرین ہے۔ مگر وہ جو اہل عقیدت اور انصاف پسند ہوا کرتے ہیں اس قسم کا رویہ نہیں اپنانے، کہ اعتراف حق میں ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟

بدایوں کی سرزمین کو اس بات پر فخر و ناز ہے۔ کاروان نور نکہت کے دو ایسے گوہر شب تاب سے اسے خاص نسبت رہی ہے جس کی مقدس کرنیں آج بھی اس کے افق پر چمک رہی ہیں اور بدایوں کا خطہ خطہ انوار و تجلیات کا منبع اور ان کی آماجگاہ بنا ہوا ہے وہ دو گوہر شب تاب......

(۱) حضرت سلطان العارفین، حضرت سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ

(۲) حضرت سیدنا ابوبکر موئے تاب بدرالدین شاہ ولایت علیہ الرحمہ

ہیں۔ انھیں کی بدولت بدایوں کی خاک سرمۂ اہل وفا نظر آتی ہے۔ ہر نو وارد مسافر انھیں سلام کئے بغیر آگے نہیں بڑھتا۔ یہ جذب و کشش ان کے پیار و محبت، خدمت خلق، مذہبی اشاعت اور تبلیغ دین متین کی ہے۔ صدیاں گذر گئیں، زمانے بیت گئے، مگر آج تک ان کے خلوص و وفا کی روشن جبین کبھی میلی نہیں ہوئی۔ جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ ان کی ذات جامع صفات تھی اور ان کی شخصیت میں وہ تمام مکارم اخلاق موجود تھے جو چمکتے چاند اور دمکتے سورج کو بھی شرمسار کر دیتے ہیں۔ مجھے اس بات پر نہایت خوشی ہو رہی ہے کہ میں ان کے حالات زندگی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شخصیت کے ارتقائی عمل میں مختلف ادارے کام کرتے ہیں اور اس کے سنوارنے میں بہت سے افراد ہاتھ بٹاتے ہیں۔ خاندان، افراد خاندان، مدرسہ کا ماحول، اساتذہ، پیران طریقت اور سچے دوستوں اور مشفق بزرگوں کی ہدایت و رہنمائی سے ہم نظر نہیں چرا سکتے شخصیت کے تار و پود میں انھیں کے جلوے اور درخشانیاں نظر آ رہی ہیں۔ موقع کی اس نزاکت کا احساس کرتے ہوئے، بدایوں کے دو سرکاروں کے خاندانی حالات اور پس منظر بیان کیا جا رہا ہے۔

**شجرۂ نسب** - بزرگان دین و مذہب کے تعلق سے جس قدر تذکرے لکھے گئے سب میں دونوں سرکاروں کا شجرہ نسب موجود ہے۔ علم تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے بخوبی جانتے

ہیں کہ وہ تاریخی حقائق زیادہ معتبر ہوا کرتے ہیں، جو ممدوح کی زبان مبارک سے صادر ہوں اس کے بعد ان کی معلومات اہمیت رکھتے ہیں جسے ممدوح کے دیکھنے والوں میں سے کوئی فراہم کرے۔ آخر میں اس کا مرتبہ آتا ہے جو کسی دیکھنے والوں سے سن کر بیان کرے، اس طرح سے جن تاریخی معلومات کی نسبت ممدوح سے نزدیک تر ہوگی، زیادہ لائق اعتماد ہوا کرتے ہیں اور جوں جوں یہ نسبت دور ہوتی جائیگی۔ اس میں ضعف و اضمحلال آتا چلا جائیگا۔ اس مفہوم کو ذہن میں محفوظ رکھیں اور شجرہ نسب کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ یہ شجرۂ نسب بیان کرنے والا کون ہے اور دینی اعتبار سے ان کی اہمیت کیا ہے؟ انھیں چند پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی جائیگی۔ پہلے اجمالی طور پر شجرہ نسب ملاحظہ فرمائیں...... (۱) حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵) حضرت سیدنا امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) حضرت سیدنا امام رشید الدین نزیل یمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸) حضرت خواجہ سید حسام الدین یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۹) حضرت خواجہ معروف یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۰) حضرت خواجہ سید احسن یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱) حضرت خواجہ سید اسحاق یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۲) حضرت خواجہ سید زکریا یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۳) حضرت خواجہ سید محمد سمعان یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۴) حضرت خواجہ سید ابراہیم یمنی نزیل بخارا رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵) حضرت خواجہ سید اعز الدین بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک صاحبزادی اور ۴ر صاحبزادے تھے۔

| (۱) | (۲) | (۳) | (۴) | (۵) |
|---|---|---|---|---|
| حضرت خواجہ سید حسن | حضرت خواجہ عثمان | حضرت خواجہ شاہ ولایت | حضرت خواجہ سید عمر | حضرت بی بی زینب |

**توضیح** - مذکورہ شجرۂ نسب سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے حضرت بڑے سرکار اور چھوٹے سرکار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سلسلۂ نسب پندرہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے اور سلسلۂ پدری کے اعتبار سے حسینی سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس شجرۂ نسب کی توضیح حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جو حضرت سلطان العارفین شیخ شاہی کے ہم عصر وہم زمانہ تھے۔ دونوں بزرگوں کے مابین دوستانہ مراسم تھے اور مابین ملاقاتیں بھی ہوتی رہی ہیں۔ ممکن ہے شجرۂ نسب کی وضاحت خود بڑے سرکار نے کی ہو۔

جیسے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے پوتے حضرت علاء الدین بن خواجہ بدر الدین سلیمان نے اپنی کتاب عظمت الاولیاء میں نقل کی ہے۔ آپ اپنے والد گرامی حضرت بدر الدین سلیمان کے سجادہ نشین اور وہ اپنے والد بابا فرید الدین کے سجادہ نشین تھے۔ دونوں باپ بیٹے اولیائے کاملین اور خدا کے برگزیدہ بندوں میں تھے۔ حضرت سید محمد بن مبارک کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں بزرگوں کی زبردست انداز میں مدح سرائی کی ہے۔

**حضرت بدر الدین سلیمان** - آپ بابا فرید الدین کے صاحبزادے تھے اور ان کے وصال کے بعد ۶۶۶ھ میں بابا فرید الدین کے سجادہ نشین ہوئے، صاحب نسبت وکرامت بزرگ تھے۔ آپ کی ذاتِ بابرکت سے مخلوق کو راستہ وہدایت نصیب ہوئی، سید محمد مبارک کرمانی[1] رقم طراز ہیں......

> انھیں میں طریقت کے پیشوا، عالم حقیقت کے آفتاب یعنی شیخ بدر الدین سلیمان تھے جو اپنے علم وتقویٰ کے لئے مشہور تھے اور مشائخ کبار کے اوصاف سے موصوف تھے۔ شیخ الشیوخ کی وفات کے بعد

---

ا۔ سید محمد کرمانی - آپ ۷۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء سے مرید ہوئے۔ اکثر وبیشتر اپنے پیر ومرشد کو خواب میں دیکھا کرتے تھے۔ 'سیر الاولیاء' آپ ہی کی تصنیف ہے۔ ۷۷۱ھ میں وصال فرما گئے۔

> اہل ارادت کی موجودگی میں اور بھائیوں کی اتفاق رائے سے سجادہ نشین ہوئے اور اس مقام کو اپنے نور سے منور کر دیا کیونکہ۔الولد سرٌ لابیہ کہ اولاد اپنے ماں باپ کے رموز ہوتی ہے۔
>
> (سیر الاولیاء،ص:۲۰۲)

**حضرت علاء الدین -** آپ حضرت بدرالدین سلیمان کے بیٹے اور بابا فرید الدین کے پوتے تھے۔آپ علاء الدین سے مشہور ہیں لیکن آپ کو علی اصغر موج دریا بھی کہا جاتا ہے۔تصوف کی کتاب عظمت الاولیاء آپ ہی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔اس کتاب میں آپ نے بڑے اور چھوٹے سرکاروں کا شجرۂ نسب بیان کیا ہے اور یہ تحریر فرمایا کہ...... یہ شجرۂ نسب آپ (یعنی بابا فرید الدین گنج شکر) کی زبان مبارک سے سنا ہوا ہے۔شجرہ نسب کا سنا جانا نہ صرف قرین قیاس ہے بلکہ اس سماعت کا پورا پورا یقین ہے کیونکہ آپ زیادہ تر حضرت بابا کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کے سجادہ پر جلوس بھی فرمایا کرتے۔حضرت سید محمد بن مبارک کرمانی رحمتہ اللہ نے مختلف مقامات پر آپ کے حالات، دینی خدمات اور مرتبۂ ولایت کا ذکر فرمایا ہے، آپ لکھتے ہیں......

> ان میں ایک شیخ علاء الملۃ والدین ابن شیخ بدرالدین سلیمان تھے جو مشائخ طریقت میں افضل اور اولیاء حقیقت میں اکرم تھے اور اپنے مدارج کی بلندی اور مقامات کی رفعت مجاہدات کی شدت، مشاہدات کے ذوق وشوق میں یکتائے روزگار تھے۔سخاوت وقربانی میں بے مثال تھے اور ظاہری و باطنی طہارت کا یہ عالم تھا کہ مشائخِ وقت میں بے مثال سمجھے جاتے تھے، آپ صرف سولہ سال کے تھے جب آپ شیخ الشیوخ کے سجادہ پر اپنے باپ کی جگہ بیٹھے اور ۵۴ رسال تک اس سجادہ نشینی کا حق کما حقہ ادا کیا۔یہاں تک کہ ان کی عظمت وکرامات کی

شہرت ان کی حین حیات ہی میں دنیا میں پھیل گئی اوران کا نام مبارک نامی گرامی اولیاء میں شمار ہونے لگا۔ (سیر الاولیاء،ص:۲۰۶)

حضرت سید محمد بن مبارک کرمانی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں......

(۱) والد صاحب یعنی سید مبارک کرمانی فرماتے ہیں میرے بچپن کے ایام میں شیخ علاء الدین شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے مرشد کھاٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ہم دونوں کھاٹ کی پٹی سے لگ کر کھڑے تھے اس وقت شیخ الشیوخ کے دہن میں پان تھا شفقت اورمہر پدری سے اپنے دہن مبارک سے پان نکال کر اپنے ہاتھ سے شیخ علاء الدین کے منہ میں ڈال دیا۔ باقی ماندہ پان میرے منہ میں ڈال دیا۔ (سیر الاولیاء،ص:۲۰۷)

(۲) جب شیخ علاء الدین کھیلتے کھیلتے سجادہ پر جا بیٹھے،خواجہ عیسیٰ نے شیخ علاء الدین کی طرف دیکھا اور حیرت سے انگلی منہ میں لے لی، مرشد نے پہلے خواجہ عیسیٰ کی طرف دیکھا پھر علاء الدین کو سجادہ پر بیٹھے دیکھ کر مسکرا کر اسی علاقہ کی زبان میں کہا...... شیخ چھواڑو سے بیٹھنے دو۔آپ کے نفس مبارک کی برکت سے مدت تک شیخ الشیوخ کے سجادہ پر بیٹھے کسی طرح بھی آپ کے پاؤں مسجد جمعہ کے علاوہ کہیں اور نہ جاتے۔ (سیر الاولیاء،ص:۲۰۷)

آپ برابر روزہ رکھتے، ذکر وفکر میں مشغول رہتے، بزرگوں،صوفیوں اور درویشوں کے حالات سنتے اور سناتے، اس طرح سے آپ کی پاکیزہ سیرت وکردار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بابا فرید سے آپ کی جو قربت رہی ہے اس کا بھی علم ہوتا ہے۔ ان تمام اسباب و حالات کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے،عظمت الاولیاء میں شجرہ نسب کا جو بیان درج ہوا یقین

کی حد تک اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ شیخ علاء الدین نے اپنے دادا بابا فرید الدین سے سنا اور انھوں نے خود بڑے سرکار سے سنا ہوگا، لہٰذا فکر و دانش کو اس شجرۂ نسب پر مجال دم زدن نہیں۔ اس کے بعد بدایوں میں جس قدر بھی تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں بھی یہی شجرۂ نسب ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ مذکورہ شجرہ پر تمام تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے۔ مولوی افتخار الدین شور نے تحریر کیا۔ ایسا ہی ملفوظات حمیدیہ میں بھی تحریر ہے۔ ملفوظات حمیدیہ کا نام میں نے صرف حوالوں میں دیکھا ہے، فی نفسہ یہ کتاب دیکھنے کو نہ ملی۔ غالبًا یہ قاضی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ کے ملفوظات ہیں جو تاجدار اہل ولایت سلطان العارفین حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت تھے۔ ان کے ملفوظات میں مذکورہ شجرۂ نسب کا درج ہونا مزید درجہ یقین کو پختہ کرتا ہے۔

**خاندانی حالات و کوائف-** مذکورہ شجرۂ نسب میں حضرت چھوٹے بڑے سرکاروں کے جو آباؤ اجداد ہیں ذیل میں ان کا تعارف اور علمی، دینی خدمات نیز اوصاف حمیدہ ذکر کئے جا رہے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ- **الولد سر لابیہ** کہ اولاد اپنے اجداد کے اسرار و رموز ہوا کرتی ہے۔ یہ فرمان کسی زمانہ اور صدی تک محدود نہیں کہ کن زمانوں تک کی اولادیں آباؤ اجداد کے رموز ہوتی ہیں اور نہ اس بات کی حد بندی ہے کہ کن ادوار کے آباؤ اجداد کے رموز اولاد تک پہنچتے ہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے۔ فرمان رسول ﷺ کی دو جہتیں ہیں اور دونوں مطلق ہیں۔ یعنی جہت اسفل بھی مطلق ہے اور جہت اعلیٰ بھی مطلق ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے تناظر میں یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ قیامت تک آنے والی نسلیں رموز ہو سکتی ہیں اور مورثِ اعلیٰ سے لے کر والد ماجد تک کے فیوض و برکات اولاد تک پہنچ سکتی ہیں۔ ذیل میں تمام آباؤ اجداد کے مختصر حالات اور اوصاف ذکر کئے جا رہے ہیں تا کہ قارئین بخوبی احساس کر لیں کہ ممدوح افراد میں ان کے بزرگوں کی کون کون سی خصلتیں اور عادتیں پائی جاتی ہیں۔

**(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -** نام علی، والد کا نام ابو طالب اور دادا عبدالمطلب تھے۔ ۱۳ر رجب المرجب بروز جمعہ مطابق ۱۵ر اکتوبر ۵۵۹ء خاص خانہ کعبہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ کے زیر پرورش رہے۔ لڑکوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا۔ فیضان نبوت کے سبب علم قرآن، علم احادیث میں آپ کو زبردست کمال حاصل تھا۔ فکر وشعور کی دنیا میں بھی آپ کا نام روشن تھا اور رازِ خلافت سے روشناس بھی تھے۔ حضرت فاطمہ آپ کی زوجیت میں تھیں، اس اعتبار سے آپ کی ذات منفرد تھی کہ حضور ﷺ کے مبارک نسب کا سلسلہ آپ ہی سے چلا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مبارک بطن سے جو اولاد ہوئی انھیں کو سید کہا جاتا ہے۔ امام حسین اور امام حسن آپ ہی کے گھر میں جلوہ ریز ہوئے۔ شریعت کے بھی آپ امام ہیں اور طریقت کے بھی مسلم مقتدا ہیں۔ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ فرصت کے اوقات قبرستان میں مردوں کے بیچ گذارا کرتے تھے اور قبرستان کے مردوں سے ہم کلام بھی ہوا کرتے تھے۔ درہ خیبر کو آپ ہی نے اپنی قوت بازو سے اکھاڑ پھینکا تھا، اسی لئے آپ کو شیر خدا کہا جاتا ہے۔ علم وتدبر، غصہ کو پی جانا اور نفس کے لئے کوئی کام نہ کرنا آپ کی عادت تھی۔ خلفائے راشدین میں آپ خلیفۂ چہارم ہیں۔ درۂ خیبر کو جب آپ نے اپنی پشت پر اُٹھالیا تھا، جس کی وجہ سے آپ کی پشت خاک آلود ہوگئی تھی۔ سرکار نے خاک پونچھتے ہوئے فرمایا...... ابو تراب، یہ مٹی والے ہیں۔ اس دن سے ابوتراب آپ کی کنیت ہوگئی۔ آپ سے ۵۸۶ ر احادیث مروی ہیں۔ ۲۰ حدیثوں میں امام بخاری اور ۱۵ر میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ۱۸ر ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ خلیفہ منتخب ہوئے اور ۱۸ر رمضان ۴۰ھ میں ابن ملجم نے آپ کو زخمی کیا اور تین دن کے بعد آپ کا وصال ہوا۔ اس طرح آپ نے ۴ر سال ۹ر ماہ ۱۲ر دن امور خلافت انجام دیئے۔

**(۲) حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ -** نام حسین بن علی،

کنیت ابوعبداللہ، القاب رشید، طیب، ذکی، وفی، سید وغیرہ ۵ رشعبان ۴ رہجری میں آپ پیدا ہوئے، سرکار نے آپ کے کان میں اذان پڑھی اور ساتویں دن عقیقہ کیا۔ ناف مبارک سے ٹخنہ تک آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ کا رخ زیبا اس قدر حسین وجمیل تھا کہ جو آپ کو دیکھتا شیدا ہو جاتا۔ جنتی نوجوانوں کے آپ سردار ہیں۔ تبلیغ دین متین اور کلمۂ حق بلند کرنا آپ کا شیوہ رہا ہے۔ دین و مذہب کی خاطر آپ نے اپنے خاندان کو تاراج کر دیا اور خاندانکے اک اک فرد کو راہ خدا میں قربان کر دیا حتیٰ کہ میدان کربلا میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے مگر دین کے معاملہ میں نرم پالیسی نہیں اپنائی۔ دور حاضر میں جو افراد دین و مذہب کے تعلق سے نرم پالیسی اپناتے ہیں اور مصلحت کوشی سے کام لیتے ہیں انھیں امام حسین کی زندگی سے سبق لینا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ مصلحت کے پیش نظر حال کی زندگی اچھی اور خوبصورت ہو جاتی ہے، مگر آنے والی نسلیں آپ کو یاد کریں؟ ممکن نہیں۔

میدان کربلا میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قربانیاں پیش کیں اور جس ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ سے کام لیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ قیامت تک آنے والے افراد امام حسین کی اس قربانی کو یاد کریں گے اور آج بھی لوگ یاد کرتے ہیں۔ ۱۰ رمحرم عاشورہ کے دن ۶۰ ہجری میں آپ شہید ہوئے۔ مزار پاک کربلائے معلیٰ میں مرجع خلائق ہے۔

**﴿۴﴾ امام زین العابدین -** نام علی بن حسین، کنیت ابوالحسن، ابومحمد، ابوبکر، القاب زین العابدین، سید العابدین۔ آپ کی ولادت ۵ رشعبان ۳۸ رہجری میں ہوئی اس وقت حضرت علی شیر خدا کی خلافت کا دور تھا۔ آپ قوی الجثہ، پستہ قد اور چہرہ کا رنگ زرد تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ رنج وغم اور کربلا کے ہولناک واقعات نے آپ کو اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ جب وہ منظر یاد آتا تو روتے روتے صبح ہو جاتی اور چہرہ کا رنگ پیلا پڑ جاتا۔ کثرت عبادت کے سبب آپکا لقب زین العابدین پڑ گیا اور یہی لقب نام پر غالب آ گیا۔ والدہ مکرمہ کا نام

سلافہ تھا، لقب شاہِ زنان، یزدجر کی بیٹی تھیں، جو شاہِ فارس نوشیروان عادل کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ سانحہ کربلا کے بعد سے آپ نے دنیا کی لذتوں کو ترک کر دیا تھا اور شب و روز ذکرِ حق میں مشغول رہتے۔ کثرت سے گریہ وزاری کرتے۔ ولید بن عبدالملک نے زہر دیا جس کے اثر سے ۱۸ر محرم الحرام ۹۴ر ہجری کو آپکی شہادت ہوئی۔ مزار اقدس جنت البقیع قبہ امام حسن میں ہے۔

**〈۴〉 حضرت سیدنا امام باقر -** نام محمد بن علی بن حسین، کنیت ابو جعفر، القاب الباقر، الشاکر، الہادی۔ آپ ۲ر صفر ۵۷ر ہجری کو مدینہ پاک میں پیدا ہوئے۔ آپ گندم گوں اور معتدل القامت تھے، والدہ مکرمہ ام عبداللہ بنت حسن تھی، آپ دو ہاشمیوں اور دو علویوں سے تھے۔ آپ علم دین متین، علم قرآن اور علم سیر میں بھی فائق تھے۔ فنون ادب سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ عبادت گذار، شب بیدار تھے۔ آپ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں۔ اہل علم آپ کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ نور الابصار میں تفصیل سے آپکے حالات درج ہیں۔ آپ شریعت وطریقت کے امام ومقتدا تھے اور صاحب زہد واتقا تھے۔ آپکا وصال ۷ر ذی الحجہ ۱۱۴ھ بروز دوشنبہ ہوا۔ مزار پاک جنۃ البقیع میں ہے۔

**〈۵〉 حضرت سیدنا امام جعفر الصادق -** نام نامی جعفر بن باقر، کنیت ابو عبداللہ/ ابو اسماعیل ہے اور القاب الصادق/ الفاضل/ الطاہر ہیں، مدینہ پاک میں ۸۰-۸۲ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں سلسلۂ قادریہ کے اکابر مشائخ میں تھے، صاحب علم، باکرامت بزرگ تھے، آپ مستجاب الدعوات تھے، بارگاہ ایزدی میں جو دعا کرتے فوراً قبول ہوتی۔ فیضان شجرۂ رضا میں درج ہے کہ......

آپ کو جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو بارگاہ الٰہی میں اپنے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے، آپ کی دعا ختم ہونے سے پہلے وہ چیز آپ کے پہلو

میں قدرتی طور پر موجود ہو جاتی۔

آپکی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں ''نور الابصار فی مناقب اہل بیت النبی المختار'' میں کچھ کرامتیں مذکور ہیں آپکے اقوال فن تصوف میں بطور سند پیش کئے جاتے ہیں۔ انکے بعض اقوال ایسے ہیں جو سماج و معاشرہ کی اصلاح کے لئے کافی ہیں۔ انسان ان اقوال کے ذریعہ خود اپنی اصلاح کرسکتا ہے اور دوسروں کی بھی اصلاح کرسکتا ہے مثلاً......

آپ نے فرمایا...... چار چیزیں ایسی ہیں جو قلیل بھی کثیر کا درجہ رکھتی ہیں......

(۱) آگ، (۲) عداوت، (۳) فقر، (۴) مرض۔

آپ نے فرمایا...... نیکی تین خصلتوں کے بغیر پوری نہیں ہوتی - (۱) جب تو نیکی کرے تو اسے حقیر جانے، (۲) اسے چھپائے، (۳) اسے جلدی کرے، اور یہ اس لئے کہ جب تو اسے حقیر جانے گا تو نیکی عظیم ہو جائے گی۔ جب تو اسے چھپائے گا تو اسے کامل کرے گا اور جب جلدی کرے گا تو اسے بابرکت کرے گا۔ ۱۵/رجب المرجب ۱۴۸ھ کو ۶۰ رسال کی عمر میں زہر کے اثر سے آپ شہید ہوئے۔ مزار شریف جنت البقیع میں والد ماجد حضرت امام باقر کے پہلو میں واقع ہے۔

**﴿۶﴾ حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ الرحمہ -** آپ کا اسم مبارک موسیٰ ابن جعفر، کنیت ابوالحسن، القاب الکاظم، الصابر، الامین، الصالح۔ مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور الکاظم ہے۔ سن ۱۴۸ھ کو مقام ابواء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے معاصرین خلفاء، موسیٰ الہادی، ہارون رشید ہیں۔ چونکہ حلم و بردباری میں آپ کا رتبہ عظیم تھا۔ جو آپ کے ساتھ زیادتی کرتا انھیں آپ نوازتے اور مال عطا کرتے تھے، اس لئے آپ کا لقب الکاظم پڑا۔ آپ امام کبیر اور شیخ کامل تھے، طریقت وحقیقت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اسی لئے اس زمانہ کے لوگ آپ کو باب الحوائج کے نام سے یاد کرتے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کے توسط سے جو دعائیں مانگی جاتی تھیں قبول ہو جاتی تھیں۔

لوگ آپ سے بہت زیادہ عقیدت وارادت رکھتے تھے۔منفرد شخصیت ہونے کے سبب لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ اسی بھیڑ اور جم غفیر کو دیکھ کر لوگوں نے ہارون رشید سے کانا پھوسی کردی اور ہارون رشید نے عراق لاکر انھیں قید کردیا۔ پھر اپنے وزیر یحییٰ برمکی[1] کے ذریعہ زہر دلوا کر شہید کرادیا۔اس طرح آپ نے ۱۸۳ھ میں شہادت پائی۔آپ کی کل اولاد ۳۶ تھی ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت سیدنا علی رضا ہیں۔انھیں میں ایک مبارک شہزادہ خواجہ سید رشید الدین بھی تھا، جن کی مقدس نسل میں سید ابوبکر موئے تاب اور سید حسن شیخ شاہی بھی ہیں۔

**نوٹ -** خلافت بنی عباس کے اہم خلیفہ ہارون رشید نے امام موسیٰ الکاظم کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اسے کیا کہا جائے۔تعصّبانہ/ معاندانہ قرار دیا جائے یا پھر آئندہ آنے والے اندیشوں سے بچنے کی حسن تدبیر۔تعصّبانہ اس لئے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ہارون رشید بذات خود منصف، علم دوست، عالموں فاضلوں اور ارباب فکر ودانش کا قدردان تھا اور بہت سے اہل علم ان کی بارگاہ میں رہ کر خوش حالی سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اور علمی ماحول میں دلکشی اور جاذبیت لانے میں مصروف عمل تھے اور اگر مستقبل کے اندیشوں سے بچنے کی کوئی تدبیر تھی تو پھر یہ معاملہ حضرت سید موسیٰ الکاظم کی دوسری اولادوں سے بھی روا رکھا جاتا، لہٰذا یہ کاروائی نہ تو معاندانہ تھی اور نہ ہی حسن تدبیر، درحقیقت یہ تمام کاروائی کسی غلط فہمی کی بنیاد پر کی گئی تھی اور بادشاہوں کے یہاں اس قسم کی تخریبی کاروائی ایک عام بات تھی۔ ہر دور کی تاریخ بتاتی ہے چاپلوس قسم کے لوگ ہر دور اور ہر زمانہ میں رہے ہیں جن سے اہل علم

---

۱- یحییٰ برمکی- والد کا نام خالد اور دادا کا نام برمک تھا۔ برمک اصل میں برمغ تھا اہل ایران آتش کدہ کے امام ومنتظم کو مغ کہا کرتے تھے اور مرکزی آتش کدہ کا جو متولی ہوا کرتا تھا اسے برمغ کہا جاتا تھا، مرکزی آتش کدہ کا نام نوبہار تھا۔ اہل عرب اسی برمغ کو برمک کہنے لگے۔ بعد میں یہ خاندان برامکہ سے مشہور ہوا، یحییٰ ہارون رشید کا اتالیق تھا، بعد میں ہارون رشید کا وزیر اعظم بن گیا۔اسی یحییٰ برمکی نے ہارون رشید کے مشورہ سے حضرت موسیٰ الکاظم کو زہر دے کر شہید کر دیا۔(ماخوذ از- تاریخ اسلام جلد دوم ،ص: ۲۲۸-۲۲۹)

اورصاحب دیانت کونقصان ہوا ہے۔

**﴿۷﴾ حضرت سیدنا رشید الدین علیہ الرحمہ -** آپ موسیٰ الکاظم کے صاحبزادوں میں سے ایک تھے۔اہل علم، صاحب اتقاء بزرگ تھے۔حالات اوراس کے نشیب وفراز سے آگاہ تھے۔ ہر آنے والے خطرات کومحسوس کرلیا کرتے تھے۔کسی فتنہ و فساد میں پڑنے سے زیادہ یہی بہتر تھا کہ کنارہ کشی اختیار کرلی جائے، جہاں سکوں کی جگہ میسر ہو وہیں سکونت اختیار کرلی جائے اس مقصد کے پیش نظر مدینہ پاک سے بقصد حج مکہ مکرمہ آئے۔ارکان حج ادا کیئے اور یمن کے قافلہ کے ساتھ ساتھ ملک یمن کو روانہ ہوئے۔ اس دور میں یمن بھی کوئی سکون کی جگہ نہ تھی وہاں بھی ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی، ہر طرف شورش، بغاوت کا ماحول گرم تھا۔ہارون رشید کے انتقال کے بعد تواس میں زبردست سرگرمی پیدا ہوگئی تھی۔حالات اور تقاضے اس بات کی نشاندہی کررہے تھے کہ اس طوائف الملوکی کے دور میں یمن کا قصد کرنا کچھ زیادہ مناسب نہ تھا مگر وہ انسان جو تمام شورشوں سے دور رہ کر خاموشی کے ساتھ دین ومذہب،علم وشعور اور ثقافت اسلامی نیز نیکی،فلاح و بہبودی کی تحریک چلانا چاہے، انھیں ان شورشون سے کیا خوف؟ اور کیسا ڈر؟ اس سے بخوبی احساس ہوتا ہے کہ خواجہ رشید الدین نیک طینت اور تقویٰ شعار انسان تھے اور خاموشی کے ساتھ ذہن وفکر اور قلب وروح میں انقلاب لانا چاہتے تھے۔اصلاح معاشرہ وسماج ہی ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔اس لئے انھوں نے یمن جانے کا فیصلہ لیا اور وہاں روانہ بھی ہو گئے۔کارواں چلتا رہا، رفتہ رفتہ منزلیں نزدیک آتی رہیں، بالآخر رات کی تنہائی میں ملک یمن پہنچے اور محلّہ شاہی کردی میں قیام کیا۔وہاں کے حالات وسیاست کی طرف آپ نے کوئی توجہ مبذول نہ کی بلکہ خاموشی کے ساتھ اصلاح سماج ومعاشرہ کرتے رہے اور لوگوں کو نیکی وفلاح و بہبودی کی طرف بلاتے رہے۔ یہاں تک کہ یمن کا ایک زبردست حلقہ آپ سے متاثر ہوگیا۔آپکے دورانِ قیام یمن کا کون بادشاہ تھا؟ ان کا کیا نام تھا؟ اور کس سن میں

آپ وہاں رہے۔ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے؟ یمن کی صورتِ حال کے تعلق سے ایک اجمالی خاکہ تحریر کیا جارہا ہے تاکہ آپ اندازہ لگاسکیں کہ ایسی نازک صورت حال میں کسی اصلاح پسند بزرگ کا قیام کس قدر مشکل ہوا کرتا ہے۔

**یمن کی صورت حال-** خلافت بنی عباس کے دو وفاشعار سپہ سالاروں یعنی ہرثمہ بن اعین اور طاہر بن حسین نے اپنی شجاعت و بہادری، جنگی مہارت اور زبردست صلاحیتوں سے نہ صرف یمن کو فتح کرلیا تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فارس، اہواز، کوفہ، بصرہ، حجاز کو بھی اپنے زیر تسلط کرلیا تھا۔ انھیں امید تھی کہ ان نو مفتوحہ علاقوں کی حکومت ان کے حوالہ کی جائیگی، مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ ۱۹۳ھ میں ہارون رشید کا انتقال ہوا۔ ۱۹۸ھ میں مامون تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے وزیر فضل بن سہیل کے حقیقی بھائی حسن بن سہیل کو حجاز و یمن کا حاکم بنادیا۔ مامون کا وزیر فضل بن سہیل اور حسن بن سہیل دونوں ایرانی نژاد تھے۔ عرب کے لوگوں کو یقین ہوگیا کہ مامون عرب پر عجم کو فضیلت دے رہا ہے اور ہر موڑ پر انھیں کو آگے بڑھا رہا ہے۔

قبیلۂ بنو شیبان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص جس کا نام سری بن منصور تھا اور ابو السرایا کنیت تھی۔ اُس نے ماہ رجب ۱۹۹ھ میں کوفہ میں اپنے نام کا سکہ چلایا اور متعدد صوبوں پر علویوں کو حاکم بنا کر روانہ کیا۔ یمن کی حکومت پر ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر الصادق کو مقرر کیا اور وہ اس طرح سے یمن پر حاکم مقرر ہوئے۔ حسن بن سہل اور دوسرے ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر دونوں میں رسہ کشی، نفرت وعداوت، ایک دوسرے پر خروج، یمن کی قسمت بن گیا۔ اسی دور میں حضرت خواجہ رشید الدین یا تو یمن پہنچ چکے تھے اور نیک نیتی کے ساتھ اپنی کوششوں میں ہمہ تن مشغول رہے ہونگے۔ انھیں دنیا یا دنیا کی حکومت سے کوئی غرض نہ تھی۔ حالانکہ آپ کے دوسرے بھائی کہیں گورنر تھے یا پھر کہیں کے عامل تھے۔ آپ بھی اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہو سکتے تھے مگر طبیعت میں استغنا کے سبب کبھی بھی اس طرف

التفات نہ فرمایا اور یہی آپکی کامیابی کی دلیل ہے۔

**ایک حسین خواب -** مترجم انوار الٰہی- مولوی افتخار الدین، مصنف شیخ شاہی مولوی ابرار حسین اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے یہ تحریر کیا کہ اس وقت جو بھی شاہِ یمن رہا ہو، ان کی شہزادی نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان کی وسعتوں سے چودھویں کا چاند میری گود میں آ کر گرا اور مجھ سے کچھ اس طرح ہم کلام ہوا کہ تو میری منکوحہ ہے۔ شہزادی نے یہ خواب اپنے والد سے بیان کیا۔ شاہِ یمن نے اپنے تمام مصاحبوں کو دربار میں طلب کیا اور خواب کی تعبیر دریافت کی۔ کسی نے کچھ بیان کیا اور کسی نے کچھ کہا۔ مگر شاہِ یمن اس تعبیر سے مطمئن نہیں ہوا، آخر میں یوسف نامی ایک شخص نے کہا- یہ تعبیر کچھ دلوں کو بھاتی نہیں۔ اسکی تعبیر کسی نہ کسی اللہ والے سے جڑی ہوئی ہے لہٰذا ان سے دریافت کیا جائے۔ اسی مذکورہ مصاحب نے خواجہ رشید الدین کے محلّہ شاہی کردی میں قیام پذیر ہونے کی بات کہی۔ شاہ یمن نے اپنے معتمد وزیر کو بلایا اور انھیں پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ دربار میں لانے کی ہدایت کی۔ وزیر خواجہ رشید کی بارگاہ میں پہنچا۔ سارا قصہ بیان کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ شاہ کے دربار میں بلا لائے۔ شاہ یمن یہ دیکھ کر حیرت زدہ تھا کہ ایک نورانی صورت، فرشتہ سیرت، پاکیزہ کردار و عمل کا حامل انسان سامنے کھڑا ہے جس کے رخ زیبا سے نوری کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ پاکیزگی نفس اور قلبی طہارت ہر بنِ مو سے نظر آ رہی تھی۔ جبین سعادت پر ایسی تابانی، درخشانی تھی کہ نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں اور نظریں از دیارِ تابانی کے سبب پھسل سی رہی تھیں۔ عزت و احترام کے ساتھ شاہِ یمن نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور گفتگو کا آغاز اس طرح سے کیا......

اے خواجہ! میری شہزادی نے ایک خواب دیکھا، مجھے اس خواب کی تعبیر درکار ہے۔ خواجہ رشید نے فرمایا...... ''یہی خواب، کہ ایک چودھویں کا چاند شہزادی کے آغوش میں آ گرا اور وہ اس طرح ہم کلام ہوا کہ اے شہزادی تو میری منکوحہ ہے''۔

شاہِ یمن حیرت میں پڑ گیا، خواب انھیں بتایا نہیں پھر انھیں کیسے معلوم ہوا کہ خواب کیا ہے؟

اس واقعہ سے خود بادشاہ یمن کو اعتماد ہو گیا کہ اس خواب کا تعلق ضرور کسی مقدس و برتر انسان سے ہے۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟ ابھی شاہ یمن کے ذہن کی رسائی وہاں تک نہ ہو پائی تھی جہاں سے خواجہ رشید الدین فرما رہے تھے۔ شاہِ یمن نے کہا......''اے انسان برتر، صاف صاف فرمائیے''۔ ارشاد فرمایا کہ......''چودھویں کا وہ چاند کوئی اور نہیں بلکہ میں خود ہی ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو اپنی شہزادی کو بلا لیجئے، دیکھ کر بتا دیں گی وہ چاند کون ہے؟''۔ شاہِ یمن حرم سرا میں پہنچے، پردہ کرایا اور شہزادی سے کہا میں اس فرشتہ صفت انسان کو بلاتا ہوں تم دیکھو اور بتاؤ کیا وہ چاند یہی ہے۔ جیسے ہی کمرۂ خاص میں آپ پہنچے، شہزادی نے پردہ کی اوٹ سے رخ زیبا دیکھا اور اپنی سہیلیوں سے کہا......قسم خدا کی، وہ چودھویں کا چاند یہی انسان ہے۔ شہزادی کی مرضی پا کر شاہ یمن نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا اور خواجہ رشید الدین سے اپنی شہزادی کا نکاح کر دیا۔ شاہِ یمن کی یہ اکلوتی شہزادی تھی اور نازوں کی پروردہ تھی۔ شاہی عنایات و نوازشات کے سایہ میں پل کر جواں ہوئی تھی۔ اس شہزادی کے مبارک بطن سے ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا اور نام اس کا سید حسام الدین رکھا گیا۔

**﴿۸﴾ سید حسام الدین یمنی** - خواجہ سید حسام الدین، خواجہ رشید الدین کا بڑا شہزادہ تھا۔ نیک سیرت تھا۔ خوبصورت اور نوری چہرہ رکھتا تھا۔ شاہِ یمن کی تمام تر توجہ ان کی تعلیم و تربیت پر مرتکز تھی اور ناز و نعمت سے ان کی پرورش و برداخت ہونے لگی۔ جب سید حسام الدین سن شعور کو پہنچے تو انھیں شاہِ یمن نے اپنا ولی عہد قرار دیا اور شاہِ یمن کے بعد سید حسام الدین ہی یمن کی حکومت پر گامزن ہوئے اور کامیابی کے ساتھ حکومت کے فرائض انجام دیتے رہے اس طرح سے اس خاندان کے مندرجہ ذیل حضرات یمن کے بادشاہ ہوئے......

**﴿۹﴾ خواجہ سید معروف یمنی**

**﴿۱۰﴾ خواجہ سید احسن یمنی**

## ﴿۱۱﴾ خواجہ سید اسحاق یمنی

## ﴿۱۲﴾ خواجہ سید زکریا یمنی

## ﴿۱۳﴾ خواجہ سید محمد سمعان یمنی[1]

یہ تمام حضرات یکے بعد دیگرے یمن کے شاہ ہوئے اور نہایت ہی دیانت داری سے حکومت کرتے رہے اوران سب کی حکومتیں بھی کامیاب رہیں۔مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ان مقدس افراد کا ذکر نہیں۔تاریخ طبری، تاریخ خلدون بھی ان کے ذکر سے خالی ہے۔تاریخ سے صرف اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ ۲۰۳ھ میں محمد بن زیاد جو زیاد بن ابوسفیان کے خاندان سے تھا۔یمن کا حاکم مقرر ہوا۔اس کے خاندان میں ۴۰۲ھ تک حکومت رہی محمد بن زیاد نے زبید نامی شہر آباد کر کے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا۔یمن کے متصلہ صوبہ تہامہ کو بھی اس نے بزور شمشیر فتح کیا۔حضرموت تک کا علاقہ بھی اپنے زیر نگیں کرلیا۔اس خاندان میں بھی بہت بااقبال وصاحب جبروت بادشاہ ہوئے۔ ۲۸۸ھ میں ان کی سلطنت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر علویوں نے زیادیہ حکومت قائم کی۔اس کے بعد بتدریج اس سلطنت کے حدود مختصر ہوتے گئے۔زیادیہ سلطنت اگرچہ خود مختار تھی، مگر خلفائے عباسیہ کے نام کا خطبہ اس میں پڑھا جاتا تھا۔زیاد کے علاوہ جب یمن کے ایک حصہ میں زید کی حکومت قائم ہوئی، تو اس نے اپنی حدود حکومت میں اس خطبہ کو بھی اڑا دیا۔(تاریخ اسلام حصہ سوم صفحہ ۱۴) ممکن ہے زیدیہ حکومت ہی سے ان مقدس افراد کا تعلق رہا ہو۔

**﴿۱۴﴾ خواجہ سید محمد ابراھیم یمنی** - خواجہ سید سلطان محمد ابراہیم یمنی اس خاندان کا آخری فرماں روا تھا۔نیک سیرت، بہادر، دلیر اور حالات سے نبرد آزما ہونے کا ہنر جانتا تھا۔ان کے دور حکومت میں خود یمن کے لوگوں نے شورش برپا کی۔بغاوتیں کیں،

---

[1] سلسلہ وار ۹ رسے ۱۳ ر تک سلاطین یمن کے حالات ابھی تک مجھے دستیاب نہیں ہوئے، کوشش جاری ہے، دعا فرمائیں ان اکابر کے حالات فراہم ہوجائیں تاکہ شجرہ نسب کی مکمل طور پر توضیح کی جاسکے۔

ان بغاوتوں کو کچلنے کا انھیں حوصلہ بھی تھا اور طاقت وتوانائی بھی، لیکن ان کا دل فقیروں، درویشوں کا تھا۔خون خرابہ کو پسند نہ کرتا تھا۔اس لئے سلطنت ترک کردی اور زمام حکومت خود یمنی باشندوں کے حوالہ کردیا۔اگر چاہتے تو شاہی خزانوں سے سارے خزانے ساتھ لا سکتے تھے، مگر انھوں نے ایسا نہ کر کے اس بات کی نشاندہی کردی کہ ہم وہ اہل بیت ہیں جو خزانوں پر نہیں مرتے، دولت وثروت کی لالچ نہیں کرتے۔ ہمارے لئے تو بس تسبیح چاہیے اور قرآن مقدس، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔سلطان ہو کر فقیری اختیار کرلینا بہت بڑی سعادت ہے اور جو فقیر ہو کر شاہی پسند کرلے، یہ ناکامی حسرت ویاس اور شومئی قسمت کی علامت ہے۔ ایسا کرنے والا دنیا کی نظروں میں لائق نفریں ہوا کرتا ہے۔۴۱۲ھ میں حضرت خواجہ سلطان ابراہیم یمنی ملک یمن سے بخارا کی طرف روانہ ہوئے۔شاہی خزانوں میں سے صرف ایک قرآن مقدس لیا جو علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست پاک کا لکھا ہوا تھا اور پتھر کا وہ ٹکڑا لیا جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تھی۔ان دونوں متبرک چیزوں کو اپنے ساتھ رکھتے، سفر میں بھی اور حضر میں بھی، کہ ان کے دل کا رشتہ ان دونوں سے وابستہ تھا اور اعتقاد تھا کہ بزرگوں کے تبرکات ہر مشکل گھڑی میں کام آتے ہیں ان تبرکات کے ذریعہ بہت سے فیوض وبرکات حاصل ہوا کرتے ہیں۔ یہ وہ خوش آئند اقدام تھا جس پر مستقبل کی تابناکی اور کامیابی کا دارومدار ہے اور سماج ومعاشرہ کی اصلاح، انفرادیت کی نشو ونما اور اجتماعیت کی تکمیل بھی اسی سے ہوا کرتی ہے۔اب ذرا دیکھئے اس فقیرانہ زندگی کے خاموش سمندر میں کیا کیا انقلاب برپا ہوتا ہے اور کس قسم کے تغیرات کروٹ لیتے ہیں۔

**سید ابراھیم بخارا میں** - ملک یمن سے روانہ ہو کر سرزمین بخارا میں نزول اجلال فرمانے والا صرف سید ابراہیم یمنی ہی نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ اہل خانہ بھی تھے، آپ کی زوجۂ محترمہ اور دو صاحبزادے خواجہ سید محمود اور خواجہ سید اعزالدین بھی تھے۔ یہ نور ونکہت کا کارواں تھا جس کے نزول سے بخارا کی سرزمین کو عزت ووقار ملنا تھا۔آپ بخارا تشریف

لائے، شاہ بخارا نے آپ کی زبردست عزت کی اور اپنی فیاضی، کرم گستری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ علاقے بھی بطور جاگیر عطا کئے۔ محض اس مقصد سے کہ کہیں یمن کی سلطنت کا ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ان کے دل پر نہ رہے اور حزن وملال کا کوئی اثر جبین سعادت پر نہ دکھائی دے۔ کاروان سادات کا یہ احترام نہ صرف باعث سعادت و فیروز بختی ہے بلکہ اُخروی فلاح و بہبودی کی ضمانت بھی ہے۔ اس فراخدلی کے سبب ہر جگہ شاہ بخارا کا چرچا ہونے لگا اور اہل علم و ہنر دوسرے علاقوں سے منتقل ہو کر بخارا چلے آئے۔ رفتہ رفتہ بخارا علم و فن کا مرکز بن گیا اور اسے ارباب فکر و دانش کا مسکن بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔ اس دور کا بخارا کس قدر نادر و نایاب تھا تاریخ اس پر شاہد عدل ہے۔ فقہ و حدیث، تاریخ و تفسیر اور فنون ادب بخارا میں پروان چڑھنے لگے۔ امام بخاری بھی اسی خطۂ بابرکت سے تعلق رکھتے تھے اور یہیں نثر نگار، نظم نویس شعرا بھی رہا کرتے تھے اور اپنے اپنے انداز میں علوم وفنون کی خدمت کرتے رہتے۔ شاہ بخارا سید ابراہیم یمنی کی دلجوئی کرتے رہتے اور جب کبھی موقعہ ملتا، نوازتے بھی رہتے تھے۔ مترجم انوار الٰہی، ص: ۲۹ میں ہے......

> ۲۱۴ھ میں سید ابراہیم صاحب یمن سے بخارا آئے تھے آپ کے آنے پر شاہ بخارا نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی تھی کچھ تھوڑا سا ملک بطور جاگیر کے ان کے نام معاف بھی کر دیا تھا یہ اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اطمینان سے بسر اوقات کرنے لگے پھر تو دور دور سے اہل علم بخارا آ آ کر بسنے لگے حتی کہ یہ شہر اہل علم و ہنر کی مخزن بن گیا۔ جا بجا شاہ بخارا کی فیاضی کا چرچا ہونے لگا۔
>
> (انوار الٰہی مترجم، ص: ۲۹)

شاہِ بخارا آپ پر اس قدر مہربان تھا کہ سفر و حضر میں بھی آپ کو ساتھ رکھا کرتے تھے مبادا کہیں دل میں سلطنت کے جانے کا خیال نہ آئے اور دل نازک کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے۔

آپ کے دونوں شہزادوں کی شادیاں بھی یہیں بخارا میں ہوئیں۔شہزادۂ عالی وقار سید محمود کی شادی، سید سلیمان بخاری کی دختر نیک اختر مسماۃ جمیلہ کے ساتھ ہوئی اور خواجہ سید اعز الدین کی شادی، خواجہ جمال الدین بخاری کی شہزادی بی طیبہ کے ساتھ ہوئی۔ اس طرح بخارئ میں سید ابراہیم یمنی اوران کے اہل وعیال کی زندگی میں خوشحالی آگئی اور عزت و وقار کے ساتھ اپنی زندگی کے ایام گزارنے لگے۔ یہاں اس خاندان کو مسرت، خوشی، فلاح و بہبودی نصیب ہوئی۔ گذشتہ تمام رنج وغم سے چھٹکارا ملا۔انھیں کے قدوم میمونت کی برکتیں تمام اقوام عالم کو بقاو وجود عطا کرتی ہیں کہ اگر جہاں میں نیک لوگوں کا وجود نہ ہوتو اہل گناہ کو ہلاکت و بربادی سے کون بچاسکتا ہے؟

**سلطان محمود غزنوی اور خواجہ سید ابراہیم** - سلطان محمود غزنوی عجیب دل گردے اور قوت ارادی کا مالک تھا، بلند حوصلہ اور پختہ ارادہ رکھتا تھا امور سلطنت میں کافی مہارت اور تجربہ رکھتا تھا۔ظلم وتشدد، جبر وسرکشی سے نبرد آزما ہونے کا ہنر جانتا تھا۔ان کی فتوحات کا ایک لمبا سلسلہ ہے جسے پڑھ کر سکندر اعظم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔وہ سچائی، صداقت اور حسن ووفا شعاری کا داعی تھا۔انھوں نے بہت سے علاقے بھی فتح کئے اور اپنی حدودِ سلطنت کو وسیع تر کرتے چلے گئے مگر یہ بات بھی سچ ہے کہ بلا وجہ کسی کے علاقہ پر انھوں نے چڑھائی نہ کی۔ان کی زندگی جنگ وجدال اور معرکہ آرائیوں سے بھری پڑی ہے۔علی تگیں[1] نے جب ظلم واستبداد کا بازار گرم کیا اور لوگوں کو ستانا شروع کیا تو ظاہر ہے ایسے ظالم وجابر انساں کو کیفر کردار تک پہنچانا ضروری تھا ورنہ سماج ومعاشرہ کے لئے وہ ایسا ناسور ثابت ہوتا کہ انسانی زندگی کا دائرہ تنگ ہو جاتا اور لوگوں کی زندگی تاریک

---

ا- علی تگیں- نہایت ہی ظالم وجابر تھا، جس کے ظلم وستم سے پورا سماج ومعاشرہ پریشان تھا۔محمود غزنوی نے اسے گرفتار کرنے کے لئے حضرت خواجہ سلطان ابراہیم یمنی علیہ الرحمہ کی خدمات لیں۔انھوں نے علی تگیں کو گرفتار کیا اور محمود غزنوی کے حسب حکم ملتان کے قلعہ میں لاکر قید کر دیا۔

تر ہو جاتی۔ اسی لئے سلطان محمود غزنوی[1] کو بلخ کی طرف رخ کرنا پڑا۔ تاریخ فرشتہ کا مؤلف لکھتا ہے......

محمود نے فوج کو مرتب کیا اور بلخ کی طرف روانہ ہوا۔ ماوراالنہر کے باشندے علی تگین کے ظلم و استبداد سے تنگ آ کر فریاد و فغاں کر رہے تھے۔ اس لئے جونہی سلطان محمود کی فوج دریائے جیحوں کے پار اتری، ماورالنہر کے تمام نامی گرامی امراء اور رؤسا سلطان محمود کے استقبال کے لئے آئے اور ہر شخص نے اپنی حیثیت کے مطابق بارگاہ سلطان میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ یوسف قدر[2] خاں بھی جو سارے ترکستان کا فرماں روا تھا محمود کے استقبال کے لئے آیا۔ بڑے خلوص اور محبت سے ملا، محمود بھی اس سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا اور اس کی خاطر تواضع اور مہمانداری میں کئی روز تک جشن مسرت منایا۔ الغرض یہ دونوں حکمراں ایک دوسرے سے ملاقات کر کے اور تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد رخصت ہوئے۔

(تاریخ فرشتہ، ص:۱۲۹، جلد اول)

'تاریخ فرشتہ' ایک معتبر اور مستند کتاب ہے، اس پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی ہے، مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ ہر پہلو سے کامل و اکمل ہو، کسی نہ کسی نقطہ پر ضعف کا آ جانا ایک فطری امر

---

۱۔ محمود غزنوی- ۹ر محرم ۳۶۱ھ میں پیدا ہوا اور ۴۲۱ھ میں وفات پائی، وہ براعظم ایشیا کا سب سے زیادہ طاقت ور اور نامور بادشاہ تھا، اسی کے زمانہ میں فارسی زبان و ادب کو عروج حاصل ہوا، وہ نہایت ہی سچا پکا مسلمان، بے تعصب اور علم دوست انسان تھا۔ امیر الامرائی اور یمین الدولہ اسی کا خطاب تھا۔ فردوسی نے شاہنامہ اسلام بھی اسی کے دور میں لکھا۔ ۳۸۹ھ میں اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا، ۶۰ر سال کی عمر پائی۔ (ماخوذ از- تاریخ اسلام، جلد سوم، ص:۳۴۲)

۲۔ یوسف قدر- اپنے دور کا بہترین حکمراں تھا۔ ترکستان کا پورا علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔ انھیں کی قیادت میں شاہ بخارا اور حضرت سلطان ابراہیم یمنی محمود غزنوی سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ سلطان محمود اور یوسف قدر دونوں بے تکلف دوست تھے اور ایک دوسرے کے ملاقات سے بہت زیادہ خوش ہوتے تھے۔

ہے۔ ان تاریخی حقائق سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ماورالنہر کے نامی گرامی امرا رؤسا نے صرف تحفے تحائف دے کر اپنی ذمہ داریاں پوری کردیں۔ موقعہ ومحل کا تقاضا یہ تھا کہ محمود غزنوی کی خدمت میں تحفوں سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت تھی کہ ان کے اس مشن میں ساتھ دیتے جس کے لئے محمود غزنوی اپنی فوج کے ساتھ یہاں آیا تھا مگر مذکورہ امیروں، رئیسوں نے ایسا نہ کر کے جرأت وبیبا کی اور شجاعت و دلیری کو داغدار کر دیا، اگر صرف آنسوؤں سے پیاس بجھ جائے تو پھر صاف ستھرے پانیوں کا کیا ہوگا۔ یہاں ضرورت تھی کہ علی تگیں کی گرفتاری پر تعاون کرتے مگر اس ضرورت کا احساس کسی بھی امیر نے نہیں کیا۔ قربان جائیے شاہِ بخارا پر کہ انھوں نے اس ضرورت کا احساس کیا اور ایک جیالے انسان کو محمود کے حوالہ کر دیا۔ مولوی افتخار الدین شورؔ انوار الٰہی میں لکھتے ہیں......

> ۴۱۵ھ میں جبکہ سلطان محمود غزنوی نے علی تگین کی سرکوبی کے لئے بلخ پہ چڑھائی کی ہے اور قریب بلخ ایک میدان میں آکر ٹھہرا ہے اور نواح کے حکمراں آمد کی خبر پا کر تحفہ تحائف لے کر حاضر ہوئے ہیں تو بادشاہ بخارا بھی مع سید ابراہیم صاحب بمعیت یوسف قدر خاں شاہ ترکستان محمود غزنوی سے ملنے آیا تھا۔ محمود غزنوی نے ان سب امرا سے مل کر بڑی مسرت ظاہر کی اور علی تگین روپوش شدہ کے سراغ رسانی کے لئے ان سے رائے لی۔ کوئی ایسا معتمد علیہ سردار تجویز کیا جاوے جس سے علی تگیں کی گرفتاری بآسانی عمل میں آجائے۔ شاہ بخارا نے اس وقت انھیں یعنی سید ابراہیم کو اپنا معتمد علیہ سردار کی صورت میں پیش کیا اور اوصاف حمیدہ بھی بیان کیا۔ محمود غزنوی نے سید ابراہیم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ حیرت میں پڑ گیا اور اس کام کے لئے پسند فرمایا۔
>
> (انوار الٰہی، ص: ۳۰، حصہ اول)

صحیح صورت حال یہ تھی جو 'انوار الٰہی' کی منقولہ عبارت سے واضح ہوئی، 'تاریخ فرشتہ' کی عبارت میں یہ توضیح موجود نہیں۔ بروقت ضرورت کے پیش نظر شاہِ بخارا کا محمود غزنوی کی خدمت میں سید ابراہیم کو پیش کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مناسب تر بھی تھا۔ اس اعتبار سے شاہ بخارا کی قدر و قیمت محمود غزنوی کی نگاہ میں بڑھ جاتی ہے۔ محمود غزنوی نے انھیں چند آزمودہ کار سواروں کی معیت میں علی تگیں کی گرفتاری اور ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ خواجہ سید ابراہیم نے بھی بڑی مستعدی سے اس کام کو انجام دیا اور اسے گرفتار کر کے محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ان کی اس کارگزاری سے محمود غزنوی بہت زیادہ مسرور ہوا اور شاہ بخارا کی طرف قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ شاہ بخارا نے ارادوں کو بھانپ لیا اور بطیّب خاطر سید ابراہیم کو محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس عظیم واقعہ سے جہاں خواجہ سید ابراہیم کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا، وہیں شاہِ بخارا کی بھی عزت افزائی ہوئی۔ دوسرے دن ایک جشن عام ہوا اور علی تگیں کو پا بجولاں برسرِ عام لایا گیا دوسری طرف محمود غزنوی نے خواجہ سید ابراہیم کو سپہ سالاری کے عالی منصب پر فائز کر دیا اور حکم دیا علی تگیں کو ملتان کے قلعہ میں محصور رکھا جائے۔ خواجہ سید ابراہیم پانچ سو سواروں کی معیت میں بلخ سے علی تگیں کو لے کر روانہ ہوا اور ملتان کے قلعہ میں لا کر انھیں قید کر دیا اور خود بھی ملتان میں مقیم رہے۔

## حضرت خواجہ سید ابراهیم یمنی کے اهم کارنامے -

حضرت خواجہ سید ابراہیم یمنی جو بڑے سرکار اور چھوٹے سرکار رحمتہ اللہ علیہما کے جد مکرم تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے نمایاں خدمات انجام دیئے جن کی وجہ سے ان کی شان منفرد نظر آتی ہے اور آپ امثال واقران میں سب سے زیادہ بلند دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے اہم کارنامے درج ذیل ہیں......

(الف) انھیں دنیاوی دولت وثروت سے کوئی لگاؤ نہ تھا کہ آپ خاندان سادات سے

تھے، ترک دنیا میں جو لذت پائی جاتی ہے، وہ دنیوی معاملات میں کہاں؟ ترکِ دنیا کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دنیا چھوڑ دی جائے اور صحراؤں میں زندگی بسر کی جائے، یہ رہبانیت ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے دامن تقدس کو ملوث نہ ہونے دینا صحیح معنیٰ میں ترک دنیا ہے یہ خوبی آپ کی ذات بابرکت میں پائی جاتی تھی، اسی لئے آپ نے ترک سلطنت کر دیا اور شاہی خزانہ سے اپنے ساتھ صرف وہ دو چیزیں لے لیں جن سے آپ کا قلبی رشتہ وابستہ تھا، قرآن مقدس اور سنگ اہری۔

(ب) ۴۱۵ھ سے ۴۱۸ھ تک آپ محمود غزنوی کے ساتھ جنگی مہمات میں شریک رہے اور جوہری صلاحیتوں کا خوب خوب مظاہرہ کیا۔ اسی لئے محمود غزنوی کو آپ سے انسیت اور محبت پیدا ہوگئی تھی کہ جب انھیں ضرورت محسوس ہوتی، آپ کو ساتھ لیکر میدان جنگ میں اتر جاتے، آخر وہ کون سی کشش تھی کہ محمود غزنوی آپ سے مانوس تھا۔ اگر آپکی ذات میں حرص و آز ہوتی تو محمودی سپاہ میں جو آپکی قدر و منزلت تھی، نہ ہوتی۔

(ج) ملتان میں آپ کا رُک جانا اور محمود غزنوی کا غزنی چلا جانا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ ملتان کی ذمہ داری آپ پر تھی اور عسکری قوت کی کمان بھی آپ کے مقدس ہاتھوں میں تھی۔ اس طرح سے ملتان کی سرزمین پر بھی آپ کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔

غزنی چلے جانے کے بعد پھر محمود کو ہندوستان آنے کا وقت نہیں ملا کیونکہ وہ سرحدی معاملات کے سبب خراسان میں اس طرح الجھ گیا کہ اس سے فرصت ہی نہ ملی۔ نہ ہندوستان آئے اور نہ ہی ملتان کی طرف رخ کیا۔

**ملتان کی تاریخی اہمیت** - ملتان ایک تاریخی شہر ہے، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی

میدان میں یہ ترقی یافتہ شہر تھا، علی نگین جیسا جابر و سرکش انسان اسی ملتان کے قلعہ میں قید تھا۔ اہل فکر، ارباب تصوف اور انسانِ برتر کی آماجگاہ یہی ملتان تھا۔ حضرت خواجہ زکریا ملتانی اور مولانا خواجہ حسام الدین ملتانی بھی اسی بابرکت شہر سے تعلق رکھتے تھے، اس شہر میں دونوں مشرب کے لوگ موجود تھے۔ اہل علم وادب بھی اور شیخ طریقت بھی۔ کتابوں سے درس کا پیغام بھی ادا ہوتا تھا اور نورانی آنکھوں سے تعلیم روحانی بھی۔ علم وادب کے پیاسے دور دراز علاقوں سے ملتان آتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ اس طرح کامیابی اور فتح ونصرت کے ساتھ صبح وشام گذرتی رہی۔ بالآخر ملتان کی فضا کو سازگار محسوس کرتے ہوئے حضرت خواجہ سید ابراہیم یمنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اہل خاندان کو ملتان بلانے کا فیصلہ کیا اور شاہِ بخارا کو اس فیصلہ کی اطلاع دیدی۔ شاہِ بخارا نے بھی ان کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ سید محمود کو بخارا ہی میں روک لیا اور چھوٹے صاحبزادہ حضرت سید اعزالدین رحمتہ اللہ علیہ ان کی والدہ اور اہلیہ کو ایک قافلہ کے ساتھ روانہ کردیا۔ یہ تینوں حضرات ملتان آئے اور سکونت اختیار کرلی۔ اس وقت ملتان بھی قبۃ الاسلام تھا جہاں علم وعرفاں کا ابر نیساں برستا تھا۔

حضرت شاہ یوسف گردیزی ۴۸۱ھ میں ملتان تشریف لائے تھے۔ ۱۷-۴۱۸ھ میں محمود غزنوی کا پورا تسلط تھا اور ملتان کا چپہ چپہ امن وسکون کی پناہ گاہ تھا۔ اسی لئے حضرت خواجہ سید ابراہیم علیہ الرحمہ بذات خود ملتان میں قیام پذیر ہوئے اور پھر اپنے بچوں کو بھی بلوا کر اسی ملتان میں رکھا۔ امن وسکون، صحت وسلامتی سے اپنے ایام زیست بسر کیے اور تبلیغ اسلام میں کوئی پریشانی لاحق نہ ہوئی۔ مگر ایک بار پھر سرزمین ملتان میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا، قزاقوں، رہزنوں نے لوٹ مار شروع کردی، ملتان میں زندگی بسر کرنا دشوار ہوگیا۔ اس کی اطلاع محمود غزنوی کو دی گئی، مگر وہ معرکہ خراسان میں اس طرح الجھ چکا تھا کہ انھیں ملتان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی نوبت نہ آئی اور ملتان کی حالت دن بدن ابتر ہوتی چلی گئی۔ انوار الٰہی میں ہے......

> محمود غزنوی کی آمد کا سلسلہ مسدود ہو جانے سے راجگان ہند نے مسلمانوں پر دست درازیاں کرنی شروع کیں۔ انھیں حاکموں میں راجہ انند پال والئی ملتان نے بھی پاؤں نکالے، اکثر لوگ ملتان چھوڑ کر چلے گئے۔ بعضوں کو اپنے عیال کی وجہ سے وہیں رہ کر تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں انھیں میں سید ابراہیم صاحب بھی تھے کہ انھیں بھی اپنے متعلقین کی وجہ سے قدم اُٹھانا بار معلوم ہوتا تھا۔ جیسے تیسے ۶ رماہ ملتان میں رہ کر کاٹے اس عرصہ میں متواتر عرائض سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں پہنچتے رہے۔

مگر محمود غزنوی کو فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ ملتان کی طرف رخ کرتے، سلطان محمود غزنوی کا بھانجہ سید سالار مسعود غازی[1] سے ملتان کی حالت زار پوشیدہ نہ تھی۔ آپ اپنی فوج اور دوسرے ساتھیوں کو لے کر ملتان کو روانہ ہوئے۔ خواجہ سید ابراہیم یمنی کو اس کا علم ہوا تو ملتان سے باہر نکل کر راستہ ہی میں مسعود غازی سے ملاقات کی اور ملتان کی صورت حال سے انھیں آگاہ کیا۔

راجہ انند پال اور سالار مسعود غازی کے مابین زبردست معرکہ آرائی ہوئی اور گھمسان کی جنگ ہوئی اور راجہ انند پال نے ملتان چھوڑ دیا۔ ملتان پھر امن سکون کا گہوارہ بن گیا گھر کی طرف سے اطمینان ہونے کے سبب خواجہ سید ابراہیم یمنی نے مسعود غازی کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی اور مسعودی فوج کے ساتھ ملتان سے روانہ ہوئے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابھی کچھ ماہ قبل شہر ملتان جل رہا تھا اور لوگ امن وسکون کی تلاش میں یہاں

---

۱- سید سالار مسعود غازی - نام مسعود اور غازی میاں سے مشہور ہیں۔ ۲۱ر رجب المرجب ۴۰۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ مقام ولادت غزنی ہے، محمود غزنوی کے حقیقی بھانجہ تھے، سلسلۂ نسب حضرت علی رضی تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے جامع کمالات اور اوصاف حمیدہ تھے۔ مادرزاد ولی کامل اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔

سے کوچ کر رہے تھے اور دوسرے علاقوں میں سکونت اختیار کرنے پر مجبور تھے لیکن ملتان کے فتح ہونے کے بعد اگر چہ مخالف طاقتیں ملتان میں نہ تھیں مگر خطرات اور اندیشے ضرور تھے۔ایسے ناگفتہ حالات میں اپنے بال بچوں کو تن تنہا چھوڑ دینا بڑے دل گردے کی بات ہے، چونکہ خواجہ سید ابراھیم علیہ الرحمہ کے دل میں ذوق شہادت پایا جاتا تھا اور دل شوق جہاد میں دھڑکتا تھا، تو پھر جہاد اور شہادت کے علاوہ کہیں اور انھیں سکوں کیونکر میسر ہو۔ مسعودی فوج جہاں جہاں گئی آپ بھی ان کے ہمراہ چلتے رہے۔ دنیا کی ہر لذت سے بے خبر اور کائنات کی بوقلمونی سے نا آشنا، خیال جانِ جاناں میں مست، شوق جہاد کی تڑپ دل میں لئے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ واہ رے عزم وحوصلہ راستہ کی ہر نشیب و فراز کو عبور کیا، صرف منزل کی طرف رواں دواں، یہ کیسی جماعت تھی؟ جو تخیل کی پرواز سے بھی اونچی اُڑان میں مصروف تھی، مذہبی اشاعت اور دینی تبلیغ کا جذبۂ حسیں ہے جو قلب وجگر میں بسا ہوا ہے اور فکر وشعور کو اپنی مہک سے معطر کر رہا ہے۔ اسی ترنگ میں یہ جماعت ملتان کی سرزمین سے اٹھی، مختلف علاقوں سے ہوتی ہوئی دہلی جا پہنچتی ہے اور پھر سنبھل، کنور ہوتی ہوئی بدایوں کی سرزمین پر قدم رکھتی ہے۔

**سرزمین بدایوں اور خواجہ سید ابراھیم یمنی** - بدایوں کے تعلق سے تمام تذکروں میں یہ بات تحریر ہے کہ ۴۲۱ھ میں بدایوں میں راجہ چندر پال کی حکومت تھی۔ راجہ چندر پال اور مسعودی فوج کے درمیاں تصادم ہوا۔ حضرت بانکے میاں سپہ سالار کی حیثیت رکھتے تھے اور حضرت خواجہ سید ابراھیم یمنی بھی امتیازی شان کے مالک تھے۔ اسی معرکۂ حق و باطل میں شہید ہونے والوں میں ایک سنہرا نام حضرت خواجہ سید سلطان ابراھیم یمنی کا بھی ہے۔ آپ کا مزار پاک اس شہر بدایوں میں ہے اور میراں جی علیہ الرحمہ کے حریم میں واقع ہے...... (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ ذرا سوچئے یہ کیسے لوگ تھے جنھوں نے تبلیغ اسلام اور حصولِ شہادت کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا اور پھر شہادت پائی۔

**حضرت خواجہ سید اعز الدین علیہ الرحمۃ -** نام نامی اسم گرامی سید اعز الدین اور والد کا نام سید سلطان ابراہیم یمنی ہے آپ چھوٹے صاحبزادہ ہیں، ولادت پاک ملک یمن میں ہوئی جبکہ والد گرامی تخت سلطنت پر فائز تھے، گوکہ اس وقت کے حالات کچھ زیادہ موزوں نہ تھے، مگران تمام حالات پر آپ کی نظر تھی۔ترک سلطنت کے بعد آپ اپنے والد گرامی کے ہمراہ ملک بخارا آ گئے تھے۔نشو ونما اور تعلیم وتربیت بخارا میں حاصل کی، یہیں شادی بھی ہوگئی۔ ۱۸-۱۷ ۱۴ھ میں آپ اپنی والدہ کے ساتھ ملتان آئے اور نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ ۴۲۱ھ میں والد گرامی شہید ہو گئے، جیسے ہی اس شہادت کی اطلاع پہنچی، آپ کے دل میں بدایوں آنے کا شوق بیدار ہوا۔ بہت دنوں تک آپ ملتان ہی میں رہے اور شب و روز حق کی تعلیم وترویج میں مشغول رہے۔خدمت خلق، سماجی اصلاح اور ملی مفاد کے لئے دل و جاں سے کام کرتے رہے۔ مضطرب دلوں پر دستِ تسلی رکھنا، زخم خوردہ معاشرہ کی پیوندکاری اور عوامی حیات وزیست میں جذبہ اخلاص ومحبت بیدار کرنا آپ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ملتان کی سرزمین آپ کی کوششوں سے زعفران زار بن گئی۔ ہر فرد پیغام حق کا داعی بن گیا اور خلوص ومحبت کا پیکر، آپ کی عمر کا زیادہ تر حصہ ملتان ہی میں گزرا اور ملتان ہی میں چار فرزندوں وایک بیٹی کی ولادت ہوئی......

(۱) حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ

(۲) حضرت خواجہ سید ابو بکر موئے تاب علیہ الرحمہ

(۳) حضرت خواجہ سید عثمان سہروردی علیہ الرحمہ

(۴) حضرت سید خواجہ عمر سہروردی علیہ الرحمہ

(۵) حضرت سیدہ بی بی زینب علیہا الرحمہ

حضرت سید اعز الدین علیہ الرحمہ اور ان کے اہل وعیال ایک سے بڑھ کر ایک تھے، خدا

کے برگزیدہ بندے تھے، اور آسمان ولایت کے تابندہ ستارے، انہیں کی روشنی سے پورا بدایوں منور و مجلّٰی ہو گیا۔

حضرت خواجہ سید اعز الدین علیہ الرحمہ کو شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین، محمد عمر سہروردی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ تقویٰ پرہیز گاری، خوف ورجا اور فنا و بقا کے پاک جذبوں سے مشرف تھے، عبادت وریاضت، ذکر و فکر میں مکمل انہماک رکھتے تھے۔

**حضرت خواجہ سید اعز الدین اور بدایوں -** بدایوں جب ملک الملوک شمس الدین التمش کے زیر نگیں ہوا تو بدایوں کو قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیاء ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسلامی جگت میں اسے فروغ وارتقاء حاصل ہوا اور ہر طرف سے علماء ومشائخ بدایوں آئے، تو ملتان سے حضرت خواجہ سید اعز الدین اور ان کے تمام اہل وعیال بدایوں آئے۔ تقریباً یہ ۶۰۰ھ کا دور تھا۔ اس دور میں بھی اہل علم اور ارباب دل بدایوں میں سکونت پذیر تھے۔ ان کے علاوہ اور دوسرے فضلاء علماء بھی بدایوں آئے اور پھر میکدۂ علم وفن کا ایسا دور چلا کہ اس کی آواز بازگشت آج بھی محسوس ہو رہی ہے۔ بدایوں میں اس وقت ایک سے بڑھ کر ایک اہل کمال تھا اور نوری ہاتھوں سے علمی فیضان جاری وساری تھا۔ ایک سمندر تھا جو موجزن ہوا اور پیاسے جھوم جھوم کر آنے لگے اور علمی شخصیتیں بے شمار تعداد میں ڈھلنے لگیں۔ آپ جامع مسجد شمسی کے قریب ہی خیمہ زن ہوئے اور پنج وقتہ نماز اسی جامع مسجد میں ادا کرتے تھے۔ اس وقت جامع مسجد شمسی زیر تعمیر تھی وہ آپ کی ذات گرامی تھی جس سے بدایوں فیضیاب ہو رہا تھا اور ابر نیساں کی مانند پورے بدایوں پر برس رہی تھی اس چشمہ نور ونکہت کے حضور اپنے بھی آتے اور اغیار بھی، شناسا چہرے بھی ہوتے اور نا آشنا رخِ تاباں بھی، عطا کرنے میں آپ نے کبھی بھی فرق و امتیاز نہیں برتا، سب کو یکساں دیا اور وہ دیا جس کا وہ متمنی تھا۔

بالآخر قانون قدرت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ۱۸ / رجب المرجب ۶۰۵ھ

میں آپ کا وصال ہوا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صرف ایک سال بدایوں میں رہے۔ تاریخ بتاتی ہے آپ نے لمبی عمر پائی ہے۔بعض کا اندازہ ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال کا ہے اور بعض کا قول ہے اس سے کہیں زیادہ ہے۔دوسو سال یا اس سے زیادہ۔انوار الٰہی اور دوسرے تذکروں میں ہے ۴۱۲ھ میں حضرت خواجہ سلطان سید ابراہیم یمنی نے جب ترک سلطنت کیا، اور بخارا کو روانہ ہوئے تو حضرت سید خواجہ اعز الدین موجود تھے اور والدگرامی کے ہمراہ بخارا آئے تھے اور آپ کا وصال ۶۰۵ھ میں ہوا۔اس طرح تقریباً آپ کی عمر شریف ۲۰۱رسال ہوئی۔حالانکہ اس دور میں عام طور سے اتنی لمبی عمر نہیں ہوتی تھی، یہی لمبی عمر اگر تسلیم کرلی جائے تو اس میں کوئی استحالہ بھی نہیں ممکن ہے کوئی ذہن یہ باور کرے کہ اتنی لمبی عمر نہیں ہوسکتی ہے، تو اس سے یہ الزام آئے گا کہ تاریخی حقائق جو اوپر مذکور ہوئے، غلط ہیں اور کذب پر مبنی ہیں۔کسی تاریخی بیان میں رطب و یابس کا ہونا اور چیز ہے مگر اسے بالکل غلط اور جھوٹا کہنا ایک الگ معاملہ ہے اور صرف اس بنیاد پر کہ اتنی لمبی عمر نہیں ہوسکتی ہے کسی تاریخی بیان کو غلط قرار دینا بالکل غیر مناسب ہے۔خدا کے فضل وکرم اور بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل یہ باب چہارم ختم ہوا اور آئندہ ابواب کی شروعات کے لئے ہم اپنے پیرومرشد سرکار حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے توسط سے شہنشاہِ ولایت سلطان العارفین حضرت سید خواجہ حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ سے فوز و کامرانی، شیریں بیانی اور حسین پیرایۂ اظہار کی التجا کررہے ہیں کہ ان کے باب کرم پر ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

☆☆☆

باب پنجم ان روشن جبینوں کے ذکر پر مشتمل ہے جن کی وجہ سے بدایوں کی خاک اہل وفا کے لئے سرمہ ثابت ہوئی اور نازک خیال شاعروں نے بدایوں کو باکمالوں کا وطن قرار دیا......

☆

تیری گردِ راہ کے ذرے بھی مہر و ماہ ہیں تجھ میں آسودہ ہزاروں اولیاء اللہ ہیں
(ضیاء القادری)

اے بدایوں اے ہزاروں باکمالوں کے وطن اے دیار اولیا اللہ والوں کے وطن
(سبطین بدایونی)

بدایوں شام وسحر اللہ کی پُر نور بستی ہے یہاں شام وسحر اللہ کی رحمت برستی ہے
(شاداں بدایونی)

☆☆☆

# باب پنجم

# حالات سلطان العارفین حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی رحمتہ اللہ علیہ

انسانی فطرت کا تقاضا ہے جب کوئی ذی شعور انسان کسی کے خیال میں مست ہوتا ہے اور ذہنی طور پر یکسوئی اختیار کر لیتا ہے تو یقین جانئے اس فکر و خیال میں وہ تنہا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ خاموش فضا ہوتی ہے، ہواؤں کی سرسراہٹ اور آبشاروں کا ترنم ہوتا ہے جو محبوب کی یادوں میں رس گھولتا رہتا ہے، شگفتگی تر و تازگی میں اضافہ کرتا رہتا ہے پھر ایسا سماں بندھ جاتا ہے کہ اسے ہر چہار جانب صورتِ جاناں نظر آتی ہے اور قوس و قزح کی رنگینیاں دکھائی پڑتی ہیں۔ یہ تو عام دلبروں کی بات ہے جس کے فکر و خیال میں ایسی سرمستی چھا جاتی ہے اور اگر کوئی کسی پاکباز، نیک سیرت محبوب کے فکر و خیال میں منہمک ہوتا ہے تو اس وقت اس پر ایسی شدید کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ایسی مدہوشی کا عالم چھا جاتا ہے کہ قلب و روح کا گریباں بھی چاک ہو جاتا ہے اس کے باوجود مدہوشی کی کیفیت سے نکلنا

دشوار ہوجاتا ہے۔ یہی کچھ حال اس باب پنجم کا ہے کہ اس باب پنجم سے قبل دوسرے ابواب میں جو مضامین پیش کئے گئے مثلاً بدایوں کا تاریخی پس منظر، بدایوں کا علمی ماحول، مختلف تذکروں کا جائزہ اور کاروان نور ونکہت کا ارتقائی سفر۔ یہ وہ مضامین ہیں جن کے سبب ذہنی فضا تیار ہوئی۔ ایک خوبصورت سماں بندھا اور ہر ایک مضمون نے ذہن میں استحسانی قوتوں کو بیدار کیا اور یاد محبوب کے خوبصورت جذبات سے سرشار کیا۔ ہمارے قارئین اس باب سے گزرتے ہوئے یہ محسوس کریں گے کہ اب جلوۂ محبوب رونما ہونے والا ہے۔ اسکی ذات و شخصیت کی نکہتیں بکھرنے والی ہیں جنکے لئے یہ محفل سنواری گئی ہے اور بزم خیال سجائی گئی ہے لہٰذا اب انتظار نہیں، صرف اپنے خیال میں ایک ایسی ذات کا تصور کیجئے، جس نے اہل بدایوں اور مضافات بدایوں کے باشندوں بلکہ دور دراز علاقوں میں بسنے والوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ اس ذات گرامی سے میری مراد شہنشاہِ ولایت فنافی القرآن حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی روشن ضمیر علیہ الرحمہ سے ہے۔ آنیوالے صفحات میں انھیں کے حالات وکوائف بیان کئے جارہے ہیں۔

**نام والقاب۔** نام سید حسن بخاری، نسبتی نام، شیخ شاہی، القاب سلطان العارفین، روشن ضمیر، رسن تاب، عرف سلطان جی، بڑے سرکار رحمتہ اللہ علیہ ۵٦٨ھ میں آپ سرزمین ملتان میں جلوہ گر ہوئے اور اپنے جلوۂ رنگیں سے ملتان کے تمام علاقوں کو روشن وتابناک کر دیا۔ مگر اس خورشید ولایت کا مسکن بدایوں قرار پایا اور اس کی مقدس شعاعوں سے پورا بدایوں جگمگا اُٹھا۔ آپ حسینی سادات سے ہیں۔ اس خاندان سے جو بچہ تعلق رکھتا ہے وہ سراپا نور ہوتا ہے اور نکہتوں سے لبریز ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سادات میں سے جب کوئی سید صحراؤں میں جلوہ گر ہوتا ہے تو اس کے پروانے وہیں جمع ہو جاتے ہیں اور پھر فیوض و برکات کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ استفادہ کرنے والوں کا دامن تنگ ہو جاتا ہے، لیکن اس کی فیاضی میں ذرا بھی کمی نہیں آتی اور کیوں نہ ہو کہ ان کے جد مکرم رحمت عالم وعالمیاں کے جو

دشوار ہو جاتا ہے۔یہی کچھ حال اس باب پنجم کا ہے کہ اس باب پنجم سے قبل دوسرے ابواب میں جو مضامین پیش کئے گئے مثلاً بدایوں کا تاریخی پس منظر، بدایوں کا علمی ماحول، مختلف تذکروں کا جائزہ اور کاروان نور ونکہت کا ارتقائی سفر- یہ وہ مضامین ہیں جن کے سبب ذہنی فضا تیار ہوئی۔ایک خوبصورت سماں بندھا اور ہر ایک مضمون نے ذہن میں استحسانی قوتوں کو بیدار کیا اور یاد محبوب کے خوبصورت جذبات سے سرشار کیا۔ ہمارے قارئین اس باب سے گزرتے ہوئے یہ محسوس کریں گے کہ اب جلوۂ محبوب رونما ہونے والا ہے۔اسکی ذات و شخصیت کی نکہتیں بکھرنے والی ہیں جنکے لئے یہ محفل سنواری گئی ہے اور بزم خیال سجائی گئی ہے لہٰذا اب انتظار نہیں، صرف اپنے خیال میں ایک ایسی ذات کا تصور کیجئے، جس نے اہل بدایوں اور مضافات بدایوں کے باشندوں بلکہ دور دراز علاقوں میں بسنے والوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔اس ذات گرامی سے میری مراد شہنشاہِ ولایت فنا فی القرآن حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی روشن ضمیر علیہ الرحمہ سے ہے۔آنیوالے صفحات میں انھیں کے حالات وکوائف بیان کئے جا رہے ہیں۔

**نام و القاب-** نام سید حسن بخاری، نسبتی نام، شیخ شاہی، القاب سلطان العارفین، روشن ضمیر، رسن تاب، عرف سلطان جی، بڑے سرکار رحمۃ اللہ علیہ ۵۶۸ھ میں آپ سرزمین ملتان میں جلوہ گر ہوئے اور اپنے جلوۂ رنگیں سے ملتان کے تمام علاقوں کو روشن وتابناک کر دیا۔مگر اس خورشید ولایت کا مسکن بدایوں قرار پایا اور اس کی مقدس شعاعوں سے پورا بدایوں جگمگا اُٹھا۔آپ حسینی سادات سے ہیں۔اس خاندان سے جو بچہ تعلق رکھتا ہے وہ سراپا نور ہوتا ہے اور نکہتوں سے لبریز ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سادات میں سے جب کوئی سید صحراؤں میں جلوہ گر ہوتا ہے تو اس کے پروانے وہیں جمع ہو جاتے ہیں اور پھر فیوض و برکات کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ استفادہ کرنے والوں کا دامن تنگ ہو جاتا ہے، لیکن اس کی فیاضی میں ذرا بھی کمی نہیں آتی اور کیوں نہ ہو کہ ان کے جد مکرم رحمت عالم وعالمیاں کے جو

دونوال کا یہ عالم تھا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں......

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا　　　نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

**تشریح القاب -** اس عنوان کے تحت ہم ان القاب کی وضاحت کریں گے جو اہل تصوف وسلوک اور ارباب فکر ودانش نے آپ کے لئے استعمال کئے ہیں۔ لقب کوئی بھی ہو کسی کا بھی ہو اس کے پسِ پردہ کوئی نہ کوئی جذبہ متحرک ہوتا ہے، اس جذبۂ متحرک کا مطالعہ کئے بغیر القاب کی توضیح ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی تناظر میں القاب کی لغوی، اصطلاحی وضاحت پیش کی جائیگی اور یہ بتایا جائے گا کہ کن وجوہات کی بنیاد پر آپ مذکورہ القاب سے ملقب ہوئے۔

**شیخ شاھی -** یہ نسبتی نام بھی ہے اور لقب بھی، نسبتی نام اس لئے ہے کہ آپ کے اجداد میں سے خاص طور سے حضرت خواجہ سید رشید الدین ابن حضرت سید موسیٰ الکاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا یمن کے محلّہ شاہی کردی میں قیام پذیر تھے، جس طرح یمن کی طرف نسبت کرتے ہوئے یمنی کہا جاتا ہے، اسی طرح شاہی کردی کی طرف نسبت کرتے ہوئے شیخ شاہی کہا گیا اور یہ لقب اس لئے ہے کہ اس میں لفظ شیخ آیا ہے اور لفظ شیخ کا استعمال ممدوح کے لئے، اس کی بزرگی، عظیم شخصیت، تقویٰ وطہارت، عزت نفس، لطافت عمل اور پاکیزہ کردار کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ شیخ شاہی کی دونوں توضیح وتاویل لائق تسلیم ہیں۔

**سلطان العارفین -** اردو میں سلطان العارفین سے عارفوں کا بادشاہ مراد ہے، سلوک کے مقامات میں سے ایک مقام عارف ہے، اس مقام پر جو فائز ہوتا ہے وہ سات اصولوں پر کاربند ہوا کرتا ہے......

(۱)　جسم ظاہر سے اللہ کی عبادت وریاضت کرنا۔

(۲)　تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔

(۳)　ہر وقت بادشاہ حقیقی کے حضور بیٹھنا۔

(۴) اسرار الٰہی اور رموز خداوندی کو چھپانا۔

(۵) صبر کے ساتھ ہر معاملہ میں ثابت قدم رہنا۔

(۶) ظاہر و باطن میں خدا کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔

(۷) ہر وقت اس کے ذکر و فکر میں مشغول رہنا۔

جب عارف ان تمام اصولوں پر پُر خلوص صدق نیت سے عامل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی عنایتوں اور نوازشوں کی بارش برساتا ہے اور مشاہدہ کے شرف سے مشرف فرماتا ہے اور اس کے لئے بصیرت کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ جو تعداد میں تین ہوتی ہیں، ایک آنکھ سے معرفت کا ادراک، دوسری آنکھ سے انوارِ حقائق کا ادراک اور تیسری آنکھ سے ملکوت کا ادراک کرتا ہے۔ عارف محسوسات، معنویات اور ملکوتیات پر یکساں نظر رکھتا ہے۔ عارف وسعتِ نظر رکھتا ہے لوح محفوظ کے تمام علوم و آثار اس کے قلب پر روشن ہوتے ہیں، آسمان کی وسعتوں سے تحت الثریٰ تک جس قدر اشیاء ہیں سمندر، سبز پتے، جمادات اور دوسری چیزیں وغیرہ وغیرہ ان میں کیا آثار حکمت ہیں اور کیا علوم معرفت ہیں بغیر کسی واسطے کے عارف اس کا ادراک کر لیتا ہے۔ تمام ابدال عارف کے زیر نگیں ہوتے ہیں۔ غرض کہ عارف کا مقام بہت زیادہ بلند ہوا کرتا ہے۔ اس کے مرتبہ کے تعین میں عقل حیراں ہو جاتی ہے۔ (ماخوذ از - طبقات امام شعرانی) یہ عارف کا مقام و مرتبہ ہے جو بیان کر دیا گیا اور ایسے بہت سے عارفوں کا بادشاہ سرزمین بدایوں میں اگر کوئی ہے؟ تو وہ حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یعنی آپ بادشاہ ہیں، سلطان ہیں اور عارفین آپ کے ماتحت ہیں جب عارف کا مقام و مرتبہ حیرت کن ہے، تو پھر سلطان کے مرتبہ کا کون تعین کر سکتا ہے؟ بس اس قدر سمجھ لیا جائے کہ بادشاہ کوئی عام آدمی نہیں ہوتا بلکہ وہ ہوا کرتا ہے جو سب پر فائق اور ہر اعتبار سے فضیلت رکھتا ہے۔ ظاہری اعتبار سے بھی اور معنوی اعتبار سے بھی، علم کے لحاظ سے بھی اور کمال کی وجہ سے بھی، حضرت بڑے سرکار رحمتہ اللہ علیہ عارفوں

کے سلطان ہیں۔یعنی آپ کوئی عام عارف نہیں بلکہ وہ عارف ہیں جو تمام عارفوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔فضیلت اور برتریت رکھتے ہیں۔اہل علم، ارباب کمال آپکو سلطان العارفین اور عام لوگ سلطان جی/ بڑے سرکار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

**زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو-** مجھے کسی تذکرہ میں یہ نہیں ملا کہ سب سے پہلے آپ کو سلطان العارفین کس نے کہا اور کس بنیاد پر کہا، البتہ مولوی ضیاء علی خاں مرحوم نے تذکرۃ العارفین میں یہ تحریر کیا کہ سلطان العارفین کا لقب آپ کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے عطا ہوا تھا اور حضرت قطب الدین بختیار کا کی آپ کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے، مگر مصنف تذکرۃ العارفین نے اس قول کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ میری نظر میں آپ کے سلطان العارفین ہونے کی سب سے بڑی اور قوی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے یا پھر اس کے کسی وصف پر خوش ہوتا ہے تو اپنے فرشتوں کے توسط سے عوام الناس کے دلوں میں یہ القا فرماتا ہے۔میں فلاں بندہ کے فلاں وصف سے خوش ہوں، میرے فرشتے بھی خوش ہیں، لہٰذا تم لوگ بھی اس وصف کا اظہار کر کے اپنی رضا وخوشنودی کا اعلان کرو۔اس لئے زمیں والے حضرت بڑے سرکار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلطان العارفین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔اہل علم وادب کا یہ قول کہ **زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو** حقیقت پر مبنی ہے اس عوامی زبان کے پسِ پردہ جو جذبہ کام کر رہا ہے، اسے نظر انداز کرنا کسی بھی صورت میں انصاف ودیانت کا تقاضا نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ہمارے لئے اس لقب یعنی سلطان العارفین کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔

**روشن ضمیر-** ایک ایسا لقب ہے جس سے ممدوح کی شخصیت اور علمی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے یوں تو اس جہان گیتی میں انسانوں کی بہتات ہے، اربوں کی تعداد میں مخلوقات پائے جاتے ہیں مگر ان میں کچھ ہی ایسے افراد ہوتے ہیں، جو روشن ضمیر ہوا کرتے ہیں، روشن ضمیر سے وہ قلب سلیم اور دل روشن مراد لیا جاتا ہے جو ہر قسم کی آلائش اور کدورتوں

سے پاک وصاف ہوتا ہے جس کا قلب روشن ہوتا ہے، تابناک اور درخشاں ہوتا ہے اس کے دل پر انوار الٰہی کی بارش ہوا کرتی ہے اور تجلیات ربانی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا علم و ادراک اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ لوح محفوظ کے تمام علوم اس کے ایک گوشہ میں سما جاتے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ فرد انساں جو اس مرتبہ عظیم پر فائز ہو۔ تذکرہ نویسوں کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر و مرشد ہمیشہ آپ کو روشن ضمیر کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ شیخ کامل دلوں کے حالات اور کیفیات کا ادراک کر لیتے ہیں اور چشم بصیرت سے قلب کی ہیئت معلوم کر لیتے ہیں کہ ان کا دل کیسا ہے، اس میں کدورتیں ہیں یا نہیں۔ قلب روشن ہے یا نہیں، جو صحیح صورت حال ہوتی ہے۔ شیخ کامل اسی کا اعلان کر دیتے ہیں، شیخ کامل کا اپنے مرید خاص کے بارے میں روشن ضمیر کہنا دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی۔ اسے مان لینا ہی فکر و شعور اور عقل و ادراک کا تقاضا ہے اور انکار کرنے میں سخت خطرات اور دشواریاں پیش آسکتی ہیں۔ وہ کیا نظر کیمیا اثر تھی جس سے بڑے سرکار کی شخصیت میں نکھار اور ندرت و بانکپن پیدا ہو گیا اور تمام اہل بدایوں کے لئے آپ روشن ضمیر ہو گئے یعنی جو ان کی نگاہوں کے روبرو آتا ہے، ان کا قلب اس بات کا ادراک کر لیتا تھا کہ آنے والے کی مزاجی کیفیت کیا ہے اور اس کی نفسیات کیا بول رہی ہے۔ سوچنے سے پہلے خیالوں کا احساس، بولنے سے قبل ذہنی کیفیات کا ادراک اگر کوئی کرتا ہے تو وہ روشن ضمیر ہوتا ہے، ان کے علاوہ کون ہے جو ان چھپی ہوئی باتوں کا ادراک کر لے؟

**رسن تاب** - یہ ایک ایسا لقب ہے جس سے حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کے مقدس پیشہ اور اکل حلال کے وصف خاص کی نشاندہی ہوتی ہے۔ تمام تذکروں اور اہل بدایوں کی روایت متواترہ سے ثابت ہے کہ حضرت بڑے سرکار بانوں کی رسی بٹتے تھے اور اسی سے اپنے گزر اوقات کرتے تھے، حالانکہ بزرگوں کے یہاں کمی کسی چیز کی نہیں، وہ چاہیں تو دنیا کی ساری دولت ان کے قدموں میں جمع ہو سکتی تھی۔ ہیرے جواہرات اور دوسری قیمتی

چیزیں پاؤں تلے آسکتی تھیں، مگر چونکہ انھیں دینوی دولت وثروت میں کوئی دلچسپی اور رغبت نہیں ہوتی اس لئے اسے اپنی زندگی سے دور ہی رکھتے تھے اور کوئی پیشہ اختیار کر کے اپنی گزر اوقات کیا کرتے تھے، کسی نے خیاطی کا پیشہ اختیار کیا اور کسی نے رسن بٹنے کا، یہی وجہ ہے کہ تمام اہل علم آپ کو رسن تاب یعنی رسی بٹ کر گزر اوقات کرنے والے کہا کرتے ہیں۔ بعض تذکروں میں رسن تاب کے ساتھ موئے تاب بھی کہا گیا لیکن مقامی روایت اس کے برعکس ہے۔ تمام اہل بدایوں بڑے سرکار کے لئے رسن تاب اور چھوٹے سرکار کے لئے موئے تاب کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی مقامی روایت کا لحاظ کرتے ہوئے، اس مقام پر موئے تاب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت چھوٹے سرکار علیہ الرحمہ کے حالات میں اس کا ذکر کیا جائے گا اور اس کی توضیح وتشریح بھی کی جائے گی۔

**تعلیم و تربیت** - تعلیم وتربیت نہایت ہی ضروری امر ہے کہ اسی سے بچوں میں پنہاں صلاحیتیں نمودار ہوتی ہیں اور خوابیدہ فطری استعداد ابھرتا ہے۔ شخصیت میں نکھار، بانکپن، حسنِ ادا، انوکھاپن اور خوبصورت اُٹھان، اسی تعلیم وتربیت کی بدولت ہوا کرتی ہے۔

حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ نے ملتان کی سرزمیں پر رہ کر ہی تعلیم وتربیت حاصل کی اور نشو ونما کے مدارج طے کئے۔ والد گرامی حضرت خواجہ سید اعز الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ محترمہ حضرت سیدہ بی بی طیبہ نے اپنے اس مقدس اور دلپذیر فرزند کو نہ معلوم کن کن زاویوں سے تراشا ہوگا اور کیسی کیسی تربیت دی ہوگی جس سے آپ مستقبل میں ایک نایاب نگینہ بن کر ابھرے اور شخصی قوس وقزح کی دلکش رنگینیوں نے تمام جہاں کو محو حیرت کر دیا۔ اس دور میں ملتان کا علمی ماحول بھی بہت زیادہ اچھا اور خوش رنگ تھا۔ ایک سے ایک اہل علم اور باکمال شخصیتیں سرزمین ملتان میں موجود تھیں، ظاہری علوم کے بااقتدار افراد بھی تھے جو اپنی علمی توانائیوں سے ملتان کو بقعہ نور بنائے ہوئے تھے اور علوم باطنی کے علمبردار بھی تھے جو نگاہوں سے شخصیت میں توانائی پیدا کر دیتے تھے، انھیں ارباب علم و

ادب میں حضرت قاضی حسام الدین عرف جمال الدین ملتانی بھی تھے، جن کے علم و ادراک، فکر و شعور اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں کا ہر طرف چرچا تھا اور سبھی ان سے حصول علم کو اپنے لئے باعث افتخار تصور کرتے تھے۔ ان کے تفصیلی حالات باب دوم میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ نے آپ سے علوم ظاہری حاصل کئے۔ فقہ و تفسیر، حدیث اصول فقہ، منطق، فلسفہ اور علم ادب وغیرہ میں کمال حاصل کیا اور شریعت کے اسرار و رموز سے پورے طور پر واقف ہو گئے۔ ایک عالم کو غیر عالم پر جو فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ فضیلت اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ آپ کی ذات و شخصیت میں جمع تھیں۔ آپ کی علمی مہارت اور فنی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب تک آپ ملتان میں رہے استاد کا قرب حاصل رہا اور بدایوں آنے کے بعد بھی یہ مقام قرب آپ کو حاصل رہا۔ جب تک آپ ملتان میں رہے علمی اشاعت کرتے رہے اور طلبہ کی علمی پیاس بھی بجھاتے رہے کہ یہ ایک دینی خدمت تھی جو آپ کی ذات سے انجام پذیر ہوتی رہی۔ جہاں تک علوم باطنی کی بات ہے، ظاہر ہے آپ نے اسے بھی حاصل کیا اور تصوف و سلوک کے مقامات طے کرتے رہے، اس طرح سے آپ کی ذات اقدس شریعت و طریقت کا سنگم بن گئی اور پُرکشش و جاذب نظر بن کر صفحۂ گیتی پر رونما ہوئی اور خورشید تاباں بن کر چمکی تو چمکتی ہی رہی۔

**بدایوں میں آمد۔** ملتان میں رہتے ہوئے پورے ۳۶ر سال ہو گئے، اسکے بعد دورِ التمش ۶۰۴ھ میں اپنے والد گرامی کے ہمراہ بدایوں تشریف لائے اور جامع مسجد شمسی کے قریب ہی ایک مکان میں قیام پذیر ہو گئے۔ آج بھی وہ مکان حجرہ شریف سے موسوم ہے اور زائرین اس مکان کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ آپ بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے تھے اور خدمت خلق بھی انجام دیتے تھے۔ آپ کی ذات گنجینۂ فیوض و برکات تھی۔ لوگ پیاسے آتے اور سیراب ہو کر چلے جاتے۔ اس در سے آج تک کوئی

مایوس نہیں گیا، جو آیا دامن مراد بھر کر گیا، فقیر کی جھولی کبھی خالی نہیں ہوتی، لینے والوں کا دامن تو تنگ ہو جاتا ہے مگر عطا کرنے والے کوتاہ دست نہیں ہوتے۔ یہی صورت حال آپ کی تھی، جو لوگ چشم بصیرت رکھتے ہیں، حضرت کی اس خوبی سے واقف ہیں اور جن کے دل کی آنکھیں بند ہیں انھیں اس بات کا کب اندازہ ہوتا ہے؟ ان کی قسمت میں سوائے حسرت و یاس کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

**بیعت و ارشاد**- انسانی زندگی کے لئے ایک حیات بخش نسخہ ہے، انسان کے اندر خواہ کتنی ہی صلاحیت اور کمال و خوبی کیوں نہ ہو، اگر کسی سے بیعت نہیں ہے تو سمجھ لیجئے کہ ان کی صلاحیتوں میں انجلائی کیفیت نمودار نہیں ہو سکتی ہے اور اگر ان کے اندر خوبیاں نہ سہی مگر کسی کے دست حق پرست پر بیعت ہوا ہے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ ایک زنگ آلود لوہا تھا اور بیعت کے اس پارس پتھر سے چھو تے ہی اس کے اندر تابنا کی اور درخشانی پیدا ہو گئی ہے اور اس طرح خاک کندن بن گئی ہے، اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے......

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

اسی خوبی و کمال کے سبب بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع ہوا اور متواتر انداز میں اب تک چل رہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت سید خواجہ حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ بھی بیعت و ارشاد سے منسلک ہوئے اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ سے مرید ہوئے اور خرقۂ خلافت عطا ہوا۔ آپ کے مرید و خلیفہ ہونے کا تذکرہ کچھ اس طرح ہے......

آپ کے دل میں باطنی علوم میں انجلائی کیفیت نمودار کرنے کا شوق بیدار ہوا اور پیر کامل کی تلاش میں بدایوں سے چل کر دہلی کی سرزمیں پر قدم رکھا۔ دہلی اس وقت مشائخ اور اولیاء اللہ کا مخزن تھا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوری بھی یہیں

تشریف فرما تھے۔ دہلی پہنچتے ہی شیخ کی بارگاہ میں پہنچے چونکہ آپ کا قلب پہلے ہی سے روشن تھا اور علوم ظاہر و باطنی سے لیس بھی، صرف نسبت کی کمی تھی، اسی کمی کو دور کرنے کے لئے آپ یہاں آئے تھے۔ حضرت قاضی حمید الدین کی نگاہ التفات نے آپ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور اس مقام و مرتبہ سے آشنا کر دیا، جس کی آپ کو ضرورت تھی۔ ایک دن حوض شمسی پر دہلی کے تمام مشائخ موجود تھے، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری بھی جلوہ فرما تھے، اسی حوض شمسی پر آپ نے حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کو خلافت عطا فرمائی اور خرقہ خلافت سے بھی نوازا۔ تمام مشائخ کے روبرو خلافت عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس خرقۂ خلافت پر تمام مشائخ کا اتفاق ہے اور ان سب کی رضا بھی شامل حال ہے، جو ان تمام اولیاء کا پسندیدہ اور محبوب نظر ہو ان کی شانِ زیبائی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

**خرقۂ خلافت پر تاثرات** - یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت بڑے سرکار کو جو خرقہ خلافت عطا ہوا، مشائخ کے روبرو ہوا۔ مگر ان مشائخ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ محمود موئینہ دوز موجود نہ تھے۔ پیر و مرشد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے ارشاد فرمایا...... اے حسن، روشن ضمیر، جاؤ اور قطب الدین بختیار کاکی سے دعائیں حاصل کرو، بحکم پیر و مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے دیکھتے ہی کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور معانقہ کیا پھر فرمایا......"اے بدایوں کے سلطان العارفین، تم نہ صرف حیات میں بلکہ بعد ممات بھی شاہی کرو گے"۔ حضرت خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری نے خرقۂ خلافت عطا کرنے کے بعد اپنے ایک مرید خاص یعنی خواجہ محمود موئینہ روز سے کہلوا بھیجا...... میں نے اس باکمال انسان کو خرقۂ خلافت

دیا ہے۔اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔اس کے جواب میں آپ نے کچھ اس طرح کے تاثرات پیش کئے۔حضور! آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا اور جسے خرقۂ خلافت عطا کیا، وہ اس کا مستحق تھا، انھیں یہ ضرور ملنا چاہیے۔حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے کچھ ایسے مرید تھے جن پر آپ کو ناز تھا۔خیال رہے کہ حضرت خواجہ محمود موئینہ دوز حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔

**بدایوں کی طرف مراجعت -** مدارج ولایت طے کرنے، مرید ہونے اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ کے پیرو مرشد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ نے حکم دیا۔اے حسن روشن ضمیر بدایوں جاؤ اور مخلوق کی رشد و ہدایت میں مشغول رہو، کہ تمہیں بدایوں کا سلطان العارفین بنایا گیا ہے۔تصوف وسلوک، معرفت وحقیقت کے تمام مدارج ومنازل تیرے توسط سے طے کئے جائینگے، علمی خدمت، مذہبی اشاعت بھی تیری ذات سے ہوگی۔حضرت سلطان العارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیرو مرشد کا حکم پاتے ہی بدایوں کی طرف چل دیئے اور دہلی کے تمام مشائخ کی دعائیں بھی اپنے ساتھ لائے۔ذرا سوچیئے آپ کی کیا شانِ زیبائی تھی کہ عارف وابدال، مجذوب وسالک بھی آپ کے ماتحت کردیئے گئے، قلب ایسا روشن وتابناک کہ ماضی کے مضمرات بھی روشن، حال کے واقعات پر نظر اور مستقبل میں پیش آنے والے حادثات وتغیرات بھی آپ کی نگاہ میں خیال ووہم اور دلوں کے خطرات کی کیا مجال؟ کہ جناب والا کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔سچ ہے جو اللہ کا ہوجاتا ہے کائنات کے تمام ذرے اس کے ہوجاتے ہیں۔ایسے روشن دماغ، تابناک قلب کی حقیقت سے کون آشنا ہوسکتا ہے؟ کہ ایسے پوشیدہ رموز واسرار کا انکشاف انسانی عقل و نظر سے ماوراء ہے۔یہی وجہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ بندوں سے وہ کارہائے نمایاں انجام پا جاتے ہیں، جو باعث حیرت اور لائق استعجاب ہوا کرتے ہیں۔آپ بدایوں تشریف لائے، رشد و ہدایت میں مشغول ہوگئے کردار وعمل اخلاق ومحبت اصلاح وتہذیب میں منہمک ہو

گئے اس طرح آپ کی ذات سے فیض و برکت برسنے لگی، رحمت و نور کا چشمہ سیال بہنے لگا۔ اپنے بھی مستفیض ہوئے اور اغیار بھی، پیاسوں کی بھیڑ لگی رہتی اور آپ جام معرفت عطا کرتے، جس کو جیسی ضرورت پیش آتی، اسی اعتبار سے آپ سیراب بھی کرتے۔ کچھ دنوں تک آپ نے بانوں کی رسیاں بٹ کر اپنی ضروریات پوری کیں اور اہل زمانہ کو بتادیا کہ اکل حلال کے لئے کوئی بھی پیشہ اپنایا جا سکتا ہے، اس میں شرعی اعتبار سے کوئی عار نہیں، کوئی قباحت نہیں۔

**خدمت دین اور رشد و ہدایت -** یہ ایک عظیم نعمت ہے، جس سے فرد انسان عظیم ہو جاتا ہے، خداوند قدوس نے اس کام میں ایسی تاب و توانائی اور درخشانی عطا کی ہے کہ اس کے سبب سے آبادیاں تو آباد ہوتی ہی ہیں مگر صحرا اور بیاباں بھی آباد ہو جاتے ہیں۔ یہ خوشبوؤں کا ایسا ذخیرہ ہے، جس سے شہر و قصبات، مضافات، علاقے اور دوسرے شہر بھی متاثر ہوتے ہیں۔ انسان تو انسان جن و ملائک اور وحوش و طیور بھی ان خوشبوؤں سے مدہوش ہو جاتے ہیں اور اس ذخیرۂ عطر افشانی کی جانب سرعت رفتار سے مائل بہ سفر ہو جایا کرتے ہیں، یہی کچھ حال حضرت بڑے سرکار کا تھا، پورا بدایوں آپ کے ارد گرد سمٹ آیا۔ مضافات، قصبہ و دیہات سے بھی لوگ آتے گئے اور فیضیاب ہوتے رہے۔ ایک دور وہ بھی آیا کہ آپ کی ذاتِ اقدس سے بدایوں میں رونق اور چہل پہل رہنے لگی اور حضرت کا دستر خوان وسیع سے وسیع تر ہونے لگا جس کی وجہ سے آپ کو اپنا پسندیدہ پیشہ یعنی رسن تابی ترک کرنی پڑی اور خود کو اس کے لئے وقف کر دیا، گویا آپ اپنی ذات سے ایک انجمن ہو گئے اور کارواں کی شکل میں رونما ہو گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ خلوص و پیار، صدق و صفا، عشق و وفا اور نیک راہ پر چلنے والا اگر چہ تنہا دکھائی پڑتا ہے مگر حقیقت میں وہ تنہا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کے ارد گرد ایک کارواں ہوتا ہے اور اس قافلہ کا سالار صاحب دل ہوا کرتا ہے۔ آپ کی اسی شانِ زیبائی کے تعلق سے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا......

سنتا ہوں ان کے بڑے بھائی خواجہ شیخ شاہی سے بدایوں میں بڑی رونق تھی کثرت سے رجوعات خلق رہتی تھی چھوٹے بڑے سب ان کے قدم چومتے تھے جس طرف ان کا گذر ہوتا تھا جم غفیر دیدار کرنے والوں کا ہو جاتا تھا بڑے مستجاب الدعوات تھے جو منھ سے نکالتے تھے ہو جاتا تھا۔ (بحوالہ مردان خدا، ص: ۱۲۰)

یہ چند سطروں کی تحریر ہے جس میں حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کی پوری شخصیت اور سیرت پاک بیان کر دی گئی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیت عامہ سے نوازا تھا، یہ قبولیت عامہ عطیہ الٰہی اور نعمت ربانی ہوا کرتی ہے، وہ جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔ لوگ ہزار ہا کوششیں کریں مگر انھیں قبولیت عامہ حاصل ہو جائے کوئی ضروری نہیں اور جسے یہ عطا ہو جاتی ہے وہ اپنے وقت کا نادر و نایاب اور یگانہ روزگار ہوا کرتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے جو فرمایا لائق تسلیم ہے کہ آپ کے دور میں ایسے بہت سے عظیم افراد رہتے ہونگے، جنھوں نے بڑے سرکار کو دیکھا ہوگا اور پھر خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیان کیا ہوگا، اسی لئے آپ نے یہ فرمایا۔ ''میں سنتا ہوں''۔

**خانقاہ کی تعمیر اور اس کی ضرورت -** بدایوں میں جب حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کی زبردست مقبولیت ہونے لگی اور لوگ آپ کی زیارت کے لئے دور دراز سے آنے لگے، تو آپ نے خانقاہ کی ضرورت محسوس کی اور اس کی تعمیر کرائی جو اس بات کی علامت بھی ہے کہ رشد و ہدایت اور خدمت خلق کو آپ نے منظّم طریقہ سے انجام دیا اور اجتماعی طور پر اسے پروان چڑھایا۔ خانقاہیں تہذیب نفس، تزکیۂ قلب، طہارت نفس و ذہن اور پاکیزگی عمل و کردار کی علامت ہوا کرتی ہیں کہ خانقاہوں میں افراد انساں مہذب، با اخلاق بنائے جاتے ہیں، نفس و دل کی طہارت بھی انھیں خانقاہوں سے

ہوا کرتی ہے۔لوگ زنگ آلود آتے ہیں اور صیقل ہو کر جاتے ہیں۔خراب وخستہ حال آتے ہیں اور جب خانقاہ سے نکل کر واپس جاتے ہیں، تو ہر قدم پر اجالوں کو بانٹتے جاتے ہیں اور اپنے دامن دل سے خوشبو بکھیرتے ہوئے واپس نکلتے ہیں۔گویا خانقاہ ایسی فیکٹری ہوتی ہے، جہاں مہذب انساں ڈھالے جاتے ہیں اور عظیم افراد بنائے جاتے ہیں۔یہی خانقاہ امن وسکون اور صحت وسلامتی کا گہوارہ ہوا کرتی ہے۔وہ لوگ جو خانقاہوں پر تنقیدی نظر رکھتے ہیں، انھیں حال کی پنہائیوں کے ساتھ ساتھ ماضی کے دھندلکوں پر نظر رکھنی چاہیے۔خانقاہیں اگر چہ آج بدنام ہیں تو اسکی وجہ خانقاہ پر براجمان ہونے والے نااہل افراد ہیں جنھیں اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں۔یہ نیرنگی زمانہ ہے، جس نے خانقاہوں کو بھی اپنے دام تذویر میں لے لیا لیکن یہ بھی غور کرنے کا مقام ہے، خانقاہوں پر وہ تنقید کر رہا ہے جو اس کے پاس سے ہو کر بھی نہیں گزرا ہے۔فٹ پاتھ پر بیٹھ کر خانقاہوں کے تقدس پر انگشت نمائی، یہ بھی زمانہ کی کارستانی ہے اس میں کوئی شک نہیں، کہ بڑے سرکار کی خانقاہ واقعی خانقاہ تھی۔کیسے کیسے اللہ کے ولی صفت انساں اس خانقاہ میں تشریف لائے ہیں، انکے تعارف ہی سے آپ سراپا حیرت ہو جائیں گے، آپ کی خانقاہ میں مندرجہ ذیل تعلیمات دی جاتی تھیں......

(۱) علوم ظاہری اور شرعی مسائل بتائے جاتے تھے۔

(۲) تصوف وسلوک کے اصول وضابطے بیان کئے جاتے تھے۔

(۳) مقامات سلوک طے کرائے جاتے تھے۔

(۴) ریاضت نفس اور مجاہدات کرائے جاتے تھے۔

(۵) محفل سماع کا انعقاد ہوا کرتا تھا۔

(۶) جس میں بڑے بڑے اولیاء شریک ہوا کرتے تھے۔

ان تعلیمات وارشادات کا اندازہ ان فرمودات سے ہوتا ہے جو آپ نے مختلف محفلوں

میں ارشاد کیے ہیں۔ یہ تعلیمات آنے والے صفحات میں درج کیے جائیں گے، اب ذرا ان اولیاء کرام سے متعارف ہو جائیں جو گاہے بگاہے تشریف لائے ہیں اور شیخ شاہی کی خانقاہ میں قیام کیا ہے......

(۱) شیخ جلال الدین تبریزی[۱]۔ آپ حضرت بڑے سرکار سے ملاقات کرنے کی غرض سے بدایوں تشریف لائے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین[۲] کے در دولت کدہ پر قیام کیا اور خانقاہ شیخ شاہی میں رونق افروز ہوئے۔

(۲) حضرت قطب الدین[۳] بختیار کاکی علیہ الرحمہ۔ آپ بھی حضرت سلطان العارفین سے ملاقات کے لئے بدایوں تشریف لائے اور خانقاہ شیخ شاہی میں رونق افروز ہوئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سلطان شمس الدین التمش بدایوں میں قیام پذیر تھے۔

---

۱۔ جلال الدین تبریزی۔ جلال الدین نام، تبریز وطن تھا۔ ابتداء تبریز کے بادشاہ تھے، امارت ترک کر کے درویشی اختیار کرلی، صاحب علم وعرفاں تھے، کمالات صوری ومعنوی سے آراستہ تھے، نماز فجر حرم شریف میں ادا کرتے تھے، شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے خلافت حاصل تھی۔ ڈھائی سال تک بدایوں میں قیام رہا۔ ۱۵/شوال ۶۴۲ھ میں وصال ہوا۔ مزار شریف ضلع مالدہ بنگال میں ہے (بحوالہ تذکرۃ العارفین، ص:۹۹)۔

۲۔ شیخ وجیہ الدین فاروقی۔ نام شیخ وجیہ الدین فاروقی، والد کا نام حاجی سعد تھا۔ ۵۹۶ھ میں قطب الدین ایبک کے ہمراہ بدایوں آئے۔ عالم وفاضل تھے، درس وتدریس سے شغف تھا۔ طلبہ کو پڑھاتے تھے، سالک گوشہ نشینی اور عالی خیال تھے۔ آپ ہی کے یہاں شیخ جلال الدین اور بابا فرید الدین کا قیام رہا۔ ۱۰/ذی الحجہ ۶۳۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

۳۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ قطب الدین نام تھا، ۱۱/ربیع النور بروز دوشنبہ ۵۲۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ کمسنی میں علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، سنِ بلوغ تک پہنچنے سے قبل ہی تمام علوم متداولہ میں دستگاہ حاصل فرما چکے تھے، آپ دہلی کے منصب ولایت پر فائز تھے، خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ سے خرقۂ خلافت حاصل تھا۔ آپ 'کاکی' سے مشہور ہیں۔ کاکی کاک سے منسوب ہے، لغت میں کاک کا معنی روغنی روٹی لکھا ہے اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے میرے استاذ گرامی حضرت علامہ قاضی شمس الدین علیہ الرحمہ مصنف قانون شریعت نے فرمایا- ایک دن خانقاہ میں چند مہمان آئے، خانقاہ میں لکڑی نہیں تھی، باورچی نے اطلاع دی، آپ نے فرمایا آٹا گوندھ لو، پھر میرے پاس آؤ، حسب ارشاد آٹا گوندھا گیا، دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ نے اپنی پیٹھ سے لباس اتارا اور فرمایا تم روٹی ڈالتے جاؤ اور روٹی پکاتے جاؤ، باورچی نے ایسا ہی کیا اور تمام روٹی پکالی۔ اسی دن سے آپ کاکی سے مشہور ہوگئے۔ ۱۴/ربیع النور ۶۳۴ھ میں آپ کا وصال ہوا، مزار شریف مہرولی دہلی میں ہے اور مرجع خلائق ہے، (بحوالہ تاریخ اولیاء، ص:۱۲۶) (از مفتی شفیق احمد شریفی)

(۳) حضرت قاضی حمید الدین[۱] ناگوری بھی بدایوں تشریف لائے اور بڑے سرکار کی خانقاہ کو رونق بخشی۔

(۴) حضرت شیخ کبیر بابا فرید الدین[۲] گنج شکر بھی آپکی خانقاہ میں تشریف لا چکے ہیں۔

(۵) حضرت خواجہ محمود[۳] موئینہ دوز نے بھی اپنے قدوم میمونت سے خانقاہ شیخ شاہی کو زینت بخشی ہے۔

(۶) حضرت مولانا ناصح الدین[۴] صاحب کا قیام بھی خانقاہ شیخ شاہی میں رہا ہے۔

---

۱۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری۔ آپ وہاں کے قاضی رہے تھے، مگر آپ کا قیام دہلی میں تھا، حضرت قطب الدین کی مجلس میں شرکت فرمایا کرتے تھے، صاحب ولایت بزرگ تھے۔ تقویٰ وعبادت، ریاضت اور محاسبۂ نفس آپ کا مشغلہ تھا، وجد وسماع کا بھی شوق رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں سماع کا رواج بھی آپ کی ذات سے ہوا۔ آپ جملہ علوم معقول ومنقول میں درجہ تبحر رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے فقیہ المثال عالم دیں تھے۔ مختلف علوم وفنون پر آپ کو مہارت حاصل تھی۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ ۱۹ ررمضان ۶۷۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (بحوالہ۔ محفل اولیاء۔ ص:۶۹)

۲۔ بابا فرید الدین۔ نام مسعود، لقب فرید الدین، گنج شکر، ولادت ۔۵۷۵ھ/۵۶۹ھ والد ماجد کا نام شیخ جمال الدین والدہ ماجدہ کا نام بی بی مریم خاتون تھا، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۲ رسال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے تھے۔ ملتان جا کر مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی مشہور کتاب نافع پڑھی تھی، ۵ رسال تک قندھار میں رہے، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، صرف، منطق وغیرہ علوم میں اعلیٰ قابلیت حاصل کی، ۵۹۰ھ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔ عبادت وریاضت میں شدید درجہ کا انہماک رکھتے تھے۔ قناعت توکل، تقویٰ، عشق، ذوق و شوق کا مجسمہ تھے۔

۳۔ خواجہ محمود موئینہ دوز۔ آپ قاضی حمید الدین ناگور کے مرید وخلیفہ تھے، دہلی میں رہتے تھے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی مجلس میں مدام شریک ہوتے تھے۔ حضرت سلطان العارفین سے دوستانہ تعلقات تھے۔ برسی کی فاتحہ میں بدایوں تشریف لائے تھے، حضرت شاہ ولایت صاحب کے یہاں جس محفل سماع میں حضرت شیخ احمد نوری کا وصال ہوا۔ اس محفل میں آپ بھی شریک تھے۔ شیخ احمد نوری کی تجہیز وتکفین میں آپ بھی شریک رہے۔ آپ صاحب تصرف تھے۔ حاجت مند آپ کے مزار پاک سے اینٹ پتھر اُٹھا کر لے جاتے ہیں اور جب مراد پوری ہو جاتی ہے تو اس اینٹ یا پتھر کے ہم وزن شکر پر فاتحہ دلا کر تقسیم کرتے ہیں، (بحوالہ۔ مردان خدا، ص:۸۰)

۴۔ مولانا ناصح الدین۔ آپ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے فرزند اور سجادہ نشیں تھے، تمام علوم عقلی ونقلی کے ماہر تھے، ظاہری وباطنی علوم سے بھی آراستہ تھے۔ زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور فقر وفاقہ میں اپنے والد کے مثل تھے۔ ۷۵۰ھ میں وصال ہوا۔ مزار پاک مہرولی شریف، احاطہ حضرت قطب الدین میں ہے۔

**حضرت سلطان العارفین اور پیر مکہ[1] علیہ الرحمہ-** اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کی خانقاہ بہت دور دور تک مشہور تھی اور آپ کی ولایت وشخصیت کا چرچا بھی بہت خوب تھا، اسی لئے مشائخ آپ کی خانقاہ میں تشریف لاتے اور آپ سے ملاقات کرتے، چونکہ بدایوں شریف کی ولایت آپ کے نام تھی اور آپ یہاں کے شہنشاہ تھے جو بدایوں آتا پہلے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اجازت ملنے پر ہی یہاں قیام کرتا، بزرگوں کی باتیں بھی عجیب وغریب ہوا کرتی تھیں، یہ حضرات بڑے ہی خوبصورت انداز میں قیام کی اجازت طلب کرتے تھے، حضرت سلطان العارفین اور حضرت پیر مکہ کے مابین جو معاملات پیش آئے، وہ نہایت ہی حیرت انگیز اور تعجب خیز تھے۔آپ پڑھیں گے تو حیرت میں پڑ جائیں گے۔واقعہ کچھ اس طرح کا ہے......حضرت پیر مکہ علیہ الرحمہ ایک مجذوب صفت انسان تھے، مست اور قلندر تھے، حضرت کی خانقاہ کے صدر دروازہ پر کھڑے ہیں اور سراپا انتظار ہیں۔دیکھئے حضرت سلطان العارفین کا کیا حکم آتا ہے، اندر خانقاہ میں حضرت سلطان العارفین جلوہ فرما تھے۔نور باطن اور کشف سے آپ نے معلوم کرلیا کہ ایک درویش صفت انسان خانقاہ کے دروازہ پر کھڑا ہے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ ولایت کے ہاتھ پانی سے بھرا ہوا ایک کٹورا بھیج دیا۔حضرت چھوٹے سرکار جیسے ہی خانقاہ کے صدر دروازہ پر پہنچے، حضرت پیر مکہ نے پانی سے لبریز کٹورہ دیکھ کر محسوس کرلیا جس طرح پانی سے کٹورہ پُر ہے اسی طرح بدایوں کی سرزمیں اولیاء سے لبریز ہے اب یہاں کسی اور کی گنجائش نہیں، اپنی جھولی سے آپ نے گلاب کا پھول نکالا اور پانی والے کٹورہ میں ڈال دیا۔حضرت چھوٹے سرکار جیسے ہی اندر خانقاہ پہنچے، پانی میں تیرتا

---

(۱) حضرت پیر مکہ- نام شیخ حسن مکی اور پیر مکہ سے مشہور ہیں۔مکہ شریف کے رہنے والے تھے۔صاحب نور باطن اور عارف باللہ تھے، حضرت سلطان العارفین کے دور میں بدایوں تشریف لائے۔خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے اور خواجہ معین الدین اجمیری سے خرقۂ خلافت حاصل تھا، حرم شریف میں نماز جمعہ ادا کرتے تھے، (از-مردان خدا، ص:۱۵۶)

ہوا گلاب دیکھ کر بڑے سرکار نے تبسم فرمایا اور بدایوں میں رہنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت پیر مکہ زہد و اتقاء میں نابغۂ روزگار تھے اور صاحب منصب نیک انسان تھے۔ آپ بدایوں میں رہنے لگے۔ یہ تذکرہ تقریباً تمام کتابوں میں پایا جاتا ہے، اِس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں، دونوں بزرگ کن اعلیٰ قسم کی صلاحیتوں سے لیس تھے، تمام حالات پر آپ نگاہ رکھتے تھے اور پلک جھپکتے ہی سب کچھ جان لیا کرتے تھے۔

**حضرت بڑے سرکار کا شجرۂ طریقت -** یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ، پیر کامل، مرشد برحق اور عارف باللہ تھے، ان کا سلسلہ بیعت متصل تھا اور سلسلۃ الذہب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی سلسلہ میں آپ بیعت فرماتے تھے اور خلیفۂ و مجاز بھی کیا کرتے تھے۔ خود آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید ابوبکر موئے تاب آپ ہی کے خلیفہ و مجاز تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے......

خواجہ حسن[1] شیخ شاہی مرید و خلیفہ - قاضی[2] حمید الدین ناگوری مرید و خلیفہ، حضرت[3] شیخ شہاب الدین عمر سہروردی مرید و خلیفہ، شیخ ضیاء[4] الدین ابوالنجیب مرید و خلیفہ، حضرت شیخ[5] وجیہ الدین مرید و خلیفہ، شیخ عبدالعزیز[6] معروف بہ قطب مرید و خلیفہ، حضرت شیخ احمد[7] دینوری مرید و خلیفہ، حضرت ممشاد علی[8] دینوری مرید و خلیفہ، حضرت[9] جنید بغدادی مرید خلیفہ، شیخ[10] سری سقطی مرید و خلیفہ، شیخ معروف[11] مرید و خلیفہ، شیخ داؤد[12] طائی مرید و خلیفہ- شیخ[13] حبیب عجمی مرید و خلیفہ- خواجہ حسن بصری[14] مرید و خلیفہ، حضرت مولیٰ علی[15] کرم اللہ وجہ الکریم۔

**مختصر تعارف مشائخ شجرۂ طریقت -**

〈۱〉 **خواجہ حسن شیخ شاہی -** انکے حالات وکوائف کا بیان چل رہا ہے۔

〈۲〉 **قاضی حمید الدین ناگوری -** دیکھئے حاشیہ ۲ متعلقہ بہ صفحہ ۱۰۷ کا

〈۳〉 **شیخ شہاب الدین عمر -** نام عمر، لقب شہاب الدین والد گرامی کا نام شیخ

محمد قریش تھا۔ حضرت سیدنا غوث اعظم کی دعا سے آپ پیدا ہوئے۔ اتفاق دیکھئے آپ لڑکی پیدا ہوئے، حضرت غوث اعظم کو اطلاع دی گئی، آپ نے فرمایا- یہ لڑکی نہیں بلکہ لڑکا ہے۔ گھر آ کر دیکھا گیا تو لڑکا ہو چکے تھے۔ آپ کے پستان دراز تھے۔ ۵۴۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۶ ر سال کی عمر میں تمام علوم وفنون میں دسترس حاصل کر لی تھی، معقولات و منقولات دونوں میں درجۂ تبحر پر فائز تھے، منطق وفلسفہ، ریاضی، بلاغت وفصاحت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ بہت بڑے عالم وفاضل بزرگ تھے، علم باطن میں بھی کمال حاصل کیا، حقیقت ومعرفت بھی آپ کو عطا ہوئی۔ آپ سلسلہ سہروردیہ کے سردار اور بانی ہیں۔ اس سلسلہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ترک دنیا کا اس میں کوئی حصہ نہیں، دنیا چھوڑ کر نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر عبادت وریاضت میں مشغول رہنا اور عشق حقیقی کی لذت سے آشنا ہونا اس سلسلہ کی خصوصیت رہی ہے۔ تصوف میں آپ کی معرکتہ الآرا تصنیف ''عوارف العارف'' ہے جو ۶۲۲ھ میں لکھی گئی ہے۔ آپ کے عظیم خلفاء میں مندرجہ ذیل مشائخ ہیں...... (۱) قاضی حمید الدین ناگوری، (۲) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، (۳) شیخ فرید الدین عطار، (۴) شیخ سعدی شیرازی، (۵) شیخ جلال الدین تبریزی وغیرہ۔ آپ کا وصال ۶۳۲ھ میں ہوا۔

**﴿۴﴾ شیخ ابو النجیب-** نام عبد القاہر، کنیت ابو النجیب، لقب ضیاء الدین، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے حقیقی، عم محترم تھے، حضرت سیدنا غوث اعظم کے ہم عصر تھے، مابین دوستانہ مراسم تھے، صاحب تصرف بزرگ تھے اور زبان حال سے آشنا تھے، بہت سے واقعات اس باب میں منقول ہیں، انھیں سے منسوب ایک واقعہ یہ بھی ہے......آپ نے ایک پل سے گزرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا، بہت سے میوہ جات اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے، آپ نے فرمایا تم ان میوؤں کو کیوں لئے جا رہے ہو، اس نے جواب دیا- کیوں نہ لے جائیں؟ ارشاد فرمایا- یہ میوہ کہہ رہا ہے: ہمیں اس شخص سے بچاؤ کہ اس نے مجھے اس لئے

خریدا تاکہ شراب بنائے۔ وہ شخص بے ہوش ہو گیا، اور چہرہ کے بل گر پڑا، پھر وہ حاضر خدمت ہوا اور توبہ کی۔ حضرت شیخ شہاب الدین آپ ہی کے پروردہ تھے اور علوم باطنی بھی آپ ہی سے حاصل کئے تھے۔ عوارف العارف کی زیادہ تر تعلیمات آپ ہی سے منقول ہیں۔ ۵۶۳ھ میں آپ کا وصال ہوا، مزار پاک بغداد شریف میں ہے اور لوگ کثرت کے ساتھ زیارت کو حاضر ہوتے ہیں۔ (از- جامع کرامات اولیاء، جلد دوم، ص: ۲۲۰)

**﴿۵﴾ حضرت شیخ وجیہ الدین -**

**﴿۶﴾ شیخ عبدالعزیز معروف بہ قطب -**

**﴿۷﴾ شیخ احمد دینوری -** نام احمد بن محمد الدینوری کنیت ابوالعباس تھی، یوسف بن حسین، عبداللہ بن خزار ابومحمد جویری کی صحبت پائی۔ حضرت اوج سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ نیشاپور آئے اور ایک مدت تک یہیں رہے، لوگوں کو وعظ کہتے معرفت کی زبان میں اچھی گفتگو فرماتے پھر نیشاپور سے سمرقند تشریف لے گئے اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ (از طبقات امام شعرانی، ص: ۲۶۱)

**﴿۸﴾ شیخ ممشاد علی -** آپ دینور کے رہنے والے تھے، اکابر اولیاء، اجلہ عرفاء میں سے تھے صاحب کرامت بزرگ تھے، آپ کی مشہور کرامت یہ ہے کہ ایک دن آپ کہیں جارہے تھے کہ ایک کتے نے بھونکنا شروع کیا۔ آپ نے کہا- **لاالہ الا اللہ** کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اتنا کہنا تھا کہ کتا اسی وقت مر گیا۔ آپ تصوف وسلوک کے امام تھے، اور زہد واتقاء میں بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کے اقوال وارشادات فن تصوف میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں، رسالہ قشیریہ میں آپ کے اقوال درج ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ مرید کے آداب میں سے ہے کہ وہ اپنے شیخ کا احترام کرے بھائیوں کی خدمت کرے، اسباب دنیا سے نکل جائے اور اپنی ذات میں آداب شریعت محفوظ رکھے۔ نیز فرماتے تھے میں جب بھی اپنے کسی شیخ کے پاس گیا، اپنے مال سے خالی ہو کر گیا۔ میں اس بات کا منتظر

رہنا، پیر کے دیدار اور اس کے کلام کی کیا کیا برکتیں نازل ہوتی ہیں کیونکہ جو شخص اپنے شیخ کے پاس اس حالت میں جائے کہ اس کی نظر اپنی ذات پر ہو تو پھر پیر کے دیدار اور ان کی صحبت سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کا وصال ۲۹۹ھ میں ہوا۔

〈۹〉 **حضرت جنید بغدادی** - نام جنید، کنیت ابو القاسم تھی، بغداد کے رہنے والے تھے پہلوانی کرتے تھے اور بادشاہ وقت کے دربار سے منسلک تھے، کسی سید زادے کے مقابلہ میں خود کو چیت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی احترام سادات کی بدولت آپ کو ولایت سے نوازا۔ اپنے عہد کے شیخ مطلق اور تصوف کے امام علی الاطلاق تھے۔ تمام علوم پر آپ کو پورا پورا عبور حاصل تھا۔ علم طریقت کو مدون کیا، اور اشارات غیبی کو مدون کر کے، اسے فن کی حیثیت عطا کر دی۔ ارباب تصوف آپ کے زرین اقوال سند میں پیش کرتے ہیں۔ تصوف کی کوئی کتاب آپ کے حالات واقوال سے خالی نہیں، ۲۷؍رجب المرجب ۲۹۷ھ میں آپ کا وصال ہوا، مزار پاک مرجع خلائق ہے۔ (بحوالہ حاشیہ سلک السلوک مترجم، ص: ۱۰۸)

〈۱۰〉 **شیخ سری سقطی** - آپ تصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں، نہایت سیر چشم، ذی مروت تھے، اپنے عہد کے نام ور اور صاحب علم ولی گزرے ہیں۔ محفل اولیاء میں تحریر ہے کہ۔ تمام مشرق پر آپ کی شہرت محیط تھی، چونکہ آپ عالم، فاضل اور صاحب فکر و شعور تھے آپ جو کچھ فرماتے اس میں علمی شان وشکوہ نمایاں ہوتا تھا۔ آپ علوم باطنی اور حقائق و بصائر میں بھی کمال رکھتے تھے، کتب سیر میں تحریر ہے کہ بغداد کے اندر حقائق طریقت، اسرار توحید کے متعلق سب سے پہلے آپ نے لب کشائی کی۔ حضرت جنید بغدادیؒ آپ کے بھانجے تھے، حضرت معروف کرخی سے آپ نے فیوض و برکات حاصل کیے۔ آپ تاجر تھے بغداد میں آپ کی دوکان تھی۔ اپنا مال صرف دو فیصد (2%) منافع پر فروخت کرتے تھے۔ تصوف کی کتابوں میں آپ کی تعلیمات، ہدایات وارشادات درج

ہیں، آپ عابدوزاہد تھے، حق آشنا، عارف باللہ تھے، نور کا چہرہ اور پھولوں کا بدن رکھتے تھے، وصال سے قبل حضرت جنید بغدادی سے فرمایا - دیکھو ایسا نہ ہو کہ صحبت خلق تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کردے، یہ کہا اور جاں جاں آفریں کے سپرد کردی، ۳/رمضان ۲۵۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

〈۱۱〉 **شیخ معروف کرخی -** نام نامی اسم گرامی معروف کرخی، کنیت ابومحفوظ تھی، والدین آتش پرست تھے۔ جب آپ چار سال کے ہوئے والد گرامی انھیں نصرانی عالم کے پاس لے گئے تاکہ وہ نصرانی تہذیب وتمدن اور نصرانی عقائد کا علم سیکھ لے معلم نے انھیں تعلیم دی، تختی لکھوائی اور کہا - کہو ثالث تلاثیہ، وہ تین خداؤں میں سے ایک ہے، حضرت معروف کرخی نے فرمایا - **قل ھو اللہ احد** وہ تین میں سے ایک نہیں بلکہ وہ صرف ایک ہے اور تنہا اس کی ذات ہے۔ آپ کی تعلیمات نہایت اہم ہیں، آپ نے فرمایا......

> عاقل وہ شخص ہے جب اس پر کوئی مصیبت آپڑے اول روز وہ وہی کرے جو روز سوم کرے گا۔ نیز فرمایا - مروت ایک قسم کی خوشی اور رضا ہے اور وہ کسی کے مروت دینے سے بہتر ہے۔ فرمایا - مخلوق سے دوری بنائے رکھنا درد دل کی دوا ہے۔
>
> (از - سلک السلوک مترجم، سلک: ۱۴۸، ص: ۳۷۷)

فن تصوف کے امام اور جماعت افراد سے تعلق رکھتے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے، ان کے مزار پاک کے پاس جو دعا مانگی جاتی ہے قبول ہوتی ہے۔ ۲۰۰ھ میں وصال ہوا۔ مزار پاک بغداد شریف میں ہے۔

〈۱۲〉 **شیخ داؤد طائی -** آپ صاحب علم اور جلیل القدر بزرگ تھے، فکر و دانش اور شعور وادراک میں پختہ تھے، جملہ علوم وفنون میں آپ کو دستگاہ حاصل تھی، امام اعظم کے

شاگرد رشید تھے، مسلسل کئی سال تک آپ کی مجلس میں رہے اور فقہ و تدبر سے آشنا ہوتے رہے، ارباب سیر رقمطراز ہیں- فقہ و حدیث میں آپ درجۂ اجتہاد رکھتے تھے، جب کسی مسئلہ میں امام محمد اور امام یوسف[1] میں اختلاف واقع ہوتا تو آپ بیچ میں ثالث مقرر ہوتے۔ جب دونوں امام سامنے ہوتے تو آپ کا منھ امام محمد[2] کی طرف ہوتا۔ ان سے باتیں کرتے اور امام یوسف کی طرف پشت کر دیتے، لوگوں نے دریافت کیا- دونوں ایک ہی امام کے شاگرد ہیں تو پھر یہ فرق کیوں؟ ارشاد فرمایا- امام ابو یوسف نے عہدۂ قضا قبول کر کے اپنے استاد کے خلاف کیا اور امام محمد نے اسے قبول نہ کیا۔ اس لئے میری خاص توجہ ان کی طرف ہوتی ہے، کسی نوحہ گر سے آپ نے ایک شعر سنا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ- 'ایسا کون سا چہرہ ہے جو خاک میں نہ ملا اور کون سی ایسی آنکھ تھی جو زمین میں دفن نہ ہوئی'۔ یہ شعر سنتے ہی آپ کے دل کی دنیا بدل گئی، دل میں ایک چوٹ لگی اور حالت متغیر ہوگئی۔ آپ کسی دنیا دار سے ملنا پسند نہیں کرتے، ایک مرتبہ ہارون رشید نے ملنے کی خواہش کی آپ نے منع فرما دیا۔ ہارون رشید نے آپ کی والدہ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا، سفارش کر دیجئے کہ وہ مجھ سے ملاقات کر لیں۔ والدہ نے سفارش کی، داؤد طائی، آپ ہارون رشید سے ملاقات کر لیں، عرض کیا- والدہ محترمہ مجھے ظالم بادشاہ سے ملنے کی کوئی خواہش نہیں اور نہ ہی کسی ظالم کے بارے میں کسی کی سفارش قابل قبول ہے۔ والدہ محترمہ نے فرمایا- تو پھر آپ بھی سن

---

۱- امام ابو یوسف- نام یعقوب بن ابراہیم کوفی ہے، ابو یوسف سے زیادہ مشہور ہیں، امام اعظم کے شاگرد ہیں، سب سے پہلے قاضی القضاۃ کے منصب پر آپ ہی فائز ہوئے، تین خلیفہ مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے دور تک اسی منصب پر برقرار رہے، فقہ حنفیہ کے نشر و اشاعت میں زبردست حصہ لیا۔ تمام علوم و فنون خاص طور سے حدیث، اصول حدیث، فقہ و علم فقہ پر مکمل عبور تھا بلکہ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ ۱۸۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (ماخوذ حاشیہ سلک السلوک مترجم)

۲- امام محمد- نام محمد عراق کے شہر واسط میں ۱۳۲ھ کو پیدا ہوئے، امام اعظم اور امام ابو یوسف سے شرف تلمذ حاصل تھا، امام محمد کی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے میں امام ابو یوسف نے انتہائی اہم کردار ادا کیا، علم و فضل اور مرتبہ کی برتری کے باوجود امام محمد کی بہت زیادہ رعایت کرتے تھے، آپ کے تصانیف کی تعداد '۹۹۹' بتائی جاتی ہے آپ کی زیادہ تر روایتیں ظاہر الروایہ ہیں۔ ۵۸ رسال کی عمر پائی اور ۱۹۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (ماخوذ از حاشیہ سلک السلوک مترجم، ص: ۲۹۰)

لیں، مجھے ایسے کسی شخص سے کوئی واسطہ نہیں، جو اپنی ماں کی بات نہ مانے، آپ اپنی والدہ کی باتیں سن کر متاثر ہوئے، ڈر گئے اور مجبور ہو کر ملاقات کے لئے تیار ہو گئے، اور ہارون رشید کو اذن باریابی دے دی۔ جس روز آپ کا وصال ہوا رات بھر نماز میں مشغول رہے اور نہایت ہی خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے رہے، صرف دو رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے، رات کے آخری حصہ میں جو سجدہ کیا تو پھر اس سے سر نہیں اُٹھایا، والدہ گرامی فرماتی ہیں جب بہت دیر ہو گئی اور نماز فجر کا وقت بھی ختم ہونے لگا، تو میں پاس گئی اور کہا۔ بیٹا سر اُٹھاؤ، نماز فجر ادا کر لو، کوئی جواب نہیں ملا، جسم پر ہاتھ رکھا تو بالکل ٹھنڈا پڑا تھا اور آپ انتقال فرما چکے تھے اور تاریخ ۲۸/ربیع الاول ۱۶۰ھ کی تھی۔ آپ نے زندگی میں کسی سے ملنا پسند نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے زیر دیوار دفن ہونے کی خواہش کی تھی، تا کہ کوئی بھی ان کی قبر کے پاس سے نہ گذرے۔ حسب وصیت زیر دیوار آپ کو دفن کیا گیا۔ مزار پاک بغداد شریف میں ہے۔

**〈۱۳〉 خواجہ حبیب عجمی** - صاحب نسبت، افضل اولیاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ولایت کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ تصوف وسلوک میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے، ابتداً آپ کی زندگی گناہوں سے ملوث تھی، سود کھاتے تھے، سودی کاروبار کرتے تھے، دولت وثروت کی آپ کے پاس کمی نہ تھی، اس اعتبار سے جس قدر مالدار تھے، بخل وقساوت میں بھی اتنے ہی زیادہ تیز وطرار تھے۔ ایک دن ان کی بیوی سری پکا رہی تھی، ایک فقیر نے صدا لگائی، خدا کے نام پر کچھ دے دو، حبیب عجمی نے کہا۔ تمہارا یہاں کوئی حصہ نہیں، بیچارہ مایوس ہو کر چلا گیا، اُدھر بیوی نے ہنڈیا چولہے سے اتار کر رکھا تو پوری سری تازہ خون میں تبدیل ہو گئی۔ بیوی نے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہوئے، دل سے دھواں اُٹھا، وقت ہو چکا تھا، قسمت بیدار ہو چکی تھی، بیوی سے کہا۔ صرف سود ہی نہیں میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، جمعہ کا دن تھا، گھر سے نکلے، راستہ میں بچے کھیل رہے تھے،

حبیب عجمی کو دیکھ کر بولے۔ بچو! ہٹو حبیب سود خور آ رہا ہے کہیں ان کے پاؤں کی گرد ہم پر نہ پڑ جائے، اس سے دل میں جو آگ لگی تھی اور بھی زیادہ بھڑک اُٹھی۔ حبیب عجمی حضرت حسن بصری کی بارگاہ میں پہنچے، تمام گناہوں سے توبہ کی اور اپنے گھر کی طرف چل دیئے، واپسی میں بھی بچے کھیل رہے تھے، انھیں دیکھ کر بولے۔ بچو! ہٹو، حبیب تائب ہو کر آ رہا ہے کہیں ہمارے پاؤں کی گرد ان پر نہ پڑے اور وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ ان کی توبہ سچی تھی، خدا نے انھیں اپنے مخصوص بندوں میں شامل کر لیا۔ سلوک کے مقامات طے کئے اور ولایت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ ارباب سیر اپنی کتابوں، تذکروں میں ان کے حالات وکوائف درج کرتے ہیں اور وفور شوق میں تحریر کرتے ہیں، آپ نے ۸۰ر سال کی عمر پائی۔

ماہ محرم ۲۰۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

**〈۱۴〉 خواجہ حسن بصریؓ۔** حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سلک السلوک ص: ۳۴۳ اور سلک ۱۴۰ میں تفصیل سے آپ کے حالات بیان کئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں......

> حضرت حسن بصری علم و عمل کے قبلہ اور حلم و ورع کے کعبہ تھے، آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ باندی تھیں۔ جب وہ کسی کام میں مشغول ہوتیں، تو عالم طفولیت میں آپ رونا شروع کر دیتے، ام سلمہ اپنا مبارک دودھ ان کے منھ میں رکھ دیتی تھیں اور دو چار بوندیں بھی منھ میں ٹپک جاتی تھیں۔ آپ کی شخصیت میں جو تاب و توانائی تھی اسی دودھ کی برکت سے تھی۔ حضرت عمر فاروق نے آپ کا نام حسن رکھا، حضرت علی سے آپ کو گہری عقیدت تھی، انھیں کا خرقۂ خلافت بھی رکھتے تھے۔ (از سلک السلوک مترجم، ص: ۳۴۳)

آپ زبردست عالم و فاضل، فصیح و بلیغ تھے، علوم باطنی میں بھی کمال رکھتے تھے، آپ بصرہ

میں رہتے مگر پانچوں وقت کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا کرتے۔ آپ کا وصال ماہ رجب ۱۱۰ھ
میں ہوا۔

**(۱۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -** آپ کے حالات و کوائف باب چہارم کے صفحہ: ۶۵-۶۶ پر درج ہیں۔ تفصیل کے لئے مذکورہ صفحہ کا مطالعہ کرلیں۔

یہ آپ کے شجرۂ طریقت کے مشائخ کا مختصر تذکرہ وتعارف تھا۔ اس کے مطالعہ سے بخوبی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کا شجرۂ طریقت کس قدر بافیض اور برکت والا ہے جب کوئی شجرہ متصل ہو تو تمام مشائخ کے فیوض و برکات اور روحانی کمالات، شجرۂ طریقت کے مریدین متوسلین تک پہنچتے رہتے ہیں اور قیامت تک یہ فیوض ملتے رہیں گے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی اپنے مشائخ طریقت کا نمونہ اور ان کے فیوض وعرفان کا پیکر عظیم تھے، یہی وجہ ہے کہ ہر ساعت اور ہر لمحہ آپ کی شخصیت جدید فیضان سے متاثر ہوتی تھی اور سیرت و کردار میں نئی آب و تاب دکھائی پڑتی تھی۔ آپ کی شخصیت کس قدر انوکھی تھی، درج ذیل عنوان کا مطالعہ کریں اور غور و فکر سے کام لیں۔

## سیرت و شخصیت-

سیرت و شخصیت ارتقائی عمل سے گزرتی ہے اور لمحہ بہ لمحہ پروان چڑھتی رہتی ہے، ارباب تصوف نے آپ کی سیرت و شخصیت کا مطالعہ کیا اور مختلف انداز میں اپنے اپنے تاثرات پیش کئے۔ کہیں یہ تاثرات سنے ہوئے ہیں اور کہیں آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے مشائخ آپ سے ملاقات کرنے کے لئے بدایوں آیا کرتے تھے۔ آپ عابد و زاہد تھے، تقویٰ و پرہیزگاری میں کمال رکھتے تھے، خدا کے ذکر و فکر میں راتوں کو حلال کرتے تھے اور پل بھر کو سویا کرتے تھے۔ آپ کی ذات و شخصیت سے کچھ اس طرح کے کرشمے ظاہر ہوئے۔

**فوائد الفواد کے حوالہ سے -** میں اس سے قبل یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اپنی ملفوظات اور مجلس مذاکرہ میں بدایوں شریف کے بزرگوں، ولیوں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا ذکر کیا ہے، چونکہ آپ بذات خود بدایوں شریف سے تعلق رکھتے تھے اس لئے آپ نے یہاں کے یعنی بدایوں کے بزرگوں کا ذکر کیا۔ آپ نے جو بھی تذکرے کئے ہیں لائق تسلیم ہیں کیونکہ بہت سے اولیاء مجاذیب خود آپ کے زمانۂ اقدس میں بدایوں میں رہتے تھے اور بعض بزرگ ایسے تھے جن کے حالات آپ نے دیکھنے والوں سے سن کر بیان کئے ہے، انھیں سنے ہوئے تذکروں میں حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی کا تذکرہ بھی ہے۔ آپ کے بیان کردہ تذکرہ سے بڑے سرکار کی شخصیت میں یہ چند خوبیاں تھیں۔

**اولاً -** سرزمین بدایوں میں آپ کی وجہ سے رونق اور چہل پہل رہتی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ بدایوں میں آپ کو قبولیت حاصل تھی اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے مریدین متوسلین موجود تھے۔ جو آپ کے آستانہ پر حاضر رہتے اور بادۂ عرفاں سے مست و بیخود ہوتے رہتے تھے اور آپ کی مجلس میں شریک رہا کرتے تھے۔ کسی ذات منفرد سے ہزاروں کا جڑے رہنا بلا وجہ نہیں تھا، بلکہ یہ جم غفیر اور لوگوں کا مائل ہونا اس بات کی واضح علامت تھی کہ آپ کی شخصیت اور سیرت نادر و نایاب تھی۔ ارباب فکر و دانش لاکھ کوشش کریں اس زاویہ سیرت کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔

**ثانیاً -** یہ کہ آپ مستجاب الدعوات تھے یعنی آپ جو دعا کر دیتے تھے وہ قبول ہوتی تھی اور جو فرما دیا کرتے تھے وہ ہو کر رہتی تھی، جس طرح آپ حیات میں مستجاب الدعوات تھے، بعد از وصال بھی یہ خوبی پائی جاتی ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ان کے مزار پاک پر ایک میلہ سا لگا رہتا ہے۔ ہر قسم کے فریادی یہاں آتے ہیں اور اپنی اپنی التجائیں ان کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں اور اپنے خالی دامن کو گل مراد سے بھر کر جاتے ہیں۔ ان فریاد کرنے والوں میں مریض بھی ہوتے ہیں اور پریشان حال بھی، آسیب زدہ بھی ہوتے ہیں اور حاکم وقت

کے ستائے ہوئے بھی۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات سے منقولہ عبارتیں ملاحظہ فرمائیں،آپ فرماتے ہیں......

(۱) یہاں سے پھر خواجہ شاہی موئے تاب کی بابت ذکر ہوا کہ خلقت کا بڑا ہجوم آپ کے گرد رہتا جہاں جاتے خلقت آپ کے گرد جمع ہو جاتی۔(فوائد الفوائد، جلد چہارم،ص:۱۹۱)

(۲) اس بزرگ کی کرامت کے بارے میں ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ وہ بارہا کہا کرتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد اگر کسی کو کوئی مہم پیش آئے تو میری قبر پر آئے،اگر تین دن میں یہ کام سرانجام نہ ہو تو چوتھے روز آئے،اگر چوتھے روز بھی سرانجام نہ ہو میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجادے۔ (فوائد الفواد، جلد سوم،ص:۱۹۵)

یہ دونوں عبارتیں فوائد الفواد سے لی گئی ہیں،عبارت نمبر ۱ سے حضرت بڑے سرکار کی عظمت، بلند بالا شخصیت اور عبارت ۲ سے آپ کے مستجاب ہونے کا نظریہ واضح ہوتا ہے۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت کا ایک روپ ہے۔اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا محاورہ آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کو تقویت دے رہا ہے۔آپ کے وصال کو تقریباً سات سو سال گذر چکے ہیں۔جب سے آج تک حاجت مندوں کی ایک بھیڑ جمع رہتی ہے اور سب اپنی اپنی مرادیں لے کر آتے ہیں،کسی نے اینٹ سے اینٹ بجادینے کی جسارت نہیں کی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک ان کی مرادیں پوری ہوتی رہی ہیں،اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی جسارت ضرور کرتا۔ خود آپ کی حیات پاک میں ایک ایسا موڑ بھی آیا کہ آپ کی دعا سے مرض کو بھاگنا پڑا اور آپ کی ذات و شخصیت مثل آئینہ کے نمایاں ہوگئی کہ یقیناً آپ مستجاب الدعوات ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں......

(۳) ایک مرتبہ شیخ نظام الدین ابوالموید رحمتہ اللہ علیہ بیمار ہوئے تو شاہی موئے تاب کو بلایا اور کہا دعا کرو تا کہ یہ بیماری رفع ہو جائے، خواجہ شاہی نے عذر کیا کہ آپ بزرگ ہیں پھر مجھ سے اس بات کی خواہش کرتے ہیں، مجھ سے ایسی بات نہ کہیں، لیکن شیخ صاحب نے ایک نہ مانی، فرمایا ضرور دعا مانگنی چاہیے تا کہ میں بھی صحت یاب ہو جاؤں، کہا بہتر ہے تو میرے دو یاروں کو بلاؤ، ایک کا نام شرف جو نیک بخت آدمی ہیں اور دوسرا ایک درزی، غرض کہ دونوں کو بلایا گیا خواجہ شاہی نے انھیں کہا کہ شیخ نظام الدین صاحب نے مجھ سے دعا کو فرمایا ہے اب تم میرے یار ہو اور اس کام میں میری مدد کرو، شیخ صاحب کے سر سے لے کر سینے تک میرے متعلق رہا اور سینے سے لے کر ایک پاؤں تک ایک کے متعلق اور دوسرے کے متعلق دوسرا پاؤں، مختصر یہ کہ تینوں مشغول بہ دعا ہو گئے۔ فوراً بیماری صحت میں بدل گئی۔ (فوائد الفواد، جلد سوم، ص: ۱۰۴-۱۰۵)

اس پورے واقعہ کا مرکزی کردار حضرت خواجہ نظام الدین المؤید ہیں آپ بذات خود ولیٔ کامل اور شیخ طریقت تھے، خداوند قدوس نے آپ کو زبردست فضیلت عطا فرمائی تھی۔ عالم و فاضل، فقیہ کامل تھے۔ آپ غزنی کے رہنے والے تھے، آپ کے دادا اپنے وقت کے کاملین میں تھے اور شمس العارفین ان کا لقب تھا، دہلی تشریف لائے اور قطب الدین بختیار کاکی کے مرید ہوئے، حضرت سلطان العارفین کے دوست تھے، اکثر بدایوں تشریف لاتے تھے اور بڑے سرکار کی خانقاہ میں قیام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بدایوں میں بیمار ہو گئے اور مندرجہ بالا واقعہ پیش ہوا۔ اس سے بھی حضرت شیخ حسن عرف بڑے سرکار کا مستجاب الدعوات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دونوں دوسرے بزرگ جو اس دعا میں شریک تھے۔ ان کے

نام اس طرح ہیں۔ شیخ شرف الدین[1] الخیاط، شیخ احمد[2] الخیاط، یہ دونوں بھی مستجاب الدعوات تھے۔ اس طرح تینوں بزرگوں نے آپ کے لئے دعا فرمائی اور آپ روبہ صحت ہو گئے۔

**بڑے سرکار کی روشن ضمیری -** یہ ہم بتا چکے ہیں کہ پیرومرشد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کو روشن ضمیر کہا کرتے تھے۔ صرف کہا ہی نہیں بلکہ حقیقت میں آپ روشن ضمیر تھے۔ آپ سے کوئی چیز چھپی نہ رہتی تھی۔ آپ ہر بات کو اپنے نور باطن سے جان لیا کرتے تھے، خواہ ذہنی وسوسے ہوں یا دل کی ہموار سطح پر اُٹھنے والے امواج ہوں، سب پر آپ کی نظر رہتی تھی۔ اس روشن ضمیری کے تعلق سے ایک واقعہ فوائد الفواد شریف میں مرقوم ہے، خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں......

> ایک مرتبہ حضرت شیخ شاہی اپنے احباب کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور کھیر پکانے کا بندوبست کیا، برتن چھوٹا ہونے کے سبب دودھ جوش میں آکر گرنے لگا، یہ دیکھ کر ساتھیوں میں سے کسی نے اس کو نکال کر کھالیا۔ جب کھیر پک کر تیار ہوئی اور آپ کے سامنے لائی گئی،

---

ا۔ شرف الدین الخیاط- شیخ شرف الدین الخیاط بلند پایہ کے بزرگ تھے۔ درزی کا پیشہ کرتے تھے۔ حضرت سلطان العارفین کے مرید وخلیفہ تھے۔ پیرومرشد کی توجہ خاص نے آپ کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا صاحب اقتدار اولیائے کرام میں سے تھے عابد وزاہد اور ذی علم تھے، مستجاب الدعوات تھے جیسا کہ مذکورہ واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے، پیرومرشد کے قرب کو پسند کرتے تھے، زندگی میں بھی قریب رہے اور بعد از وصال بھی۔ ۱۹ر شوال ۶۴۵ھ میں آپ کا وصال ہوا، مزار پاک حضرت سلطان العارفین کے جوار میں مغربی جانب گوشۂ جنوب میں واقع ہے۔ (مردان خدا، ص:۱۰۸)

۲۔ حضرت احمد الخیاط- شیخ احمد نام تھا، خیاطی کرتے تھے اس لئے الخیاط سے مشہور ہیں۔ بلند پایہ بزرگ اور صاحب کرامت ولی کامل تھے، حاجی جمال الدین ملتان کے شاگرد رشید اور شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید تھے۔ انتہائی محتاط اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ آپ ہفت احمد میں شمار ہوتے ہیں، حضرت بڑے سرکار کے دوستوں میں تھے، اسی لئے آپ کو حضرت بڑے سرکار نے اپنے ساتھ مجلس دعا میں شامل کرلیا تھا، آپ جب سفید کپڑا کسی کا سیتے تو رنگین لباس پہن لیتے تھے اور رنگین سیتے تو خود سفید لباس زیب تن کر لیتے محض اس مقصد سے کہ کپڑے کا ایک تار بھی آپ کے لباس میں نہ جائے، آپ کا طریقہ تھا کہ تمام کترن بین بین کر سلوانے والے کے حوالہ کر دیتے تھے اور جو مزدوری ملتی تھی اسی پر قناعت کرتے تھے۔ آج کل جو درزی کا کام کرتے ہیں انھیں اس واقعہ سے عبرت لینی چاہیے۔ آپ کا وصال ۸ر رمضان ۶۶۲ھ میں ہوا۔ (ماخوذ از- مردان خدا، ص:۱۶۶)

آپ نے فرمایا۔اس کھانے میں خیانت ہوئی ہے، میں نہیں کھاؤں گا
چنانچہ تفتیش حال کی گئی، دوشخصوں نے اس امر کا اعتراف کیا اور کہا
دودھ کے ضائع ہونے سے ہم نے یہ بہتر سمجھا اس کو کھالیں۔آپ
نے فرمایا، تمہارا یہ فعل نامناسب ہوا اس لئے تم دونوں اس کی سزا بھگتو
اوراتنی دیر تک دھوپ میں کھڑے رہو کہ تمہارے جسم سے اتنا پسینہ نکل
جائے جتنا دودھ تم نے کھایا ہے چنانچہ دونوں احباب بے چوں چرا
کئے دھوپ میں کھڑے ہوگئے۔جب ان کے جسم سے کافی پسینہ نکل
گیا تو آپ نے جراح کو بلوا کر اپنی فصد کھلوادی اور جتنا پسینہ احباب
کے جسم سے خارج ہوا تھا اسی کے بہ قدر اپنے بدن سے خون نکلوایا۔یہ
بیان سنا کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے ارشاد فرمایا۔دیکھئے
خواجہ شاہی موئے تاب کے حسن معاملہ کا یہ معیار تھا۔محبت اور انصاف
کا تقاضا بھی یہی تھا۔ (فوائد الفواد، بحوالہ تذکرۃ العارفین، ص:۱۰۱)

یہ واقعہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، عوام اہل سنت کا یہ زبردست المیہ ہے کہ وہ کسی بھی واقعہ کو کرامت کے صیغہ میں لے لیتے ہیں اور اس میں پوشیدہ بہت سے ٹھوس حقائق کو نظر انداز کردیتے ہیں۔تذکروں میں یہ واقعہ بھی درج ہے، اس کے ساتھ یہ المیہ بھی پیش آیا، مگر میں اس میں پوشیدہ چند حقائق کی وضاحت کرر ہا ہوں، تاکہ عوام اہل سنت اس واقعہ سے کچھ عبرت حاصل کریں۔

**اولاً۔** حضرت بڑے سرکار نے فرمایا۔اس کھانے میں خیانت ہوئی میں نہیں کھاؤنگا، اس سے یہ ثابت ہوا، باورچی صرف پکانے کا اختیار رکھتا ہے، وہ جنس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ تمام چیزیں ان کے پاس بطور امانت رہتی ہیں۔اگر کوئی چیز ضائع ہورہی ہے، جیسا کہ اس واقعہ میں دودھ ضائع ہورہا تھا، تو یہ غیر اختیاری تھیا اور اس کا کھالینا اختیاری تھا اس لئے

اس فعل کو امانت میں خیانت کرنا بتایا گیا، جو شرعی اعتبار سے سخت منع ہے۔

**ثانیاً-** باورچی یا اسکے ساتھیوں سے خیانت ہوئی، لیکن حضرت نے اسے کھانے سے منع فرما دیا۔ اگر چہ عام لوگ اس کو کھا سکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، مگر کہا جاتا ہے **حسنات المومنین سیئات للابرار-** کہ عام مومنین کی نیکیاں صاحب کرامت بزرگوں کے لئے گناہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سے حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کی عظیم شخصیت اور اعلیٰ مرتبت کا اظہار ہوتا ہے۔

**ثالثاً-** دھوپ میں کھڑا کر کے بدن سے بہے ہوئے دودھ کی مقدار میں پسینہ نکلوانا جہاں یہ سزا ہے وہیں یہ تجویز خالص معاشرتی اصلاح پر بھی دلالت کرتی ہے تاکہ آئندہ اس قسم کی خیانتوں سے کسی کا دامن ملوث نہ ہو اور معاشرہ صاف ستھرا رہے۔

**رابعاً-** یہ صرف سنا گیا تھا کہ پسینہ کی جگہ خون بہانا، مگر حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی نے اس پر عمل کیا کہ ایک پیر کامل اور مرشد برحق کا یہی کردار ہر حال میں ہونا چاہیے کہ جہاں متوسلین ومعتقدین پسینہ بہائیں وہاں ہمیں خون بہانا چاہیے کہ یہی حسن معاملہ اور انصاف و دیانت کا تقاضہ ہے۔ یہ پورا واقعہ حضرت والا کی روشن ضمیری پر دلالت کرتا ہے اس لئے اسی عنوان کے تحت اسے درج کیا گیا ہے۔ اسی طرز پر اگر تمام مسلمان بزرگوں کے حالات و واقعات پر غور کرنے لگیں تو میں سمجھتا ہوں کہ خود ان کے اندر طہارت، پاکیزگی، صفائی باطن کی خوبیاں پیدا ہو جائیں گی اور پورا معاشرہ صاف ستھرا ہو کر رہے گا۔ مگر دور حاضر میں ہمارا زاویۂ فکر کچھ بدلا بدلا سا نظر آرہا ہے، یہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے ہمارے سماج و معاشرہ میں بغض وحسد، کدورت، خیانت، بددیانتی جیسی مذموم عادتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان بدترین عادتوں سے محفوظ فرمائے۔

**سماع آداب و شرائط-** تصوف وسلوک سے دلچسپی رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ بزرگوں کے یہاں محفل سماع منعقد ہوا کرتی تھی اور بڑے بڑے مشائخ اس میں

شریک ہوتے تھے۔ان کی نظر نہ آواز پر ہوتی تھی اور نہ ہی کلام پر بلکہ یہ مقدس حضرات جلوہ ربانی اور انوار تجلیات سے اپنے دلوں کو منور و تابناک کیا کرتے تھے۔ان کی خاص توجہ ذات کی طرف ہوتی تھی اور فیوض ربانی سے خود کو نہال کرتے تھے، وہ خود میں غلبہ حق کو پاتے تھے اور غیر کی طرف ذرا بھی ان کا دھیان نہ جاتا تھا، جو فرد عظیم اس مرتبہ کا حامل ہوا کرتا ہے، جب انکے کانوں میں اچھے نغمات، خوبصورت لب ولہجہ اور ترنم کا نشیب وفراز اور شگفتہ الفاظ پہنچتے ہیں، تو ان کے قلوب میں عشق حقیقی کی جو آگ لگی ہوتی ہے وہ بھڑک اٹھتی ہے، بلکہ شعلہ جوالہ بن کر اسے بے چین و مضطرب کر دیتی ہے۔ بتایئے ان مقدس و برتر انسانوں کی نظر کس پر ہوا کرتی تھی، خوش کن نغمات پر، شگفتہ لفظوں پر؟ یا پھر پرسرور لب ولہجہ پر، انصاف کی بات یہ ہے کہ انھیں اس کی ضرورت نہیں بلکہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ یہ الفاظ کہاں سے بیدار ہوتے ہیں اور کیا انکشاف کرنا چاہتے ہیں، ہندوستان میں بھی، خانقاہوں اور بزرگوں کی بارگاہ میں سماع کا دور رہا ہے اور اس کی بزمیں سنواری گئیں ہیں۔حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس ذوق وشوق سے تعلق رکھتے تھے، ان کے دل میں عشق حقیقی کا شعلہ جوالہ پھوٹتا تھا اور قلبی رجحان انوار و تجلیات کی طرف بڑھتا رہتا تھا۔جب اس قسم کی شدید کیفیت آپ پر طاری ہوتی تھی، تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور حالت دگرگوں ہو جاتی تھی، اس وقت آپ کے احباب اور مریدین و خلفا محفل سماع کا انعقاد کیا کرتے تھے۔آپ کی اس اندرونی کیفیت کا شدید احساس، حضرت سیدنا قطب الدین بختیار کاکی کو بھی تھا۔اسی شدید احساس کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے حضرت قطب صاحب نے اپنے دربار کے دو قوال آپ کے ساتھ کر دیئے، مولوی ضیاء علی خاں مرحوم لکھتے ہیں......

وقت روانگی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنی خانقاہ کے دو قوال مسمیان عبدالکریم وعبدالرحیم آپکے ساتھ کر دیئے تھے، ان دونوں کا سماع آپ کو پسند تھا۔(تذکرۃ العارفین، ص:۸۶)

حقیقت بیں نگاہ سے دیکھئے تو سماع درد دل کی دوا ہے اور مضطرب روح کے لئے دست شفقت ہے کہ اس سے ذکر و فکر کا ایسا نشہ طاری ہوتا ہے جو اتارے نہیں اترتا ہے، اسی صورت میں جیب و گریباں کو چاک کئے بغیر کام نہیں بنتا مگر یہ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب سنانے والوں کے دل میں بھی واردات سچی ہوں، حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کے دل میں سماع کا یہ ذوق وشوق اور یہ لذت و شادکامی پیرومرشد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کی خاص توجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ خود قاضی حمید الدین ناگوری سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے اور وفور شوق کے ساتھ ساتھ راتوں کو پلکوں میں گزار دیتے تھے۔ سلسلہ سہروردیہ میں سماع کا رواج و چلن نہیں رہا ہے۔

اس سلسلہ کے بانی و سردار حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نے کبھی بھی سماع نہ سنا اور نہ ہی اس طرف ان کا قلبی میلان تھا۔ یہاں جب مشائخ تشریف لائے تو ان کے لئے محفل سماع کا انعقاد ضرور کرتے مگر، خود اس میں شریک نہیں ہوتے، بلکہ تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو جاتے تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریا نے بھی محفلِ سماع میں شرکت نہیں کی۔ سلسلۂ سہروردیہ کے سب سے پہلے بزرگ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں سماع کی بنیاد رکھی اور اسے رواج دیا۔ شاہ مراد سہروردی لکھتے ہیں......

> جب حضرت قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی صاحب کی تعلیم کے بعد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی عازم دہلی ہوئے تو راستہ میں دیکھا ایک گنجان درخت پر ققنس نامی پرندہ بیٹھا ہے اور مستی کے عالم میں گا رہا ہے جس سے پوری فضا لبریز نغمہ بنی ہوئی ہے آپ جو قریب سے گزرے تو اس کی ترنم ریزیاں سن کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو دیر تک سر دھنتے اور وجد کے عالم میں گھومتے رہے، یہ

ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ ہوتا ہے جس کی منقار میں چھوٹے بڑے دو سو سوراخ ہوتے ہیں، جب وہ مستی میں آکر گاتا ہے تو منقار سے گونا گوں نغمات پیدا ہوتے ہیں جس سے جنگل کا جنگل لبریز ہو جاتا ہے یہی صورت اس وقت ہوتی جب آپکے ہوش درست ہوئے اور آنکھیں کھلیں تو کیا دیکھتے ہیں حضرت خضر سامنے کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں، فرمایا- حمید الدین سنا اور سمجھا کہ سماع کیا چیز ہے اور اس کے اندر سوز و کیف کی کتنی دنیا پوشیدہ ہیں۔ تو نے آج ہی سنا ہے مگر مشائخ اسے ابتدا ہی سے سنتے چلے آئے ہیں۔ (محفل اولیاء، ص:۲۶۶)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ فیاض قدرت نے اصوات ونغمات میں ایسی کشش اور تاثیر پیدا کی ہے کہ سنتے ہی انسان مدہوش ہو جاتا ہے اور کبھی مدہوشی سے ہوش میں آجاتا ہے۔ یہ تو انسان کی بات رہی، غیر انسان، جمادات، طیور و وحوش بھی نغمہ ریزی سے اسی عالم کیف میں مست اور بیخود ہو جایا کرتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب ترنم ریزی فرماتے، تو حیوانات کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے، بکریاں چرنا بھول جاتی تھیں، اور اوراق شجر بھی مستی میں جھومتے نظر آتے تھے۔ اگر انسان نغمہ وترنم پر اپنی جاں نچھاور کرے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

**سماع کے شرعی احکام -** ارباب تصوف 'سماع' کے تعلق سے گفتگو کرتے رہے ہیں اور اس کے مختلف اقسام کی وضاحت بھی کرتے رہے ہیں، مطلق سماع کو نہ جائز کہا جا سکتا ہے اور نہ ناجائز، اس کے جواز وعدم جواز کے مختلف اصول و پیمانے ہیں ایک ہی اصول کے تابع کر کے سماع پر بحث نہیں کی جاسکتی ہے۔ سماع میں مندرجہ ذیل چیزیں اپنے اپنے کاموں کو انفرادی طور پر انجام دیتی ہیں۔

(۱) **سامع -** اس سے سننے والے مراد ہیں، شرعی نقطۂ نظر سے سماع وہ سن سکتا ہے جس

کے قلب پر ایسا غلبہ واختیار ہو کہ غیر کی طرف قطعی دھیان نہ جائے اور شہوات نفسانیہ کا اس کے پاس سے گزر نہ ہو۔ اگر کوئی سامع اس حیثیت کا نہیں، تو وہ سماع کے سننے کا اہل ہی نہیں۔ (۲) **مسموع**- وہ کلام ہے جو سنایا جا رہا ہے وہ فحش اور ادب کے خلاف نہ ہو، اس میں ایسے الفاظ وتراکیب لائے جائیں جو شرعی اعتبار سے درست اور صحیح ہوں، کلام اگر ادب کے خلاف ہو اور شرعی تقاضوں پر پورا نہ اترتا ہو، تو اسے نہ پڑھا جائے اور نہ ہی سنا جائے۔ (۳) **مُسمِع**- سنانے والے بھی اہل ہوں، مرد یا عورت نہ ہوں بلکہ سب کے سب پابند شرع ہوں وہ کلام کے معنی بھی سمجھتے ہوں۔ (۴) **مِسمَع**- یعنی آلہ سماع اس میں آلات لہو ولعب اور مزامیر نہ ہوں، ڈھول، ہارمونیم وغیرہ یہ سب مزامیر میں آتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ان آلات سے سماع کو محفوظ رکھا جائے کہ ان کی وجہ سے سماع کا تقدس پائمال ہوتا ہے جہاں یہ آلات نہ ہوں وہ سماع جائز ہے۔ (۵) **مسمع** - اس سے سماع کی مجلس مراد ہے، اس میں مشاق نہ ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سماع کی محفل میں جو لوگ شریک ہوں سب کے سب نیک پابند شرع اور اہل دل ہوں، انکے دل میں شہوات نفسانی نہ ہوں، ورنہ ایسی محفل میں شرکت جائز نہیں۔ (۶) **سماع** - ایسے وقت میں نہ سنا جائے جس سے نماز، جماعت یا کسی امر شرعی میں خلل پڑے اور یہ وقت تردد بھی نہ ہو۔ (۷) **اسماع**- سنانا بھی ایسے ہی وقتوں میں پایا جائے جس سے نماز/ جماعت اور کسی مریض کے آرام میں مشکل واقع نہ ہو۔

مندرجہ بالا امور کو سامنے رکھتے ہوئے آپ خود بھی طے کر سکتے ہیں کہ کون سی سماع جائز ہے اور کون سی ناجائز ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر کرتے ہیں......

---

۱۔ سامع -سننے والے، ۲۔ مسموع -کلام منظوم، ۳۔مُسمِع-سنانے والے، ۴۔مسمع-الہ سماع یعنی مزامیر وغیرہ، ۵۔مَسمَع-مجلس سماع۔

سماع کہ بے مزامیر ہو اور مسمع نہ عورت ہو نہ مرد اور مسموع نہ فحش نہ باطل اور سامع نہ فاسق ہو نہ شہوت پرست ہو، تو اس کے جواز میں شبہ نہیں، قادریہ، چشتیہ سب کے نزدیک جائز ہے اور نہ سب کے نزدیک ناجائز۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص: ۲۳۳)

سماع کے تعلق سے یہ تفصیلی بیان واضح کرتا ہے کہ حضرت بڑے سرکار کی خانقاہ میں جو محفل سماع منعقد ہوتی تھی۔ اس میں تقدس اور پاکیزگی مکمل طور پر پائی جاتی تھی اور جو لوگ اس میں شریک ہوتے تھے، سب اہل دل ہوتے تھے۔ صاحب حال و وجد بھی ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس محفل میں رحمتوں کا نزول ہوتا تھا اور انوار و تجلیات کی بارش ہوا کرتی تھی، کتنے افراد ایسے بھی ہوتے تھے کہ ان کے گریباں چاک ہوتے، دامن پھٹتا، زلفیں الجھتیں اور بہت سے افراد کے دموں سے آہ و فغاں کا دھواں اُٹھتا اور عشق و محبت کے شعلے بھڑکتے۔ اللہ اللہ یہ محفل کس قدر نورانی ہوتی تھی کہ کتنے گنہگار اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور پھر ان کے دلوں سے کدورت رفو چکر ہوتی اور رات کے سناٹے میں شور و غوغا بلند ہوتا، اب وہ ایام کہاں جہاں کی راتیں بھی دنوں کی مانند دکھائی پڑتی تھیں اور شب دیجور کی ظلمتیں بھی نور و نکہت میں بسی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اے سرزمین بدایوں تجھے سلام کہ تیرے دامن سے ایسی ساعتیں بھی وابستہ تھیں جن پر چاند کی چاندنی اور دن کے اجالے بھی قربان ہوتے تھے۔

## حضرت مسعود نخاسی اور حضرت بڑے سرکار

حضرت مسعود نخاسی[1] ایک مجذوب صفت انسان تھے، واقف اسرار ربانی اور رموز یزدانی سے آشنا تھے، رندانہ وضع قطع اور قلندرانہ لباس زیب تن کرتے تھے، جذبہ و سلوک میں رہا کرتے تھے، صاحب باطن تھے، جذب کی حالت میں جنگل کی طرف نکل جایا کرتے

---

۱۔ حضرت مسعود نخاسی۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی کسی تذکرہ میں مسعود اور کسی میں محمود تحریر ہے۔ نخاسی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ دن بھر نخاسہ میں رہتے شام کو اپنے سر پر لکڑی کا گٹھر رکھ کر اپنے تکیہ میں آجاتے، مولانا بہاء الدین ابن مولانا جلال الدین سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حضرت نجم الدین کبری کے مرید و خلیفہ تھے۔ خوارزم میں رہا کرتے تھے وہاں سے اصفہان اور نیشاپور ہوتے ہوئے غور پہنچے، پہلے اجمیر شریف پھر بدایوں آئے۔ ۲۹؍ربیع الثانی ۶۳۳ھ میں وصال ہوا۔

تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی کرتے تھے۔ حضرت بڑے سرکار جامع مسجد میں پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ جب اپنی خانقاہ میں ہوتے تو لوگوں کا ہجوم بھی آپ کے ساتھ ہوتا اور جب جامع مسجد شمسی میں نماز کو جاتے تو خلقت بھی آپ کے ساتھ ہوتی تھی، محفلِ سماع کی یہ گرم بازاری دیکھ کر فرمایا - اے حسن تم نے عشق و محبت کی جو یہ آگ لگائی ہے، کہیں تم خود اس میں نہ جل جاؤ۔ جس کے جواب میں حضرت نے فرمایا- تو خود سوختہ خواہی شد تو خود بھی جل جائے گا۔

بالآخر حضرت مسعود نخاسی رحمتہ اللہ علیہ ۶۳۳ھ میں جلتے ہوئے الاؤ میں اچانک گر کر جاں بحق ہوئے۔ مزار شریف جامع مسجد شمسی کے شرقی دروازہ سے متصل ہے۔

**نہ ہو جائے کوئی خاطر کبیدہ-** یوں تو اس جہاں میں بہت سے علوم و فنون ہیں مگر فن تصوف کا رنگ کچھ الگ انداز کا ہوتا ہے ارباب تصوف کے یہاں دلوں کو توڑا نہیں جاتا ہے بلکہ جوڑا جاتا ہے اور دلوں کے رشتے مضبوط کئے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں ہر قوم کے لوگ آتے ہیں۔ اپنے بھی اور بیگانے بھی، مسلمان بھی آتے ہیں اور غیر مسلم بھی، کسی کو خاطر کبیدہ کرنا ارباب تصوف کا شیوہ نہیں رہا ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ بے ادبی کی یہاں گنجائش ہی نہیں۔ جو لوگ بے ادبی سے پیش آتے ہیں انھیں سزا ضرور ملتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ اسکے خاصان کی شان میں غلط الفاظ کہے جائیں۔ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ بڑے محتاط تھے، اور اپنی کتاب کسی کو دینے میں بڑے احتیاط سے کام لیتے تھے۔ یہ سرشت کوئی غلط نہیں، نہ فکری اعتبار سے اور نہ ہی شرعی اعتبار سے، اس قسم کا ایک واقعہ پیش ہوا جس سے آپ خاطر کبیدہ ہو گئے......

> حضرت بڑے سرکار کے مزاج میں زبردست احتیاط یہ تھی، حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوف کی کوئی کتاب آپ کسی کو نہیں دیتے۔ مانگنے والا لاکھ کوشش کرتا مگر حضرت کے مزاج میں اس بابت جو انفرادیت پائی جاتی

تھی، وہ تا عمر قائم رہی اور آپ نے کبھی بھی اس سے انحراف اختیار نہیں کیا۔ بدایوں میں ایک مولانا نور بدایونی تھے، صاحب علم، ذی وقار تھے، علم وفن سے تعلق تھا، علم حدیث فقہ وتفسیر اور تصوف سے بھی آشنا تھے، حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ عرض کیا...... حضور! مجھے فلاں کتاب عطا کر دیجئے، ارشاد گرامی ہوا۔ مولانا! میں کتاب کسی کو دیتا نہیں، خواہ مانگنے والا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو؟ حضرت کو کتاب نہ دینی تھی اور نہ دی۔ اس سے مولانا کو کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہیے کہ وہ کتاب کا مالک ہے، کسی کو دے یا نہ دے، ان کا اپنا اختیار ہے۔ مگر مولانا اپنے علم وشعور کے زعم میں تھے۔ انھیں حضرت کا دینے سے انکار کرنا پسند نہ آیا۔ بدایوں سے ہجرت کر گئے اور اس دور کے اساتذہ سے علم سیکھا، احادیث وروایات احادیث کا فن سیکھا۔ مختلف علوم وفنون میں فضیلت و برتریت حاصل کی اور پھر دلی آ گئے۔ زعم ونخوت، دلوں میں بھری ہوئی تھی۔ غرور وکدورت اپنے ساتھ دلی لے کر آئے تھے وعظ کیا اور اسی دوران مولانا نے کہا۔ میں نے حسن شیخ شاہی سے فلاں کتاب طلب کی انھوں نے منع کر دیا اور میں معلومات کا ایسا ذخیرہ رکھتا ہوں کہ اس جیسی ۱۰۰ رکتابیں لکھ سکتا ہوں۔ اس مجلس وعظ میں بدایوں کے لوگ بھی تھے اور کچھ بڑے سرکار کے دوست احباب بھی تھے، انھیں میں سے کسی نے بدایوں آ کر حضرت شیخ شاہی سے عرض کیا۔ حضور! فلاں مولانا نے یہ کہا اور یہ کہا۔ مولانا کی اس بیجا جسارت اور نخوت علم وشعور سے آپ کبیدہ خاطر ہو گئے، دل کو ٹھیس پہنچی۔ شیشہ قلب پر مولانا کا مذکورہ جملہ ہتھوڑا بن کر گرا جس سے شیشۂ قلب چور چور ہو گیا۔ حضرت بڑے سرکار نے اس

صدمہ کو برداشت نہ کیا اور فرمایا - نہ اس کا حج اور نہ ہی اس کا علم، اِدھر زبان مبارک سے یہ کلمات صادر ہوئے اور اُدھر قلب دماغ سے علم محو ہو گیا۔ مولانا سکتہ میں پڑ گئے، یہ کیا ہوا، کتابیں ہاتھ میں ہوتیں، صفحات کے صفحات پڑھتے جاتے، معانی کا گہرا سمندر ان کی دسترس سے باہر، کچھ سمجھ میں نہ آتا، آخر یہ معمہ کیا ہے۔ علم وشعور فکر ودانش کا اتنا بڑا ماہر اور علمی بیچارگی کا یہ عالم؟ افسوس صد افسوس، اسی کشمکش میں روز و شب گزرتے رہے، نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔ ایک شب اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے، نیند کا خمار تھا۔ آنکھیں لگ گئیں، خواب میں دیکھا کوئی کہہ رہا تھا - اے مولانا نور بدایونی! تم نے بہت بڑی غلطی کی، خواجہ حسن شیخ شاہی کی بارگاہ میں بے ادبی کی۔ جب تک وہ معاف نہ کریں گے، تمہاری یہ پریشانی دور نہ ہوگی۔ کسی طرح سے رات گذری، صبح سویرے رخت سفر باندھا، دہلی سے بدایوں کی طرف چل دیئے، راہ کی صعوبتوں کو برداشت کیا، تکان دور ہونے کا بھی انتظار نہ کیا۔ بڑے سرکار کی بارگاہ میں پہنچے، معذرت طلب کی، قدموں میں گر گئے، معافی تلافی کی مگر حضرت نے اس طرف التفات نہ کیا۔ پریشانی مزید بڑھ گئی۔ بدایوں سے ناگور کا سفر کیا۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کی بارگاہ میں رسائی حاصل کی۔ سارا قصہ بیان کیا اور عرض کیا - آپ میری سفارش فرما دیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا - مولانا بہت دیر ہوگئی۔ اب یہ معاملہ میرے اختیار میں بھی نہیں ہے، لہٰذا تم بابا فرید الدین کی بارگاہ میں جاؤ، شاید وہ تمہاری مدد کر دیں۔ ناگور سے پھر دہلی آئے، مولانا نجیب الدین متوکل سے ملے، جو حضرت بابا فرید الدین کے چھوٹے بھائی تھے، فرمایا۔

مولانا آپ اجودھنی چلے جائیں اور یہ میرا خط بھی لے کر جائیں۔ حسب ہدایت مولانا نور بدایونی اجودھنی پہنچے اور مولانا نجیب الدین متوکل کا خط بابا فرید الدین کے حوالہ کیا۔ خط کا جواب پانے کے لئے منتظر رہے، ایک دن دو دن نہیں، ایک ماہ دو ماہ نہیں بلکہ پورے دو سال رہے مگر خط کا جواب نہیں ملا۔ انتظار کی گھڑیاں کس قدر قیامت خیز ہوتی ہیں، سب کو معلوم ہے۔ مولانا نے اس دو سال کی مدت کو کس طرح گذارا ہوگا۔ اگر آپ کے پہلوئے جگر میں دھڑکتا ہوا دل ہے، تو آپ محسوس کر سکتے ہیں، ایک دن ہمت کر کے بابا فرید کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، سارا قصہ بیان کیا اور عرض کیا۔ حضور! میرا یہ کام کر دیں آپ کا بڑا کرم ہوگا۔ بابا فرید نے فرمایا۔ مولانا اتنے دنوں تک رُکے رہے، تھوڑا اور صبر سے کام لو، خواجہ قطب الدین کے یہاں فقراء ہند کا جلسہ ہونے والا ہے، شیخ شاہی ضرور تشریف لائیں گے، میں بھی جاؤں گا۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی سبیل ضرور نکلے گی۔ مولانا دن کو ساعتوں میں اور ساعتوں کو دقیقوں میں شمار کرتے رہے، بالآخر وہ وقت بھی آہی گیا جس کا برسوں سے انتظار تھا۔

**بارگاہ قطب میں جلسۂ فقرا۔** ایک وقت مقرر پر دہلی میں جلسہ منعقد ہوا، ہندوستان کے تمام مشائخ، اجلۂ اولیاء اور فقرائے عظام حاضر ہوئے۔ ان میں خواجہ حسن شیخ شاہی بھی آئے ہوئے تھے اور بابا فرید گنج شکر بھی۔ جلسہ کے بعد بابا فرید کی ملاقات حضرت شیخ شاہی سے ہوتی ہے، مصافحہ ہوتا ہے۔ حضرت بابا فرید نے ایک ہاتھ شیخ شاہی کے ہاتھ سے ملایا اور دوسرے ہاتھ سے مولانا نور الدین کا ہاتھ پکڑا اور انھیں حضرت شیخ شاہی کے روبرو کر دیا۔ اب مولانا آپ کے قدموں میں ہیں، انھیں معاف کر دیں۔ ان کی خطاؤں کو درگزر فرما دیں۔ حضرت شیخ شاہی نے مولانا نور بدایونی کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور مسکرا

دیئے۔ حضرت والا نے مولانا کو گلے لگالیا اور ارشاد فرمایا۔ مولانا کا وہی جج اور وہی علم وفن، اتنا کہنا تھا کہ مولانا کا دل ودماغ روشن ہوگیا۔ علم کی تاب وتوانائی جسم میں پھیل گئی۔ اسکے بعد مولانا خوش وخرم نظر آنے لگے اور تازندگی اسیر زلف بن رہے۔ اس واقعہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ علم وادراک، فکر وشعور کو بھی عشق کی غلامی قبول کر لینی چاہیے۔ اسی لئے مولانا روم[1] نے فرمایا تھا......

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　　　تا غلام شمس تبریزی نہ بود

حضرت خواجہ حافظ ضیاء الدین نخشبی کا نظریہ ہے عالم کو درویش ہونا چاہیے اور درویش کو عالم ہونا چاہیے کہ ایک دوسرے سے دور رہ کر زندگی گزاری جا سکتی ہے مگر کامیاب زندگی نہیں۔ ہمیں اس واقعہ کو پڑھتے رہنا چاہیے تاکہ ہماری زندگی بھی رشک جناں بن جائے، مولوی ضیاء علی خاں نے اس واقعہ کو تذکرۃ العارفین میں مولانا نور الدین غزنوی سے منسوب کیا ہے اور انوار الٰہی میں مولانا نور بدایونی سے بحوالۂ عظمت الاولیاء اور عظمت الاولیاء حضرت موج دریا کی تصنیف لطیف ہے۔ یہ واقعہ ممکن ہے حضرت موج دریا کا آنکھوں دیکھا ہو، لہٰذا اس کی واقعی صورت حال سے انکار کی گنجائش نہیں۔

**مریدین و خلفاء۔** حضرت سلطان العارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رشد وہدایت اصلاح نفس ومعاشرہ، ریاضت وعبادت، تزکیۂ نفس، طہارت قلب ودماغ کی جو کوششیں کیں اس میں آپ پورے طور پر کامیاب رہے، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اپنے

---

۱۔ مولانا روم۔ نام جلال الدین، والد کا نام محمد حسین الخطیبی ہے۔ ۶۰۴ھ بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ آپ ایران کے سب سے بڑے صوفی شاعر تھے۔ اپنے ہی والد گرامی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد قونیہ آئے اور سید برہان الدین محقق ترمذی سے کسب فیض کرتے رہے پورے ۹ رسال تک صحبت میں رہے بعد تکمیل علوم وفنون درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ حضرت شمس تبریزی کی نظر بافیض نے آپ کی ذات وشخصیت میں زبردست انقلاب برپا کر دیا اور بیان میں غیر معمولی تاثیر پیدا کر دی۔ مثنوی روم میں اسی تاثیر کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ۶۷۲ھ میں بمقام قونیہ وفات پائی۔ مزار شریف والد مکرم کے مزار کے بازو میں واقع ہے۔ (ماخوذ از۔ ادبیات ایران، ص: ۳۶۳)

گناہوں سے توبہ کی۔ تزکیۂ نفس کر کے برگزیدہ بندوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے اور کتنوں کو حضرت والا صفات نے اپنی نگاہِ کیمیا اثر سے اوج کمال تک پہنچا دیا اور خاک کو کندن بنا دیا اور کتنے ذرے تھے جو مہر درخشاں بن کر چمکے، آپکے مریدین کی تعداد کتنی ہے؟ یہ بتانا بہت مشکل ہے مگر پورا شہر بدایوں کل بھی آپ کا معتقد تھا، آج بھی ہے اور کل تک رہے گا۔

آپکے کچھ نامور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

(۱) حضرت سید ابوبکر شاہ ولایت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو چھوٹے سرکار سے مشہور ہیں۔

(۲) حضرت خواجہ عثمان سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے منجھلے بھائی ہیں۔

(۳) حضرت خواجہ شرف الدین الخیاط رضی اللہ تعالیٰ وغیرہ وغیرہ۔

کسی بھی شیخ طریقت کا سلسلۂ رشد وہدایت ان کے جانشیں اور خلفاء کے ذریعہ چلتا رہتا ہے اور تعلیمی سلسلہ بھی دراز ہوتا چلا جاتا ہے۔ آپ نے جو پند ونصائح کئے ہیں، اس کے راوی حضرت شیخ ابوبکر موئے تاب ہیں۔

**پند و نصائح** - یوں تو آپ نے پند ونصائح کثیر تعداد میں ارشاد فرمائے مگر وہ تمام تعلیمات وارشادات ضبط تحریر میں نہیں، سالِ وصال آپ نے قوم وملت کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے......

(۱) بہترین عمل وہ ہے جو اسلاف سے منقول ہو، اسی طرح بہترین علم وہ ہے جو ان کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہو۔ لہٰذا جو عمل ان سے منقول نہیں اسے مت کرو اور جو علم انھوں نے نہیں فرمایا نہ اسے سیکھو اور نہ اسے بولو۔

(۲) مرد پُر اسرار کو عام میدانوں میں ڈھونڈنا چاہیے پھر میدان حکمت میں اس کے بعد میدان توحید میں، اگر تینوں میدانوں میں سے کسی میدان میں نہ ملے تو ان سے جدائی بہتر ہے۔

(۳) ولیوں کا طریقۂ کار دل سے ہوا کرتا ہے اور دشمنوں کا رویہ اس کے نفسانی خواہشات

کے سبب ہوا کرتا ہے۔

(۴) ہر علم کے لئے ایک بیان ہوتا ہے، ہر بیان کے لئے ایک زبان ہوتی ہے اور زبان سے جو بیان ہوتا ہے اس کی ایک عبارت ہوتی ہے اور عبارت کے لئے ایک اسلوب ہوتا ہے اور اسلوب بھی الگ الگ ہوا کرتا ہے۔ اہل علم کا اسلوب الگ ہے اہل تصوف کا اسلوب جدا ہے جو شخص ان تمام چیزوں میں فرق و امتیاز کی قوت رکھتا ہے، کلام کرنے کا وہی مستحق ہے اور جو امتیاز کی صلاحیت نہیں رکھتا اسے کلام کرنا مناسب نہیں۔

(۵) جو سنت رسول ﷺ کے آداب بجالاتا ہے اسی کے دل میں معرفت ربانی کا نور ہوا کرتا ہے۔

(۶) جو انسان اپنے آپ کو نیک شعار تصور کرے اور خود کو اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شمار کرے اس کے باوجود خواہشات نفسانیہ میں مبتلا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام دعوے جھوٹے ہیں۔

(۷) لوگ صفات کی طرف زیادہ رجوع کرتے ہیں بلکہ اس کے قائل ہیں، حالانکہ لوگوں کو چاہیے اپنے کمالات وصفات کی طرف کم دھیان دے اور ذات وحدہٗ لاشریک کی طرف نظر رکھے۔

(۸) خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی موافقت کرنی چاہیے کہ یہی بہتر ہے، اخلاق کے سوا کوئی بھی مقام ہو بہتر نہیں۔

(۹) خدا سے غافل رہنا تمام غفلتوں سے بڑی غفلت ہے۔

(۱۰) بندہ کسی بھی نیک عمل کو اپنی ذات سے منسوب نہ کرے کہ وہ خود مقہور ہے عمل مقدر ہے تو پھر یہ عمل اس کی ذات اور اس کے اختیار سے کس طرح وجود پا سکتا ہے۔

(۱۱) بندہ کو چاہیے کہ نفسانی خواہشات کی اتباع میں اپنی زندگی برباد نہ کرے۔

(۱۲) خدا کے ذکر و فکر میں مشغول رہنا تمام عبادتوں سے افضل ہے۔

(۱۳) اگر کوئی ۲۰؍برسوں تک فسق و فجور میں مبتلا رہا اور اس نے اس مدت میں اپنے کسی دینی بھائی کو اچھائی کی تعلیم دی تو اس کے لئے یہ تعلیم سب سے زیادہ افضل ہے۔

(۱۴) اگر کوئی خدا کے ذکر و فکر کے ماسوا کسی اور چیز میں چین و سکون محسوس کرے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ یہی اس کے لئے وبال جان ہے۔

(۱۵) نفس کی سرشت میں بے ادبی ہے اور بندہ اسے باادب بنانے پر مامور ہے لہٰذا ہر بندہ کو چاہیے اپنے نفس سرکش کو لگام دے۔

(۱۶) منافق کی قوت غذاؤں سے ہے اور مومن ذکر توحید سے قوت حاصل کرتا ہے۔

(۱۷) عقل کامل وہ ہے جو توفیق کی موافقت کرے، جس سے غرور و پندار پیدا ہو وہ بدترین اطاعت ہے اور وہ گناہ سب سے بہتر ہے جس کے بعد توبہ نصیب ہووے۔

(۱۸) آرام دہ چیزوں سے محبت کرنا حقائق کے درجوں سے نیچے اترنا ہے۔

(۱۹) خدا دلوں کو دیکھتا ہے اور مخلوق کی نظر ظاہر پر رہتی ہے اس لئے ظاہر سے زیادہ باطن کو پاکیزہ دلکش اور بہتر بنانا چاہیے۔

(۲۰) جو ہمت سے کام لیتا ہے وہ خدا تک پہنچتا ہے اور جو ارادت کی راہ چلتا ہے آخرت اس کی منزل ہوتی ہے۔

(۲۱) بندہ کو آخرت سے جو چیز غافل کردے وہ دنیا ہے، بعض کے لئے یہ دنیا سرائے اور بعض کے لئے تجارت گاہ، بعض افراد یہاں مجلس علم سجاتے ہیں اور علم کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور بعض اسی دنیا میں شہوت پرست ہوتے ہیں کہ اسے نفسانی خواہشات کے ماسوا کچھ نظر نہیں آتا، غرض کہ ہر ایک کی ہمت اس کے حوصلہ کے موافق کردی گئی ہے اور بندہ آج تک اسی حوصلہ پر قائم ہے۔

(۲۲) خواہشات جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں، روح کی خواہش، قرب الٰہی ہے، دلوں کی خواہش مشاہدہ اور نفس کی خواہش لذت کوشی ہوتی ہے۔

(۲۳) خداوند قدوس کی عنایتیں ہر حال میں بندوں کے ساتھ رہتی ہیں، خاص طور سے تین صورتوں میں......

اول – استعانت – بندہ خدا سے مدد طلب کرتا ہے اور وہ اسے عطا کرتا ہے

دوم – جہد – بندہ کسی معاملہ میں کوشش کرتا ہے اور خدا توفیق عطا کرتا ہے۔

سوم – ادب – بندہ ادب کے ساتھ اطاعت کرے تو خدا اسے کرامت سے نوازتا ہے۔

(۲۴) بدذوق کو فکر ادب میسر ہو، تو اسے صلاحیت اور توفیق نصیب ہوتی ہے اور جسے صدیقین کا ادب میسر ہوا سے قرب ملتا ہے اور جو ادب سے محروم رہتا ہے اسے مایوسی، حسرت اور افسوس ہاتھ آتا ہے۔

(۲۵) قصور ادب بھی مختلف طرح کا ہوتا ہے قرب میں قصور ادب بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے اور یہی بعد میں ہو تو زیادہ کٹھن نہیں۔ اسے یوں سمجھا جائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر کے سینہ پر بیٹھ گئے اور تلوار نکال کر قتل ہی کرنا چاہتے تھے کہ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کی اس نازیبا حرکت پر آپ نے تلوار میان میں رکھ لی۔ کافر کی طرف سے قصورِ ادب کا یہ اظہار بعد کو واضح کرتا ہے چونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام قرب سے مشرف تھے، بایں وجہ اسے قتل کر کے قصور ادب کے دلدل میں پھنسنا انھیں گوارا نہیں ہوا۔

(۲۶) وہ گناہ کبیرہ کو بھی معاف فرما دیتا ہے اور اگر صدیقین میں سے کسی کی نظر ماسوا پر پڑ جائے تو وہ اس پر مواخذہ فرماتا ہے۔

(۲۷) ذرا سوچئے مقام قرب تک اس کی رسائی کس طرح ہو سکتی ہے، جو خود نفس پرستی میں مشغول ہو۔

(۲۸) آگ میں جل کر راکھ ہو جانا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کی ناراضگی مول لینے

ہے۔

(۲۹) ماسوا اللہ کا لحاظ رکھنا باعث ہلاکت و بربادی ہے ولیوں، عارفوں اور موحدین کے لئے تو یہ زبردست خطرہ ہے، موحد چار قسم کے ہوتے ہیں......

(الف) وہ طبقہ جو وقت اور حالت پر نظر رکھتا ہے۔

(ب) وہ طبقہ ہے جس کی نظر انجام پر ہوتی ہے۔

(ت) تیسرا وہ جماعت ہے جس کے پیش نظر حقائق ہوا کرتے ہیں۔

(ث) چوتھی قسم وہ جماعت ہے جو اعمال ماسبق پر اپنی توجہ مرکوز رکھتی ہے۔

(۳۰) عظیم رسولوں کا ادنیٰ مرتبہ انبیائے کرام کا اعلیٰ مرتبہ ہوا کرتا ہے، انبیاء کرام کا ادنیٰ مرتبہ صدیقین کا اعلیٰ مرتبہ ہوتا ہے، صدیقین کا ادنیٰ مرتبہ شہدا کا اعلیٰ مرتبہ اور شہدا کا ادنیٰ مرتبہ صلحاء کا اعلیٰ مرتبہ اور صلحاء کا ادنیٰ مرتبہ عام مومنین کا اعلیٰ مرتبہ ہوا کرتا ہے۔

(۳۱) اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہوتے ہیں جن کا حق تعالیٰ کے ساتھ اتصال رہتا ہے، ان کی آنکھیں بھی اسی اتصال سے روشن ہوتی ہیں۔ ان کے دلوں میں صفائی اور باطن کی پاکیزگی بھی اس اتصال کا نتیجہ تو پھر اس اتصال کے سبب انھیں موت کیونکر آئے، لہٰذا ایسے افراد اس وقت بھی زندہ تھے جب حیات ظاہری میں تھے اور بعد وصال بھی زندہ ہیں۔

(۳۲) بندہ پر جب رموز عرفانی منکشف ہوتے ہیں تو انھیں مجال دم زدن نہیں، وہ اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ دنیا و مافیہا کی انھیں خبر تک نہیں ہوتی۔

(۳۳) بندہ پر فرض ہے وہ غیریت کو اپنے لئے لازم تصور کرے تاکہ انا الحق کا دعویٰ نہ کر سکے۔

(۳۴) عشق و محبت میں غیریت کا خیال کیوں؟

(۳۵) جب غیریت کا تصور کرنے والا اپنے صحیح حال میں ہوتا ہے تو خود کا قتل ہو جانے کو

افضل سمجھتا ہے کیونکہ وہ غیر ہے اور غیر کا صحیح حال انتہائی درجہ میں جب پہنچ جاتا ہے تو غیریت سے خود کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

(۳۶) تصوف میں ہمت وہ ہوا کرتی ہے کہ دنیا اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

(۳۷) زندگی محبت کی دلیل ہوا کرتی ہے، مشتاق الی اللہ کی زندگی اس کے آنسو ہیں عارف کی زندگی ذکر ہے، صاحب تعظیم کی زندگی اس کا نفس ہے اور صاحب ہمت کی زندگی انقطاع ہے اور تمام موحد کی زندگی اس کی زبان ہے۔ صاحب ہمت کو سانس لینے کی بھی فرصت نہیں کہ ان کے لئے ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جہاں کسی کا گزر نہیں، نہ کسی نبی کا اور نہ ہی کسی مقرب فرشتہ کا۔

(۳۸) علم چار ہیں- علم عبادت، علم عبودیت، علم خدمت، علم حقیقت، اور رہا بندہ تو وہ بے نشاں ہے۔ ان تمام علوم کو جاننا بندہ کے لئے لازم ہے۔

(۳۹) حقیقت توحید یہ ہے کہ وہ حق ہے، تنہا ہے، اس مفہوم میں وہ حقیقت حقہ ہے اور اسی حقیقت پر بندہ کا قائم رہنا، صدق توحید ہے۔

(۴۰) محبت کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی ابدی عنایت ہے۔

(۴۱) جب چاہنے والا مملکت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ محبت سے دور چلا جاتا ہے۔

(۴۲) انقطاع اوصاف کا نام وجد ہے تاکہ ارادہ کا اثر و تاثیر نہ پائی جائے اور نہ اس کے پاس کوئی غم رہے، جب وجد کو تو یاد رکھے گا تو وجد تجھے یاد رکھے گا۔

(۴۳) جب توبہ عمل سے موافقت کرے تو وہ مقبول و پسندیدہ ہے۔

(۴۴) متوکل وہ ہے جو صرف خدا پر بھروسہ کرے، نہ خود پر بھروسہ کرے اور نہ ہی کسی اور چیز پر، توکل شدت فاقہ سے پیدا ہوتا ہے۔

(۴۵) دل خدا کے سپرد کرنا اور غصہ سے دست بردار ہو جانا رضا ہے۔

(۴۶) لوگوں نے دریافت کیا- حضور! کون سی عبادت افضل ہے؟ فرمایا- مراقبہ میں

مستغرق رہنا۔ پھر پوچھا۔ شوق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ دل کا جلنا اور جگر کا پارہ پارہ ہونا کہ شوق بھی ایک آگ ہے جو بھڑکتی رہتی ہے۔ پھر دریافت کیا۔ شوق بہتر ہے یا محبت فرمایا۔ محبت بہتر ہے کہ شوق محبت سے پیدا ہوتا ہے۔

(۴۷) حضرت آدم علیہ السلام جب ترکِ اولیٰ کے مرتکب ہوئے تو چاروں طرف اس کی شہرت ہوئی، اس پر تمام چیزوں نے آنسو بہایا اور سیم و زر (یعنی سونا چاندی) خاموش رہے۔

(۴۸) ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا، میں گوشہ نشیں ہونا چاہتا ہوں ارشاد فرمایا گوشہ نشیں ہو کر تو کس سے ملنا چاہتا ہے، پھر فرمایا۔ خلائق کے ساتھ رہ مگر باطن میں تو خدا کے ساتھ رہ کہ یہی بہتر ہے۔

(۴۹) ایک مرتبہ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ تھے، بات نکل پڑی۔ آدمی کس سبب سے بلند مرتبہ پاتا ہے، بعض نے کہا روزہ سے، کسی نے کہا نماز سے، کچھ نے کہا مجاہدہ سے اور کسی نے فرمایا۔ محاسبہ سے آپ نے فرمایا۔ حسن سلوک اور خوش اخلاقی سے۔

یہ وہ تعلیمات و ارشادات ہیں جن میں شریعت کا التزام بھی ہے طریقت وحقیقت کا انکشاف بھی، ان تعلیمات پر کوئی بھی عمل کر کے سماج و معاشرہ کے لئے بہتر و مفید بن سکتا ہے، آج ہمارا سماج بگڑتا جا رہا ہے، معاشرہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا، کسی بھی انسان کو چین و سکون نہیں، ایسا صرف اس لئے ہے کہ ہم نے بزرگوں کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا ہے اور ان پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ ماضی کی تاریخ گواہ ہے جب تک سماج و معاشرہ بزرگوں کے زیر سایہ رہے۔ ہر فرد چین وسکون سے زندگی بسر کر رہا تھا، اسے کوئی فکر لاحق نہ تھی اور نہ ہی کسی بات کا غم تھا۔

ان تعلیمات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں جس سینہ مبارک سے یہ تعلیمات صادر ہوئے ان کی شخصیت اور ذات گرامی کیسی رہی ہوگی؟ ایسی شخصیتیں بار بار جنم نہیں لیتی ہیں۔

ہزاروں سال میں ایک مرتبہ وجود پذیر ہوتی ہیں اور زمانہ کی رفتار پر اپنے اثرات اور نقوش قدم چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ نقوشِ قدم بھی مثل ستارے کے درخشندہ رہتے ہیں اور ظلمت شب میں چلنے والے مسافروں کو راہ دکھاتے ہیں اور نشان منزل کی پہچان کراتے ہیں۔

**وصال پرملال۔** ۲۵/ویں شب تھی، ہر طرف سناٹا تھا، آپ تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے۔ محویت کا عالم طاری تھا، انہماک کا شدید غلبہ تھا، دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے، کلام الٰہی کے ایک ایک حرف میں پوشیدہ فکر و معانی کے پر جوش سمندر کا نظارہ کرنے میں مست تھے اور قرب الٰہی کی لذت سے مکمل طور پر مستفید ہو رہے تھے، کسے مجال کہ اس محویت سے کوئی انھیں منقطع کر دے، کلام پاک بھی وہی تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا تھا اور حضرت خواجہ سید ابراہیم یمنی شاہی خزانہ سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ وراثت کے طور پر یہ مقدس تحفۂ نایاب آپ کے پاس تھا اور آپ اسی کو پڑھا کرتے تھے۔ پڑھنا، تلاوت کرنا بھی سب کا ایک سا نہیں ہوتا ہے۔ وہ جو بیخودی کے گہرے سمندر کا تیراک ہو اس کے پڑھنے کا انداز ہی نرالا ہوا کرتا ہے اور اس پر جو کیف و مستی کا عالم طاری ہوتا ہے، اسے کون بتا سکتا ہے کہ محویت کیا ہوتی ہے اور استغراق کیا ہوتا ہے؟ کہ اچانک جلتے ہوئے چراغ سے ایک گل فرش پر گر پڑا اور آپ کو احساس تک نہ ہوا، ہوا بھی تیز تھی، وہ گل رفتہ رفتہ بھڑکتا رہا اور پھر ہوا کی لوریوں سے شعلہ جوالہ میں تبدیل ہو کر پورے حجرہ کو جلا ڈالا۔ اس وقت اس قدر محویت غالب تھی کہ آپ حجرہ سے باہر نہ آسکے یا کاتب تقدیر نے آپ کے وصال کی یہی کیفیت لکھی تھی کہ آگ کی لپیٹ میں آکر جاں بحق ہو گئے اور جاں جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ رمضان کی ۲۵/تاریخ تھی سن ۶۳۲ھ تھا، بعد میں مریدین و متوسلین کو معلوم ہوا، جا کر دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

آج بدایوں کا سلطان چلا گیا، عابد شب زندہ دار اس جہاں سے رخصت ہو گیا، یہ خبر

پورے بدایوں میں پھیل گئی۔ ہر ایک کی آنکھوں سے اشک جاری ہوا، چہرے پر غموں کے آثار نمودار ہوئے، صبح ہوتے ہی پورا بدایوں اپنے محبوب اور دلبر جاناں کی زیارت کو جمع ہوئے۔ ۲۵ر رمضان ۶۳۲ھ کو آپ دفن ہوئے۔ تجہیز وتدفین میں کیسی کیسی قد آور شخصیتوں نے شرکت فرمائی۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تحریروں سے ہوتا ہے۔ مولوی ضیاء علی خاں تاریخ اولیاء بدایوں غیر مطبوعہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں......

(۱) شیخ شرف الدین الخیاط، شیخ احمد الخیاط، دونوں حضرات نے ملکر کفن مبارک سیا

(۲) شیخ احمد تختہ[۱] نے غسل کے لئے پانی گرم کیا۔

(۳) شیخ احمد معشوق[۲] نے لحد کھودی۔

(۴) خواجہ عثمان سہروردی اور شیخ ابن علی[۳] مکی نے غسل کے لئے تختہ پر لٹایا تھا۔

---

۱۔ شیخ احمد تختہ۔ شیخ احمد نام تھا، مقام تفت کے رہنے والے تھے، اس لئے شیخ احمد تفتہ سے یاد کئے جاتے ہیں، مگر بعد میں تفتہ کے بجائے تختہ سے مشہور ہوگئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برسات میں ایک مرتبہ کچھ چھینٹیں حضرت خواجہ شیخ شاہی کی چادر مبارک پر آگئیں۔ سوت ندی بھی قریب ہی تھی، آپ ندی میں اترے اور پانی میں جھک گئے، حضرت شرف الدین نے حضرت شیخ شاہی کی چادر پاک کو پشت مبارک پر مار مار کر دھویا، اس لئے تختہ کہے جانے لگے۔ ۳ر رمضان ۶۳۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

۲۔ شیخ احمد معشوق۔ آپکا نام شیخ احمد معشوق ہے، بعض نے آپکو قندھاری لکھا ہے اور بعض نے طوسی۔ شراب بکثرت پیتے تھے، ترک وطن کر کے آپ ملتان آگئے تھے، حضرت صدرالدین عارف کی نگاہ فیض اثر سے تائب ہوئے اور مرتبۂ ولایت کو پایا۔ شیخ کی خدمت میں ۷ر سال تک رہے۔ علوم باطنی وظاہری حاصل کئے۔ ہر وقت استغراق ومحویت میں رہا کرتے تھے۔ بدایوں کے ہفت احمد میں آپکا شمار ہوتا ہے۔ معشوق آپکا لقب ہے، مردان خدا کے مؤلف نے تحریر کیا...... بارگاہ الٰہی سے خطاب معشوق عطا ہوا اور شعبان ۲۳ھ میں آپکا وصال ہوا۔ مزار پاک سوت ندی کے اندر واقع ہے، اب اس مزار کا اتا پتہ بھی نہیں ملتا۔

۳۔ شیخ ابن علی۔ شیخ ابن علی نام تھا۔ حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ بدایوں کے مشہور علماء عرفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ محدثانہ شان وشوکت رکھتے تھے، سماع کے شوقین تھے اور نہایت ہی ذوق وشوق سے محفل سماع میں شرکت فرماتے تھے۔ آج آپ ڈاکٹر کمپاؤنڈر سے مشہور ہیں۔ ۱۷ر ذیقعدہ ۶۷۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(۵) شیخ احمد بودلہ[۱] نے ناک، کان اور منہ میں روئی رکھی۔
(۶) شیخ احمد بھرتول[۲] نے پانی ڈالا۔
(۷) مولانا زین الدین نے غسل دیا۔
(۸) شیخ احمد نوری[۳] اور شیخ احمد ذکی نہروالی[۴] نے تختہ سے اُٹھا کر چٹائی پر لٹایا تھا۔
(۹) شیخ احمد خنداں[۵] نے کفن پہنا کر خوشبو لگائی۔

---

۱۔ شیخ بودلہ- نام شیخ احمد بودلہ تھا۔ آپ ہی کو مجرد اور چرم پوش کہا جاتا ہے۔ اجمیر شریف کے رہنے والے تھے، بدایوں میں بود و باش اختیار کر لی۔ حضرت صدر الدین عارف سے خلافت حاصل تھی، ابدال صفت اور عظیم المرتبت بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ باجماعت نماز ادا کرتے تھے، حاجی جمال الدین ملتانی کے ہم عصر و ہم زمانہ تھے۔ آپ کی یہ اہم خصوصیت تھی کہ صاحب علم بھی تھے اور درویش صفت بھی، سماع میں بے قرار ہو جاتے تھے، حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کے تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ آپ ہی نے بڑے سرکار علیہ الرحمہ کے جنازہ مبارکہ کے تمام حالات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے بیان فرمائے تھے۔ ھفت احمد میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۲۷ رمضان ۶۸۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپکا مزار پاک اندرون شہر متصل گھنٹہ گھر موجود ہے۔

۲۔ شیخ احمد بھرتول- صاحب حال و وجد بزرگ تھے، اجمیر شریف کے رہنے والے تھے۔ حضرت ضیاء الدین رومی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت بڑے سرکار کے دوستوں میں تھے۔ سماع کے بہت شوقین تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں بدایوں آئے اور شہر سے باہر، بھرتول دروازہ، بھرتول میں بود و باش اختیار کر لی۔ چاندرات رمضان مقدس میں آپ کا وصال ہوا، سن وصال ۶۶۳ھ ہے۔

۳۔ شیخ احمد نوری- آپ کا شمار اولیائے کاملین اور اجلہ عرفاء میں ہوتا ہے۔ شیخ احمد نام تھا، بالکل امی تھے یعنی آپ پڑھے لکھے نہ تھے مگر نوری صفات سے متصف ہونے کے سبب آپ نوری کہلاتے ہیں۔ شیخ اوحد الدین کرمانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا چہرہ نورانی تھا، بات کرتے وقت چہرہ سے نور جھڑتا تھا۔ نہایت ہی ذوق وشوق سے سماع سنتے تھے۔ حضرت چھوٹے سرکار کی محفل سماع میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے تجہیز و تدفین میں بدایوں اور دہلی کے مشائخ حاضر تھے۔ شوال کی چاند رات ۶۵۰ھ میں آپکا وصال ہوا۔

۴۔ شیخ احمد نہروالی- تاریخ ولادت ۵۷۹ھ ہے، کامل بزرگ تھے، قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید خاص تھے، آپ کپڑا بننے کا پیشہ کرتے تھے، صاحب وجد تھے۔ کبھی کبھی تو کرگھا پر بیٹھے بیٹھے وجد طاری ہو جاتا تھا اور کپڑا خود بخود تیار ہو جاتا تھا۔ اوراد و اشغال میں مشغول رہا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد پیشہ ترک کر دیا اور مستقل طور پر یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ تاریخ وصال ۶۶۱ھ ہے۔

۵۔ شیخ احمد خنداں- بلند پایہ کے بزرگ تھے، مسکرا مسکرا کر بات کرتے تھے، اس لئے خنداں کہا جاتا تھا اور شیریں گفتار ہونے کے سبب شکر دہاں کہلائے جاتے ہیں، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے، کامل اور اہل منازل تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں درجۂ کامل رکھتے تھے۔ ۲۸ رمضان ۶۳۳ھ میں وصال ہوا۔ سید منور علی میموریل اسکول کے جانب شرق ایک مسجد کے صحن میں آپ کا مزار پاک ہے۔ مولانا علاء الدین اسی مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے تھے۔

(۱۰) شیخ احمد بودلہ اور خواجہ عثمان سہروردی نے چٹائی سے اُٹھا کر جنازہ چارپائی پر رکھا۔

(۱۱) شیخ احمد نوری، شیخ احمد خنداں، خواجہ عثمان سہروردی اور شیخ ابوبکر موئے تاب جنازہ خانقاہ سے باہر لائے تھے۔

(۱۲) پھر یہاں سے جنازہ شریف چلا، اس میں بدایوں شہر کے تمام علماء، فضلاء، اولیاء اور مشائخ شریک تھے۔ قاضی رکن الدین شمس عثمانی، قاضی بدایونی مولانا زین الدین مدرس مدرسہ معزیہ اور خطیب یار محمد قاری نے کندھا دے کر ایک انبوہ کثیر کے ساتھ جنازہ جامع مسجد شمسی کے مشرقی دروازہ کے سامنے لاکر رکھ دیا۔

(۱۳) حضرت سید ابوبکر موئے تاب رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں خواجہ عثمان سہروردی برادر اوسط حضرت شیخ شاہی علیہ الرحمہ کی اجازت سے حضرت حاجی جمال الدین ملتانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اس کے بعد جنازہ مبارکہ اٹھا کر صحرا کی طرف روانہ ہوئے۔ علمائے کرام، مشائخ عظام کے ہاتھوں ہاتھ یہ مبارک جنازہ کس خوبصورت شان سے چلا ہوگا۔ اس وقت جو اس میں شریک تھا اس کا نظارہ انھوں نے ہی کیا ہوگا۔ یہ جنازہ قطب وقت کا تھا، شہنشاہ ولایت اور روشن ضمیر کا تھا، ایک عاشقِ رسول اور عارف باللہ کا تھا، مشائخ نے اسے پھول سمجھ کر اُٹھایا ہوگا۔ وہ قسمت کا کتنا بڑا دھنی ہوگا، جس نے اس جنازہ کو کندھا دیا ہوگا؟ بالآخر جنازہ مبارک قبر کے جانب غربی میں رکھا گیا۔

(۱۴) خواجہ عثمانی سہروردی اور خواجہ ابوبکر موئے تاب نے جنازہ پلنگ سے اُٹھایا، خواجہ شادی مقری اور شیخ ابن علی مکی نے قبر کے اندر اتارا اور پھر تدفین عمل میں لائی گئی۔ علم وفن کا مہر درخشاں معرفت وحقیقت کا آفتاب زیر زمیں ہو تو کیا غم؟ اس کی ضیا پاشیاں اس سے متاثر نہیں ہوسکتیں۔

ذیل میں واقعاتی طور پر کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی جارہی ہے جن کے مطالعہ کرنے سے ''تاریخ اولیائے بدایوں غیر مطبوعہ'' کی منقولہ عبارتیں کسی کی طبع نازک پر گراں نہ گزریں گی ملاحظہ فرمائیں......

**اولا -** میں مانتا ہوں اس موقعہ پر کوئی قلم کاغذ لے کر تمام تفصیلات لکھنے کو نہیں بیٹھا ہوگا مگر اس میں جو حضرات شریک رہے ہونگے انھوں نے ضرور کسی نہ کسی سے بیان کیا ہوگا۔ خود حضرت شیخ احمد بودلہ علیہ الرحمہ بہ نفس نفیس اس جنازہ میں شریک تھے۔ انھوں نے بیان فرمایا- جیسا کہ سراج السالکین میں شیخ موج دریا نے تحریر کیا......

> میرے والد یعنی شیخ بدر الدین سلیمان اجودھنی فرماتے تھے- مولانا حافظ بودلہ بدایونی نے بتایا تھا، حضرت شیخ شاہی موئے تاب کی تجہیز و تکفین کے وقت میں موجود تھا۔ میرے علاوہ شیخ شرف الدین خیاط، شیخ احمد خیاط، شیخ احمد معشوق، شیخ ابن علی مکی، شیخ احمد بھرتول، شیخ احمد نوری، شیخ احمد نہر والی، خواجہ عثمان، خواجہ ابوبکر موئے تاب شیخ احمد خندان، خطیب یار محمد قاری، خواجہ شادی مقری، مولانا زین الدین، مولانا رکن الدین ملک اعز الدین وغیرہ وغیرہ۔

(تذکرۃ العارفین، ص:۱۱۳-۱۱۱)

**ثانیاً -** ان مشائخ میں سے کس نے کیا کام کیا اور کیا ذمہ داری نبھائی۔ اس کا تذکرہ تاریخ اولیائے بدایوں میں ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے اگر چہ دیکھی نہیں مگر تاریخ میں اس کتاب کا تذکرہ ضرور ملتا ہے بایں وجہ یہ تسلیم کر لینے میں کوئی قباحت نہیں کہ اس میں جو چیز درج ہے، درست ہے۔

**ثالثاً -** اس ترتیب وار بیانات کو تسلیم کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں کہ کفن بھی کسی نے ضرور سیا ہوگا، پانی بھی گرم کیا ہوگا، نماز بھی پڑھی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان کاموں کی نسبت

میں کوئی خطا واقع ہو جائے تو اس وجہ سے پورے واقعہ کو کذب پر محمول کر لینے کا جواز کسی کو حاصل نہیں کہ جزوی خطا خطائے کلی کو مستلزم نہیں۔

**رابعاً۔** تسلیم نہ کرنے کی صورت میں بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں……

(۱) بغیر ثبوت کے نسبت میں خطا کو تسلیم کرنا۔

(۲) تاریخ اولیائے بدایوں کے مصنف پر غلط بیانی کا الزام لگانا۔

(۳) معتمد و مستند شخصیتوں پر (جو مشائخ شریک تجہیز و تکفین تھے) غیر واقعی صورت حال کی نسبت کرنا۔

لہٰذا ان تمام الجھنوں سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ مذکور بیان کو تسلیم کر لیا جائے اور عقلی احتمالات پر کوئی دھیان نہ دیا جائے۔اسی تحریر پر باب پنجم کا اختتام ہوتا ہے۔

☆☆☆

# باب ششم

## حالات وکوائف حضرت خواجہ سید ابوبکر موئے تاب بدرالدین شاہ ولایت علیہ الرحمہ

**حضرت خواجہ** سید ابوبکر موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات وکوائف جاننے کے لئے جب میں نے قدیم تاریخ وتذکرہ کا مطالعہ کیا، تو ان کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے حالانکہ آپ کی شخصیت، زہد وورع عبادت وریاضت اور محاسبۂ نفس کا دور دور تک شہرہ تھا بلکہ تمام بلادِ اسلامیہ میں آپ کے تذکرے ہوتے تھے اور اہل علم وادب مشائخ بڑے ادب سے آپ کا نام لیتے تھے۔ ذرا سوچئے جو صورت خورشید درخشاں وتابندہ ہو ان کا تذکرہ نا کی صورت میں ہونا کس قدر حیرت کی بات ہے، ایسا کیوں؟ اس کے بھی کچھ وجوہات ہیں جو ذیل میں درج کئے جارہے ہیں......

**قدیم تواریخ** کے حوالے سے جو تذکرے مرقوم ہیں اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ جذب واستغراق میں رہا کرتے تھے، ذکر وفکر آپ کی روحانی غذا تھی، کیف ومستی میں محو رہتے تھے، دنیا ومافیہا سے قطعی جدا رہتے تھے، عبادت وریاضت کی اس

شدتِ انہماک کے سبب جلال و ہیبت آپ کے چہرۂ مبارک سے نمایاں ہوتی، کسے یارا کہ اس حالت میں آپ سے گفتگو کرے اور حالات و کوائف دریافت کرے؟ ایسی صورت میں تذکرہ کا نہ ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں اور دوسری بات یہ تھی کہ آپ ازحد صاحب حال تھے اور خود کو ایک طرح سے فنا کر چکے تھے تو پھر تذکرہ کیا معنی رکھتا ہے؟ اہل علم کو آپ کے تعلق سے جو حالات قریب کے لوگوں سے ملے انھوں نے تحریر کر دیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اگرچہ آپ کا دیدار کیا تھا اور زیارت سے مشرف ہوئے تھے، اس وقت آپ کا ابتدائی دور تھا اور حضرت خواجہ ابوبکر موئے تاب کا آخری دور تھا اور پھر آپ دہلی میں سکونت پذیر بھی ہو چکے تھے، حضرت چھوٹے سرکار علیہ الرحمہ کے تذکرے کم ہونے میں اس بعد مکانی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، بہر حال جس قدر حالات ہمیں دستیاب ہوئے اس کے پیش نظر سوانح عمری ترتیب دی جا رہی ہے۔

**نام و نسب** - سلک السلوک میں آپ کا نام سید ابوبکر موئے تاب رضی اللہ عنہ تحریر ہے، والد گرامی کا نام حضرت خواجہ سید اعز الدین اور برادرِ اکبر کا نام حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی اور برادرِ اوسط کا نام حضرت خواجہ عثمان سہروردی ہے، آپ حسینی سید ہیں، آپ کے آبا و اجداد یمن سے ملتان، دہلی ہوتے ہوئے بدایوں تشریف لائے اور یہیں بود و باش اختیار کر لی، مزید تفصیل کے لئے باب چہارم کا مطالعہ فرمالیں۔ حضرت خواجہ سید ابوبکر ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپکے سن ولادت کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔

**تعلیم و تربیت** - آپ نے ملتان میں ہوش سنبھالا، تعلیم و تربیت بھی یہیں پائی۔ گھر کے ماحول اور اساتذہ کے زیر نگرانی آپ نے تعلیم کا آغاز کیا اور اعلیٰ تعلیم حضرت خواجہ جمال الدین ملتانی سے حاصل کی، علوم ظاہری میں علم حدیث، علم فقہ، اصول فقہ، منطق و فلسفہ، حدیث اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر میں کمال حاصل کیا، لغت ادب اور دوسرے فنون میں بھی آپ کو درک تام تھا، یہی وجہ ہے کہ مسائل اور استخراج جزئیات میں دسترس

حاصل تھی، علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد آپ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ خواجہ حسن شیخ شاہی قطب الاقطاب اور مولانا جمال الدین سے مسائل تصوف حاصل کیئے اور سلوک کے مقامات طے کیئے۔ پھر ایک ایسے مقام پر جا پہنچے جس کے سبب جذب واستغراق اور کیف و مستی کا عالم طاری رہتا تھا اور پھر اسی محویت نے آپ کی شخصیت کو دوبالا کر دیا کہ روحانیت کے امام وپیشوا ہو گئے، جیسا کہ محفل اولیاء کے صفحہ ۲۷۰ میں درج ہے......

> زینتِ اصفیاء سلطان الاولیاء حضرت خواجہ بدر الدین شاہ ولایت اعاظم اولیائے ہند سے ہیں عرفان وعشق مجاہدات ریاضت میں نظیر نہ رکھتے تھے ہمہ وقت جذب واستغراق کا عالم طاری رہتا تھا۔ جلال و ہیبت اور ورع وتقویٰ میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ (محفل اولیاء، ص: ۲۷۰)

**القاب و آداب** - اس دور کے اکابر اولیاء اور مشائخ عظام نے آپ کے انھیں کمالات وامتیازات کے سبب مختلف القاب سے یاد کیا مثلاً بدر الدین، صاحب ولایت شاہ ولایت موئے تاب، دیوگیر رکفتار الاولیاء- یہ تمام القاب آپ کی شخصیت میں پنہاں مختلف اوصاف کی وضاحت کرتے ہیں، ذیل میں ہر ایک لقب کی توضیح وتشریح اور پسِ منظر بیان کیا جارہا ہے تاکہ آپ مربوط انداز میں حضرت کی شخصیت سے متعارف ہوسکیں۔

**بدر الدین** - یہ لقب دو لفظوں سے مرکب ہے بدر اور دین، بدر چودھویں رات کے چاند کو کہا جاتا ہے جو تمام راتوں کے چاند سے صاف شفاف اور ستھرا ہوتا ہے۔ اس کی چاندنی سے رات کی ظلمتیں بھی روشن وتابناک ہو جاتی ہیں اور جس رات میں یہ بدر ہوتا ہے اس رات کی تاریکیاں بھی اپنے اندر جذب وکشش، ندرت وبانکپن اور رعنائیاں رکھتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ بدر میں ایک قسم کی انفرادیت پائی جاتی ہے اور یہاں دین سے مذہب اسلام مراد ہے۔ اس لقب مذکور کا پورا معنی دین اسلام کا بدر یعنی چودھویں کا چاند ہے۔ اس

سے آپ کی شخصیت کی انفرادیت خصوصی امتیاز اور جذب و کشش نیز ندرت و بانکپن متفاہم ہوتا ہے۔

**پس منظر -** ایک مرتبہ آپ جامع مسجد شمسی میں معتکف ہوئے اوراد و وظائف میں اس قدر شدید انہماک ہوا کہ تین دن کھانا پینا بھی ترک کر دیا، بھوک نے غلبہ پایا اور ضعف و ناتوانی نمایاں ہونے لگی تو کھانے کے لئے مسجد سے باہر قدم رکھا، اتنے میں کسی ہاتف غیبی نے ندا دی......اے بدرالدین، تجھ پر حیف صد حیف ہے کہ اِدھر خدا کے جلوؤں کی بارش ہو رہی ہے اور تم اپنی بھوک مٹانے کے لئے ان جلوؤں کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔اس ندا کو سنتے ہی ان کے ہوش اُڑ گئے، فوراً قدم مسجد کے اندر کر لیا اور اعتکاف میں بیٹھ گئے، اپنے دل سے شدت بھوک کا خیال نکال باہر کیا اور صبر سے بیٹھ گئے۔ خدا نے ان کے کھانے کے سامان کا غیب سے انتظام کر دیا، کھانوں سے بھرا ہوا دستر خوان غیب سے نمودار ہوا، اس میں لذیذ اور مزہ دار کھانے تھے، آپ نے خوب سیر ہو کر کھایا، اسی دن سے آپ بدرالدین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بدرالدین کی توضیح وتشریح اور پس منظر بیان کر دیا گیا تا کہ آپ قارئین جب بھی لفظ بدرالدین کو پڑھیں تو اس کے پس منظر میں پوشیدہ ایک جہانِ تازہ کو بھی محسوس کریں اور لطف و مزہ اُٹھائیں، یہ پسِ منظر انوار الٰہی حصہ دوم میں بھی مذکور ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے تذکروں میں بھی۔

**صاحب ولایت / شاہ ولایت -** یہ دونوں القاب ذو جہتیں ہیں جہاں ان دونوں لقبوں سے صاحب لقب کی شخصیت انفرادیت اور فضیلت واضح ہوتی ہے وہیں اور اعلیٰ مرتبت کی وضاحت بھی ہوتی ہے، ولایت کا معنی قرب، نزدیکی ہے مگر اس سے مراد وہ قرب ہے جو ایک بندہ کو خدا کی بارگاہ میں حاصل ہوتا ہے، ولایت کی دو قسمیں ہیں، ولایت ایمانی اور ولایت احسانی۔ ولایت ایمانی تو ہر بندۂ مومن کو حاصل ہوتی ہے اور ولایت احسانی مخصوص بندوں کو ملتی ہے کہ کشف و کرامت اسی ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔

یہی ولایت احسانی اس لقب میں مراد ہے۔ سرزمین بدایوں میں یہی ولایت احسانی حضرت چھوٹے سرکار کو حاصل تھی، یعنی بدایوں میں جس کسی کو ولایت ملی آپ ہی کے کرم اور صدقہ میں ملی کہ انھیں نظر انداز کر کے بدایوں میں کسی کو ولایت احسانی حاصل نہیں ہو سکتی، آپ کے منجھلے بھائی حضرت خواجہ عثمان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش بڑے سرکار کے بعد از وصال یہ ولایت مجھے حاصل ہوتی اور بدایونی ولایت کا سارا نظام میرے ہاتھوں میں ہوتا۔ حضرت بڑے سرکار نے اپنے نور باطن سے اس خیال کو محسوس کر لیا اور وصال سے قبل ارشاد فرمایا - اے عثمان وابوبکر! میرے وصال کے بعد تم دونوں بارگاہ قطب الاقطاب میں حاضر ہونا اور جو کچھ بھی وہ فرمائیں اس پر عمل کرنا، چنانچہ بعد از وصال حضرت بڑے سرکار کے دونوں بھائی اپنے دل میں حضرت قطب سے ملاقات کا اشتیاق لیے دہلی کو روانہ ہوئے، جیسے ہی خانقاہِ قطب میں حاضر ہوئے، حضرت قطب صاحب نے دیکھتے ہی حضرت چھوٹے سرکار سے ارشاد فرمایا...... آؤ اے صاحب ولایت، یعنی ولایت حسن شیخ شاہی کے نائب و وزیر، خلیفہ اور جانشین، آپ نے ارشاد فرمایا تھا - اے ابوبکر موئے تاب تمہارے نام بدایوں کی ولایت کی جاتی ہے اور خواجہ عثمان سہروردی کو حضرت کا قرب حاصل ہوگا۔ جب تک آپ دہلی میں رہے صاحب ولایت کہلائے اور وہاں سے آنے کے بعد آپ شاہ ولایت ہو گئے۔ حضرت شیخ شاہی نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا کہ خواجہ عثمان سہروردی آپکے پہلو میں جانب شرق دفن ہیں اور چھوٹے سرکار کو بدایوں کی ولایت عطا کر دی گئی اور آپ شاہ ولایت ہو گئے۔ صاحب ولایت/ شاہ ولایت کا یہی پس منظر انوار الٰہی اور دوسرے تذکروں میں ملتا ہے۔

**موئے تاب -** بعض تذکروں میں حضرت حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کے لئے رسن تاب اور موئے تاب دونوں استعمال ہوئے ہیں مگر بدایوں میں حضرت بڑے سرکار کے لئے رسن تاب اور چھوٹے سرکار کے لئے موئے تاب کا استعمال عرصہ دراز سے ہوتا چلا آ رہا

ہے۔ موئے تاب کو بھی رسن تاب کے طرز پر سمجھا جائے، تو جس طرح بانوں کے بٹنے کا پیشہ اختیار کرنے کی بنیاد پر بڑے سرکار کو رسن تاب کہا گیا، ٹھیک اسی طرح بالوں کے بٹنے کا پیشہ اختیار کرنے کی بنیاد پر موئے تاب کہا جائے گا، لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی دور میں بالوں کے بٹنے کا پیشہ رہا ہے؟ میرے خیال میں کسی بھی دور میں بالوں کی رسیاں پیشہ کے طور پر نہ بٹی تھیں اور نہ لوگ اسے پیشہ بنانا پسند کرتے تھے، کیونکہ بالوں کی دستیابی کل بھی مشکل تھی اور آج بھی مشکل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی زلفیں دراز تھیں اور ایک دوسرے سے پیچ در پیچ ملی ہوئی تھیں، اگر اس بنیاد پر موئے تاب کہا جائے تو اس مقام پر ذہن میں مختلف قسم کے سوالات ابھرتے ہیں......

**اولاً** - یہ کہ مسلم صوفیوں کے یہاں اس طرح زلفوں کو لپیٹنے کا رواج نہیں تھا، البتہ یہ سرشت غیر مسلم رشیوں میں پائی جاتی ہے۔

**ثانیاً** - یہ کہ اس طرح زلفوں کو پیچ و تاب دینا، قنوطیت کی دلیل ہے اور اسلامی تصوف قنوطیت سے پاک ہے، اس لئے یہ عمل مدح کے زمرہ میں نہیں آتا، تو پھر اسے لقب قرار دینا کیوں کر درست ہوسکتا ہے۔

**ثالثاً** - بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کی زلفیں پیچ در پیچ تھیں مگر اس کا کوئی یقینی ثبوت نہیں کہ آج تک کسی بھی تذکرہ میں آپ کے مبارک حلیہ کا بیان نہیں اور جس نے بھی بیان کیا، کسی صالح کے خواب کے ذریعہ اور یہ خواب خواب ہے کوئی یقینی دلیل نہیں تو پھر اس بنیاد پر موئے تاب کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

لہٰذا موئے تاب کہنے کی وجہ نہ پیشہ ہے اور نہ ہی زلف پیچاں بلکہ اس لقب (یعنی موئے تاب) کے پڑنے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ صفائے باطن، تزکیۂ نفس، عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، یاد الٰہی اور استغراق و محویت کے سبب آپ کے جسم و اعضاء کے تمام

بالوں میں چمک اور رونق نمایاں ہوگئی تھی اور دیکھنے والی آنکھیں اسی روشن وتابنا کی پر حیرت واستعجاب میں پڑجاتی تھیں اوران کی زبان سے یہ لفظ نکلتا تھا کہ آپ موئے تاب ہیں حضرت خواجہ حافظ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ المتوفی ۷۵۱ھ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں......

حضرت شیخ ابوبکر موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مودر موخود کارے داشت یعنی حضرت شیخ موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنے انگ انگ میں تاب وتوانائی رکھتے تھے۔

(سلک السلوک مترجم،ص:۱۷۵،سلک:۵۸)

لہٰذا اس مشاہدۂ جمال کو پیش نظر رکھئے، موئے تاب کہنے کی وجہ خود بخود سمجھ میں آجائیگی، اس صحیح وجہ سے منحرف ہوکر دوسری تاویلوں میں پڑنے کی کیا حاجت؟ لہٰذا میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپکے بال بال سے نور کی شعاعیں پھوٹتی تھیں اور جمال وحسن کی رعنائیاں نظر آتی تھیں اس لئے آپکو انھیں خوبیوں کے سبب موئے تاب کہا جاتا ہے۔الخ

**دیو گیر۔** یعنی دیو اور سرکش نفس کو گرفتار کرنے والا یہ خوبی بھی آپ کے اندر موجود تھی، آج بھی ہے، کل بھی تھی اور آئندہ کل بھی رہے گی۔آسیب زدہ آپ کے مزار پر حاضری دیتے یعنی چلہ کرتے ہیں اور آپ سرکش شیطانوں کو گرفتار کر لیتے ہیں، اس لئے آپ کو دیو گیر کہا جاتا ہے۔حیات ظاہری میں جس صوفی کے نفس میں غرور، تکبر اور زعم وپندار ہوتا تھا، آپ انھیں پکڑ لیتے تھے اور گرفتار کر کے ان کی ولایت سلب کر لیا کرتے تھے، اس سے متعلق ایک اہم واقعہ ہے جو تذکروں میں اس طرح درج ہے......

اکثر بزرگوں سے سنتے چلے آتے ہیں کہ آنجناب کی تعلیم باطنی کے زمانہ میں ایک جلیل القدر درویش شیخ جہانگیر نامی بطور سیاحت بدایوں تشریف لائے اور قبل عصر حضرت شیخ شاہی سے ملاقات کی، بر سبیل تذکرہ خواجہ

ابوبکر کا بھی نام آیا، شیخ جہانگیر آپ سے ملاقات کرنے کا شوق ظاہر کرنے لگے۔ حضرت شیخ شاہی نے انھیں ملاقات سے روکا اور کہا آپ مجھ سے مل لئے یہی کافی ہے۔ شیخ ابوبکر تو اپنے اعمال میں رہتے ہیں، خلاف وقت اپنے حجرہ سے نکلتے ہی نہیں ہیں، شیخ جہانگیر بولے۔ اچھا میں وہیں مل آتا ہوں، وہ بڑی محنت کشی کر رہے ہیں ان سے مل کر بقیہ مدارج کی تکمیل کر دوں گا پھر انھیں اتنی محنت ومشقت اُٹھانی نہیں پڑے گی، یہ کہہ کر از خود شیخ ابوبکر کے حجرہ کے قریب آئے، دیکھا کہ ایک خادم باہر بیٹھا ہے اس سے کہلوانے کی کوشش کی، اس نے خلاف وقت اطلاع کرنے سے مجبوری ظاہر کی، شیخ جہانگیر بولے تم میرا نام لے لینا وہ خود باہر نکل آئیں گے، مجبور ہو کر خادم نے اطلاع کی، آپ مشغول بکار رہے، جواب نہیں ملا، خادم نے آ کر کہا آپ تشریف رکھیں اب عصر کا وقت قریب ہے برآمد ہوا ہی چاہتے ہیں، اس بات پر جہانگیر بہت زیادہ غصہ میں آگئے کہ مجھ جیسے شخص کو بھی انھوں نے کوئی عام آدمی سمجھا، وہ نہیں جانتے کہ میں مصافحہ کرتے ہی کرامت سلب کر لیتا ہوں اور وہ تو ابھی تعلیم ہی پا رہے ہیں جس پر اتنا غرور ہے اچھا میں اب ان سے ملاقات کر کے ہی جاؤں گا، عصر تک ٹھہرتا ہوں، یہ کہہ کر ایک طرف بیٹھ گئے، اتنے میں عصر کی اذان کی آواز آنجناب کے کان میں پہنچی، حجرہ سے برآمد ہوئے، شیخ جہانگیر نے آپ کو دور سے دیکھ کر سلام کیا اور بڑھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا کہ جو کچھ پاس ہے سلب کر لوں گا، آپ کو معلوم ہو گیا۔ سلام کا جواب دے کر بڑے جلال سے شیخ جہانگیر کے دونوں ہاتھوں کو اس زور سے مصافحہ کیا، کہ اُن کی جان نکل گئی پھر فرمایا۔

> آپ نہیں جانتے ہیں کہ تم جہانگیر ہو تو میں جاں گیر ہوں۔ مجھ سے بھڑنے کو آئے تھے، میں کفتار الاولیاء ہوں، سرکش درویشوں کی حالت بگاڑ دیتا ہوں۔ (انوار الٰہی ،ص:۹، ج:۲)

اس واقعہ کی روشنی میں حضرت خواجہ سید ابوبکر موئے تاب کا دیو گیر ہونا، بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ آپکے آستانہ پر ہر قسم کے سرکشوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ خواہ اس قسم کی سرکشی کا تعلق انسان سے ہو یا جنات سے اسی طرح سرکشی ظاہری ہو یا باطنی۔ حضرت چھوٹے سرکار اپنی نگاہ کیمیا اثر سے لمحوں میں علاج و مداوا کر دیتے ہیں اور مریض کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اسی واقعہ میں حضرت والا نے اپنے لئے از خود کفتار الاولیاء کا استعمال کیا ہے۔ کفتار فارسی زباں کا لفظ ہے اور یہ ایک جنگلی درندہ جانور کا نام ہے، علامہ کمال الدین[1] دمیری اسکی خصوصیت اور شوق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں......

> انسان کے گوشت کا شوقین ہونے کی وجہ سے قبریں کھودنا اس کا خاص مشغلہ ہے، بجوجب کسی انسان کو سوتا ہوا پاتا ہے تو اس کے سر کے نیچے زمیں کھود کر بیٹھ جاتا ہے اور ٹیٹوا دبا کر اس کا خون چوس لیتا ہے اور اسے ہلاک کر دیتا ہے۔
>
> (حیات الحیوان ،ص:۸۷، جلد سوم)

واقعہ کے تناظر میں لفظ کفتار الاولیاء کا استعمال بہت زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

---

ا۔ علامہ کمال الدین دمیری- نام کمال الدین محمد، کنیت ابو البقا، والد کا نام موسیٰ بن عیسیٰ ہے سنہ ۷۵۰ھ میں ولادت ہوئی، قاہرہ مولد ہے، یہیں تربیت پائی اور نشو ونما کے مراحل طے کئے، جب ہوش سنبھالا تو درزی کے کام میں لگ گئے اور علم وفن کا شوق بیدار ہوا تو جامعۃ الازہر قاہرہ میں خود کو داخل کر دیا اور حصول علم وحکمت کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ وقت کے جید اور جلیل القدر علماء میں انکا شمار ہوتا ہے شافعی المسلک تھے اور کثیر کتابوں کے مصنف بھی تھے، حیات الحیوان بھی آپ ہی کی تصنیف ہے۔ دمیرہ ایک قصبہ ہے جسکی طرف نسبت کرتے ہوئے دمیری کہا جاتا ہے۔ جمادی الاول ۸۰۸ھ میں وصال ہوا۔ (حیاۃ الحیوان ،ص:۵۰)

جو درویش اپنی کرامت پر نازاں ہوتا اور زعم و پندار میں اکڑ کر چلنا چاہتا، تو آپ اس کے پندار کو گفتار بن کر زمیں دوز کر دیتے ہیں اور ان کی ولایت بھی سلب کر کے انھیں بے دست و پا کر دیتے ہیں کہ ایسوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے جیسا کہ شیخ جہانگیر کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

**سیرت و شخصیت** - تشریح القاب و آداب کے ضمن میں جو واقعات بیان کئے گئے ان کے مطالعہ سے از خود حضرت شاہِ ولایت عرف چھوٹے سرکار کی شخصیت و سیرت پر روشنی پڑتی ہے اور ان کے کردار و عمل، اخلاق و محبت کی ندرت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت والا جہاں علوم ظاہری میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ اسی طرح علوم باطنی میں بھی آپ کو پورا عبور حاصل تھا، مقامات تصوف طے کر کے اس اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز تھے کہ وہاں تک کسی ہمہ شما کی رسائی نہیں ہو سکتی، آپ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی اور قطب الدین بختیار کاکی سے فیض یافتہ تھے انھیں کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اوراد و وظائف، ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہا کرتے تھے۔ جب اپنے مخصوص اوقات میں یاد جاناں کی لذت سے آشنا ہوتے اور عرفان نفس و ذات میں منہمک ہوتے، تو کوئی بھی آپ تک نہیں پہنچ پاتا، صرف آپ ہوتے، اور رحمت ایزدی کا نزول ہوتا، ایسے موقعہ پر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے، تزکیہ و طہارت اور باطن کی صفائی کے سبب آپ کے ہر بن مو سے نور کی کرنیں پھوٹتیں اور سنہری شعاعیں نکلتیں کہ تمام بال برقی جمال کی مانند روشن و تابناک ہو جاتے، پوری زندگی، یہی تابنا کی اور درخشانی نظر آتی تھی، آپ کے مزاج میں اس قدر شدّت اور جلال ہوتا کہ اچھے اچھوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، جب آپ ہی مخاطب ہوتے، تو کوئی بات کرنے کی ہمت کر پاتا تھا۔ سرزمین بدایوں کو آپ نے روشن تر کر دیا۔ اس دور میں یہاں کی خاک کا ہر ایک ذرہ روکشِ آفتاب و مہتاب بن چکا تھا، ہر درویش دریوزہ گری

کرتے نظر آتے اور آپ سے اکتساب نور کرتے تھے، ایسی شخصیتیں اب دیکھنے کو کہاں ملتی ہیں، سورج کی کرنیں اور ماہتاب کی شعاعیں بھی ذات والا سے اجالوں کی بھیک مانگتی تھیں، میں کہتا ہوں اس دور میں آسمان اسی زمین پر نظر آتا تھا اور ستارے بھی در والا پر جاروب کشی کرتے نظر آتے تھے، محفل سماع میں بھی آپ شرکت فرماتے اور نہایت ہی ذوق وشوق سے آپ سماع سنتے، اس وقت آپ کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی، اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ بدایوں کی ولایت آپ کے سپرد تھی، یہاں کی صبح و شام بھی دبے پاؤں داخل ہوتے اور طلوع وغروب کی اجازت لیتے، آج آپ صحراؤں کی طرف دیکھئے، تو محسوس ہوگا کہ خاموش صحراؤں میں کس قدر دھوم دھام نظر آتی ہے، ایک میلا سا لگا رہتا ہے، لوگ آستانۂ والا پر آتے ہیں اور اپنی مرادیں پاکر خوش وخرم ہوکر جاتے ہیں، خدا کرے یہ میلا صبح قیامت تک لگا رہے اور سارا بدایوں اسی طرح فیضیاب ہوتا رہے۔ آنجناب خود بھی روشن و تابناک تھے اور جو ادب و احترام، خلوص وللہیت کے ساتھ اکتساب فیض کرتا وہ بھی ماہ ونجوم کی طرح تاباں ہوجاتا۔ ہزاروں افراد آپ کے فیض سے ہدایت یافتہ ہوگئے۔ ناقص آئے کامل بن گئے، ذرہ آیا، آفتاب بن گیا۔ خاک تھا کندن ہوگیا۔ بڑے بڑے کروفر والے اور دبدبہ وشوکت والے درِ والا پر سراپا عجز وانکسار بن کر آئے۔ منصب دار بھی درویشی انداز میں حاضر ہوتے اور فیض و برکت حاصل کرتے، حیات ظاہری میں جو شانِ زیبائی آپ کی تھی، بعد از وصال بھی برقرار رہی، بلکہ ۷۰۰ سال کی مدتِ مدید گزر جانے کے بعد بھی آپ کی شان وشوکت، رعب و دبدبہ اور جلال کا آج بھی وہی عالم ہے، عقل متحیر ہے، انسانی شعور سرگرداں ہے، آخر وہ کیا وجوہات ہیں کہ آپ کے جلال وشان میں کوئی تغیر وانقلاب نہ آیا۔ حالانکہ حالات بدل گئے، حکومتیں الٹ پلٹ گئیں، انسانوں کے زاویۂ فکر میں انقلاب آگیا۔ مگر آپ کی فیض رسائی میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ دورِ حاضر کا ایک زبردست المیہ ہے کہ کوئی اپنی

شخصیت منوانا چاہے تو نہیں منوا سکتا ہے۔ مگر آپ کی شخصیت اور کمال علم وفن پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ آخر اندرونی طور پر کوئی ایسا کرشمہ ضرور ہے، جس کے سبب شخصیت اور شان وشوکت میں چار چاند لگ رہے ہیں، گردشِ لیل ونہار کی کیا مجال؟ اس شانِ زیبائی میں ضعف وناتوانی کا شائبہ بھی پیدا کر سکے، اس لئے کہا گیا ہے کہ......

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

آپ کی یہ شان زیبائی صرف اس وجہ سے تھی، کہ آپ کا ایمان کامل تھا، اعتماد وتوکل پختہ تھا، مدام عبادت وریاضت اور اوراد ووظائف میں منہمک رہا کرتے تھے، نفس کی پاکیزگی کردار وعمل کی طہارت اور باطن کی صفائی کے سبب آپ کی شخصیت میں یہ خوبیاں پیدا ہوگئیں تھیں، چونکہ اس جہاں میں آپ کی حیات، حیات عارضی تھی۔ یہ سرائے فانی ہے یہاں جو آتا ہے انھیں پھر جانا ہوتا ہے، رخت سفر باندھنا ہوتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس جسم فانی سے روح پرواز کر جاتی ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے، اس سے کب کسی کو چھٹکارا ملا ہے، لہٰذا اسی قانون کے تحت آپ نے بھی رخت سفر باندھا، مگر اس انداز سے کہ نزع کا عالم طاری ہے رخِ زیبا سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور انگ انگ سے اجالے جھلملا رہے ہیں اور زبانِ مبارک پر یہ شعر رواں دواں ہے......

قالب چوں غبار است میاں من و تو
آمد گہہ آنکہ از میاں بر خیزد

میرے تیرے درمیاں یہ جسم بھی مثل غبار ہے، کوئی ایسی بھی ساعت آئے کہ درمیاں سے یہ غبار بھی اُٹھ جائے۔ جسم کا مثل غبار ہونا ہر ایک کا کمال نہیں یہ کمال صرف اسی کو نصیب ہوتا ہے جو صاحب کرامت اور عالی مرتبت ہوتا ہے اور صاحب ذوق انساں ہوا کرتا ہے، حضرت چھوٹے سرکار علیہ الرحمہ یقیناً ایسے ہی تھے۔

**وصال شریف** - رمضان مقدس کی ۲۲؍تاریخ تھی، جمعہ کا دن تھا، اور ۶۹۰ھ تھی اور نزع کا عالم تھا، بالآخر ہمارے آپ کے محبوب ودلبر اس جہانِ فانی سے چل بسے، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ خدایا، حضرت والا کی تربت اقدس پر نور ونکہت کی بارش ہووے اور فیض کا ایک خوبصورت سمندر شب وروز بہتا رہے، سن وصال کے تعلق سے اصحاب سیر عجیب کشمکش اور اضطراب میں ہیں، کسی نے سن وصال ۶۵۰ھ بتایا اور کسی نے ۶۰۰ھ بتایا مگر صحیح اور مستند سن وصال ۶۹۰ھ ہے، صاحب تذکرۃ الواصلین یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ ۶۰۰ھ اور ۶۵۰ھ کے درمیاں آپ کا وصال ہوا۔ مگر انوار الٰہی میں ۶۹۰ھ کو ہی مستند قرار دیا ہے۔

بقول معتبر محقق صاحب عظمت الاولیاء ۲۲؍رمضان المبارک ۶۹۰ھ بروز جمعہ ہے اسی پر اتفاق جواہر فریدی نے کیا ہے یہی مستند ہے۔ طبقات الاولیاء میں لفظ ''شیر مسعود'' ۶۹۰ھ سے مادۂ تاریخ نکالا گیا ہے۔ (انوار الٰہی، ص: ۷۷)

۶۹۰ھ سن وصال ہی قرین قیاس ہے کیونکہ حضرت حافظ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سلک السلوک میں عالم نزع کی جو کیفیت بیان کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت نخشبی علیہ الرحمہ کا دل تصوف اور اس کے مسائل کی طرف مکمل طور پر مائل ہو چکا تھا اور آپ صاحب نسبت بھی ہو گئے تھے کہ فضاؤں کی شناخت کر لینا اور بزرگوں کے حالات سے قلب وذہن میں صفائی، تزکیہ، طہارت اور کیف وسرور کو محسوس کر لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ایسا صرف وہی محسوس کر سکتا ہے جو مرید وخلیفہ بھی ہو، تصوف اور سلوک کے مقامات بھی طے کر چکا ہو۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے...... حضرت نخشبی علیہ الرحمہ کے دل میں پیر کی تلاش کا جذبہ حضرت مہرہ صاحب کے وصال کے بعد پیدا ہوا اور حضرت مہرہ صاحب کا وصال ۶۸۶ھ میں ہوا، اس اعتبار سے آپ ۶۸۶ھ اور ۶۸۸ھ کے مابین مرید ہوئے اور عزیز کوتوال کو بھی خلافت ملنے سے چند دنوں/مہینوں

کے بعد مرید کیا۔ مرید کرنے اور خلافت ملنے کا وقفہ زیادہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عزیز کوتوال کا ۶۸۸ھ میں وصال ہو چکا تھا، جس استغراق و محویت کے ساتھ حضرت نخشبی علیہ الرحمہ نے عالم نزع کی کیفیت بیان کی ہے، یہ کسی درویش، پیر کامل، شیخ طریقت اور صاحب اتقاء بزرگ کا ہی مشاہدہ ہو سکتا ہے اور یہ صورت آپ کے لئے ۶۸۸ھ کے بعد ہی پیدا ہوئی، اس سے ثابت ہوا کہ سلک السلوک میں بیان کردہ عالم نزع کی کیفیت اس بات کو مستلزم ہے کہ حضرت چھوٹے سرکار کا وصال ۶۸۸ھ کے بعد ہی ہوا اور راہ ورسم کی ایسی گہرائی کہ آپ عبادت کو حاضر ہوئے دفعتہً پیدا نہ ہوئی بلکہ رفتہ رفتہ یہ گہرائی پیدا ہوئی اور یہ بھی ممکن ہے آپ کو بہت کچھ حضرت چھوٹے سرکار سے عطا ہوا ہو، ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیاس یہی کہتا ہے کہ آپ کا وصال ۶۹۰ھ میں ہوا۔ جسے مقامی طور پر تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

# باب ہفتم

## کشف و کرامت

جولوگ تصوف وسلوک سے دلچسپی رکھتے ہیں، بخوبی جانتے ہیں کہ تصوف کی کتابوں میں کشف و کرامت کا ضرور ذکر کیا جاتا ہے، اس ذکر سے مقصد صاحب کرامات کی شخصیتوں کونمایاں کرنانہیں بلکہ ان کرامتوں کے سبب سماج و معاشرہ کی اصلاح اور افراد انساں کے دلوں میں، عمل صالح کی رغبت پیدا کرنا اور اسلاف کے نقوش قدم کی اتباع کی دعوت دینا ہے، کشف و کرامت بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا کہ ان دونوں اصطلاح کی توضیح کردی جائے، مولانا منظور عالم رضوی پورنوی اپنی کتاب تعریفات میں لکھتے ہیں......

**کشف**- امور غیبیہ اور پوشیدہ چیزوں پر مطلع ہو جانا، کشف کہلاتا ہے۔

**کرامت**- اولیائے کرام سے جو بات خرق عادت کے طور پر صادر ہو اسے کرامت کہتے ہیں۔

(تعریفات، ص:۱۰۶)

کشف کے ساتھ ساتھ الہام بھی آتا ہے، تصوف کی اصطلاح میں کشف اور الہام آئے ضرور ہیں اور اولیائے کرام کو بہت سی چیزوں کا علم کشف والہام سے ہو جاتا ہے مگر یہ علم صحیح ہو کوئی ضروری نہیں، اس لئے کشف والہام کو پہلے شریعت کی کسوٹی پر کسنا چاہیے، اگر شرعی اعتبار سے یہ درست ہوں اسے لے لینا چاہیے اور اگر قرآن و حدیث کے مخالف ہوں، اسے چھوڑ دینا چاہیے یعنی نہ اس پر عمل کرنا چاہیے اور نہ ہی دوسروں سے اس کا اظہار کرنا چاہیے۔ اب رہی بات کرامت کی تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ کے ولیوں پر فرض ہے اپنی کرامت کو چھپائیں، ظاہر نہ ہونے دیں، ہاں اگر قومی، دینی ضرورت پیش آجائے کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا، تو اس کے ظاہر کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ میدان کرب و بلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے لئے نہر فرات کا پانی بند کر دیا گیا، اگر آپ چاہتے تو نہر فرات کا پورا پانی بطور کرامت اپنے خیمہ میں لا سکتے تھے، مگر آپ نے اپنی کرامت کو چھپا کر یہ نظیر قائم کر دی، کہ یہاں اظہار کرامت کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور اجمیر مقدس کی سرزمیں پر حضرت خواجہ غریب نواز نے اناساگر کے کل پانی کو اپنے چھوٹے سے پیالہ میں جمع کر کے بتا دیا کہ یہاں دینی ضرورت تھی اس لئے کرامت کا ظہور ہوا۔ لہٰذا اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ کرامت کا فائدہ صاحب کرامت کو نہیں ہوتا بلکہ اہل ضرورت کی ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں۔ اس باب کے ذریعہ ہم یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ کرامتوں سے آپ اصلاح قبول کریں اور سماج و معاشرہ میں اصلاح لانے کی کوشش کریں۔ اس سے بزرگوں کی شخصیت کا معیار قائم نہ کریں کیونکہ ان کی شخصیتیں کرامتوں کی محتاج نہیں ہوتیں، یہ اللہ والے راہ چلتے وقت اپنے اثرات اور نقوش قدم نمایاں کر جاتے ہیں تا کہ یہ نقوش قدم نشان منزل کی طرف رہنمائی کریں۔ اس دور کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم کرامتوں کو صاحب کرامت کی بزرگی کا معیار تسلیم کر لیتے ہیں جو لوگ اس ناقص خیال سے کام لیتے ہیں وہ کبھی بھی ان بزرگوں کے بہی خواہ نہیں ہوتے، جن کی کرامتوں کا یہ

ڈھنڈورا پیٹتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ بلاضرورت کرامتوں کا بیان اہل کرامت کے ناقص ہونے کی دلیل ہے، کامل ہونے کی نہیں، کیونکہ سلوک کے ۱۰۰ (سو) مقامات ہیں اور کرامت کی حیثیت سترہویں مقام کی ہے اگر سالک اسی کو ظاہر کرتا رہا، تو پھر وہ ۸۳/مقامات کس طرح حاصل کر پائیگا؟

اس باب ہفتم میں سرزمین بدایوں کے دونوں بزرگوں یعنی حضرت سید خواجہ حسن شیخ شاہی اور حضرت سید ابوبکر موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامتیں بیان کی جا رہی ہیں، تا کہ سماج و معاشرہ کی اصلاح ہو سکے اور خود بھی ان کرامتوں سے اکتساب نور کرتے رہیں۔

## 〈۱〉 حضرت سلطان العارفین کی کرامتیں -

(الف) سلاطین یمن میں سے ایک شخص کی آنکھوں سے روشنی جاتی رہی اور وہ پورے طور پر نابینا ہو گیا اور سلطنت کے انجام دینے میں پریشانی لاحق ہوئی، بہتیرے علاج و معالجہ کیا، قسم قسم کی دوائیں لیں، مگر کسی بھی دوا سے افاقہ نہ ہوا بلکہ دن بہ دن مزید پریشانیاں لاحق ہوتی رہیں، لاچار و مجبور ہو کر اپنے کسی وزیر کو اپنی جگہ بیٹھا دیا اور شاہی ٹھاٹھ باٹ چھوڑ کر مدینہ پاک کی راہ لی۔ چند دنوں میں مدینہ پاک حاضر ہوا اور روضۂ اقدس ﷺ پر آ پڑا۔ اپنی بینائی کو واپس لانے کے لئے رسول خدا ﷺ کے وسیلہ سے دعائیں مانگتا، گریہ و زاری کرتا، حسب معمول ایک شب بہت زیادہ گریہ و زاری کی گڑگڑائے اور دل سے دعائیں مانگیں۔ یہ وہ دربارِ عالی وقار ہے جہاں سے کوئی مایوس نہیں جاتا، بلکہ اپنے خالی دامن کو بھر کر جاتا ہے کہ یہاں نہیں کہنے کی عادت نہیں، حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں......

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں! سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اسی رات قسمت بیدار ہوئی اور خواب میں فخر کون و مکاں ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، ارشاد فرمایا...... اُٹھو! بدایوں جاؤ - اور حسن شیخ شاہی کے مزار پر حاضری دو وہیں تمہاری ضرورت پوری ہوگی اور آنکھیں بھی بینا ہو جائیں گی۔ صبح کو بیدار ہوا اور اسی پریشانی میں ہندوستان کو چل دیا، ہندوستان آیا اور بدایوں کی راہ لی، حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی کے مزار پر حاضر ہوا اور شب و روز یہیں پڑا رہا، خاکِ مزار پاک بطور سرمہ لگاتا اور تعویذ کا پانی اپنی آنکھوں پر لگاتا، کئی روز تک یہی سلسلہ چلتا رہا، بالآخر رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں میں بینائی اپنا رنگ دکھانے لگی اور آنکھوں میں روشنی آ گئی اور وہ صحت مند و توانا ہو گیا اور اس کے دل سے شہنشائیت کی بو رخصت ہوگئی، دولت دنیا اس کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی، درویشی اختیار کرلی اور بدایوں میں ہی پڑا رہا کہ اس کا انتقال بھی یہیں ہوا، اس کی قبر سوت ندی سے جانب شرق واقع ہے۔

**فائدہ -** اس کرامت میں مضمر پہلوؤں پر غور کریں تو بہت سی اہم باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں......

(۱) کسی بھی آستانہ پر ہر قسم کے خیال و وہم سے دل کو پاک کر کے حاضر ہونا چاہیے ورنہ آستانہ پر بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

(۲) مدینہ پاک سے بدایوں بھیجنے کا مقصد دل سے بوئے سلطنت کو نکالنا تھا اور درویشانہ زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنی تھی۔

(۳) یہ بتانا مقصود تھا جو چیز شاہی میں نصیب نہیں، وہ فقیری میں دستیاب ہو جاتی ہے۔

(۴) شاہِ یمن نے بدایوں میں قیام کر کے بتا دیا جو لطف و مزہ فقیری میں ہے وہ شاہی میں کہاں؟

یہ پورا واقعہ اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے زیر زمین رہ کر بھی اپنے فیوض و برکات سے ہر حاجت مند کو نوازتے رہتے ہیں، ہر بلا اور مصیبت میں کام آتے

ہیں، وہ کیا ہے؟ جوان کے لئے مشکل ہو، عادۃً کوئی کام نہ ہو، مگر یہ مقدس حضرات اسی کام کو خلاف عادت انجام دے دیتے ہیں کہ یہی کرامت ہے۔ اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ بینائی کی واپسی خود سلطان یمن کی ضرورت تھی اور وہ پوری ہوگئی، تو بتایئے اس کرامت کا پورا پورا فائدہ کس کو ملا؟ ظاہر ہے اس کا فائدہ سلطان یمن کو ملا، البتہ اس واقعہ سے حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی روشن ضمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت اور تصرف ضرور ثابت ہوا۔ یہی واقعہ انوار الٰہی حصہ اول میں جامع الکمالات کے حوالہ سے درج ہے۔

**کرامت ۲-** اس کرامت کا تعلق حضرت سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہ العزیز سے ہے کہ انھیں مسئلہ توسل واستعانت کی تحقیق درپیش تھی اور مشغولیات اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھیں، اُدھر احباب وکرم فرما کا اصرار تھا کہ مسئلہ توسل واستعانت پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جائے، آگے خود حضرت سیف اللہ المسلول کے نبیرہ علامہ اسید الحق عاصم القادری کی تحریر ملاحظہ کریں۔

> اس رسالہ (یعنی احقاق حق ابطال باطل) کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے جامع حالات تحریر فرماتے ہیں-ایک شخص **السلام علیك ایھا النبی الکریم** کے ورد میں مشغول تھا، ارکان وہابیہ میں سے ایک شخص نے اس پر شرک کا حکم لگا دیا، ورد پڑھنے والے نے حضور اقدس (علامہ فضل رسول علیہ الرحمہ[1]) سے پورا ماجرا بیان کیا، حضرت

---

ا۔ علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ- نام فضل رسول، تاریخی نام ظہور محمدی، ۱۲۱۳ھ میں آپکی ولادت ہوئی۔ تمام علوم متداولہ میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ حضرت شاہ اچھے میاں مارہروی سے مرید تھے اور انھیں سے خلافت بھی حاصل تھی۔ آپ کے تصانیف کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ سیف الجبار بھی آپ ہی کی تصنیف ہے، جامعہ مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر اساعیل دہلوی سے جو مناظرہ ہوا تھا، غالباً اس میں آپ بھی شریک تھے۔ شریعت وطریقت کے امام تھے۔ تمام مشائخ وعلمائے کرام کے مرکز عقیدت تھے۔ سیف اللہ المسلول آپ کا لقب تھا۔ بوارق محمدیہ، شرح نصوص الحکم حاشیہ میر زاہد ملا جلالی اور حاشیہ میر زاہد بر رسالہ قطبیہ آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ ۲/ جمادی الاخری ۱۲۸۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار پاک آستانہ قادریہ میں ہے جو مرجع خلائق ہے۔

نے مختصر اور شافی وکافی جواب عنایت فرمادیا، اس کے بعد بعض اہل اللہ نے حضرت کی بارگاہ میں درخواست کی اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تالیف فرما دیا جائے، حضرت اقدس نے درس و تدریس اور دیگر مشغولیات کی بنیاد پر عذر ظاہر کیا یہاں تک کہ حضرت اقدس ایک روز 'برہان الکاملین' سلطان العارفین جناب شیخ شاہی روشن ضمیر سہروردی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ (حضرت بڑے سرکار) کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب فاتحہ کے لئے مزار مبارک کے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت بڑے سرکار کا مزار مبارک شیشہ کی طرح ہے اور صاحب مزار اپنی قبر میں بیٹھے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے ہیں، حضرت بڑے سرکار نے حضرت اقدس کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمام مصروفیات کو چھوڑ کر جلدی اس رسالہ کی تالیف کر جس کی تالیف کے لئے تم سے کہا جا رہا ہے، چنانچہ حضرت بڑے سرکار رحمتہ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل میں یہ ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔

(تعارف حضرت مصنف، احقاق حق، ص:۳۵)

اس واقعۂ کرامت کے پڑھنے سے نمایاں ہوتا ہے علامہ سیف اللہ المسلول علیہ الرحمہ کا رسالہ ''احقاق حق ابطال باطل'' حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کی سراپا کرامت تھا کہ انھوں نے اپنے تصرف سے علمی سرگرمی میں سبک روی پیدا کی اور عوامی ضرورت کی طرف حضرت علامہ موصوف کی توجہ مبذول فرمائی، اس بات میں کیا شک وتردد کہ بڑے سرکار جب تک حیات ظاہری میں رہے اپنے علمی سرگرمیوں کو برقرار رکھا اور اب زیر زمیں رہ کر بھی اس میں تاب وتوانائی عطا کر رہے ہیں، دور حاضر کا تقاضا ہے کہ علم وفن کے فروغ واشاعت میں

بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے کہ اسی علمی فروغ وارتقاء میں حضرت بڑے سرکار کی آنکھوں کی ٹھنڈک مضمر ہے۔ بارگاہ خداوندی میں التجا ہے ہم تمام مسلمانوں کو علمی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

## حضرت چھوٹے سرکار علیہ الرحمہ کی کرامتیں۔

کرامتوں کو بیان کرنے سے قبل یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کی صحبت بافیض سے آپ سراپا ادب واحترام ہو چکے تھے، جہاں عام لوگ ادب نہیں بجالاتے مگر حضرت چھوٹے سرکار وہاں بھی ادب سے کام لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کبھی بھی آپ کی ذات اقدس سے قصورِ ادب کا ظہور نہ ہوا جو اس بات کی علامت ہے کہ آپ مقام قرب پر فائز تھے، اسی لئے قصور ادب کا شائبہ بھی آپ کی ذات میں نہ پایا جاتا تھا، تذکروں میں آیا ہے بعد انفراغ اوراد و وظائف اکثر صبح و شام اولیاء کرام اور شہدائے عظام کے مزارات پر حاضری دیتے اور فاتحہ پڑھتے۔ حضرت عبداللہ ملقب بہ لقب میر ملہم شہید علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری کے لئے جاتے تو راہ میں جوتا اتار لیتے اور ننگے پاؤں جایا کرتے تھے اور فرماتے یہ سب مقامات شہیدوں کے مبارک اجساد سے معمور ہیں، اللہ اکبر، کیا ادب تھا کہ آپ کی یہ ادا پسند آگئی اور خلقت آپ کی بارگاہ میں باادب ہوگئی کسی نے کیا اچھی بات کہی ہے...... ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد یعنی جس نے خدمت کی وہ خود مخدوم ہو گیا اور جس نے ادب کیا وہ ادب کئے جانے کا مستحق ہو گیا۔ اب حضرت چھوٹے سرکار کی کرامتوں کو پڑھئے......

**کرامت ۱-** عاشورہ کا دن تھا، ایک مجلس میں آپ جلوہ فرما تھے، ایک برہمن خرقہ پہنے ہاتھ میں تسبیح لئے اور کندھے پر مصلا ڈال کر مجلس میں آیا اور ایک جگہ بیٹھ گیا، حضرت چھوٹے سرکار علیہ الرحمہ بار بار اس کی طرف نظر فرماتے، ابھی زیادہ وقت نہ ہوا تھا کہ وہ برہمن زادہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور عرض کیا...... حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **اتقوا**

فراسة المومن فانه ینظر بنور الله کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا......اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم زنار اتارو، کفر سے توبہ کرو اور اسلام میں داخل ہو جاؤ، پھر آپ نے اپنے خادم شیخ فخر الدین سے فرمایا، اس کے بدن سے خرقہ اتارو، خادم نے خرقہ اتار دیا، وہ برہمن زادہ بہت پشیمان ہوا کہ وہ اس حلیہ ولباس میں آپ کے نور باطن کا امتحان لینا چاہتا تھا، اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، تائب ہوا اور مذہب اسلام میں داخل ہو کر آپ سے مرید ہو گیا۔اس کرامت کا ذکر عظمت الاولیاء میں کیا گیا ہے۔(انوار الٰہی، بحوالہ عظمت الاولیاء)

**کرامت ۲-** اس طرح عظمت الاولیاء میں یہ کرامت بھی مذکور ہے......

> ایک دن آپ قبرستان میں زیارت کو تشریف لے گئے، آپ کے پیچھے پیچھے ایک اور شخص ہولیا، جو آپ کی کرامت کا شدید قسم کا منکر تھا۔اس نے بطور امتحان کہا- حضرت یہ قبر میرے ایک دوست کی ہے آپ صاحب قبر سے حال دریافت کریں، وہ عذاب میں ہے یا آرام میں، ارشاد فرمایا......تو جھوٹا ہے یہ تیرے دوست کی قبر نہیں بلکہ ایک عورت کی قبر ہے۔وہ شخص اپنے اس کذب پر بہت نادم ہوا۔ قدموں پر گر پڑا اور آپ کے مقدس ہاتھوں پر مرید ہو گیا۔
>
> (انوار الٰہی، جلد دوم)

**کرامت ۳-** ایک شخص پریشان حال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا- حضور! میرا بیٹا کھو گیا ہے وہ کہاں ہے؟ اس کی کوئی خبر نہیں۔اس کی ماں کا رو رو کر برا حال ہو گیا ہے میں بھی پریشان ہوں، کسی کروٹ چین نہیں، للہ کچھ کیجئے کہ میرا بیٹا واپس آ جائے اور گھر میں پھر سے خوشی کا ماحول پیدا ہو جائے۔آپ نے مراقبہ فرمایا- اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، گھر جاؤ، تیرا بیٹا گھر میں موجود ہے۔وہ شخص خوش ہو کر گھر آیا- دیکھا لڑکا گھر

میں موجود ہے، کہا یہ کیسے ہوا؟ بتایا گیا ایک بزرگ صورت انساں اسے بہت دور سے پکڑ کر لایا اور یہاں چھوڑ گیا۔ سبحان اللہ! یہ آپ کا عظیم مرتبہ تھا کہ آناً فاناً یہ کام ہو گیا۔ یہ حضرت چھوٹے سرکار علیہ الرحمہ کا ادنیٰ تصرف ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

اس قسم کی بہت سی کرامتیں آپ سے ظہور میں آئیں۔ عظمت الاولیاء اور دوسرے تذکروں کا مطالعہ فرمائیں، ان گنت کرامتیں آپ کو پڑھنے کو ملیں گی چونکہ آپ کی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف تھی، جس طرح سے بھی ہو، خدا کے بندوں کی خدمت کی جائے اور مصیبتوں میں ان کے کام آئیں۔ خواہ اس کے لئے کرامت کا اظہار کیا جائے، یا پھر اپنی قوت تصرف عمل میں لائی جائے۔

☆☆☆

# باب ہشتم

## ذکر دو سگے بھائیوں کا

یہ آٹھواں باب ہے، جس میں آپ کے دوسرے دو بھائیوں کا مختصر تعارف و تذکرہ کیا جا رہا ہے، ان میں سے ایک کا نام۔ حضرت خواجہ عثمان سہروردی ہے اور دوسرے بھائی حضرت خواجہ عمر سہروردی۔

حضرت خواجہ عثمان سہروردی بڑے سرکار سے چھوٹے اور چھوٹے سرکار سے بڑے تھے، آپ بھی اپنے والد مکرم یعنی حضرت خواجہ سید اعز الدین کے ساتھ ملتان سے بدایوں آئے تھے۔ دونوں بھائیوں کی مانند آپ بھی علم وشعور اور دوسرے فنوں میں مہارت رکھتے تھے اور علوم باطنی آپ نے بڑے بھائی حضرت خواجہ شیخ حسن رسن تاب رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کئے اور سلوک کے مقامات بھی طے کئے۔ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنے قرب میں رکھا۔ آج بھی آپ کا مزار پر انوار حضرت حسن شیخ شاہی علیہ الرحمہ کے مزار پاک کے جانب شرق واقع ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے جانب غرب واقع ہے۔ مقام قرب سب کو نصیب نہیں ہوتا اور جسے حاصل ہو جاتا ہے وہ بہت زیادہ خوش نصیب ہوا

کرتا ہے۔ اب رہی بات حضرت خواجہ عمر سہروردی کی، تو اس بارے میں تذکرہ بالکل خاموش ہے۔ بعض تذکروں میں آپ کا نام بھی نہیں ہے اور نہ یہ لکھا ہے کہ عمر سہروردی نام کے کوئی بھائی بھی آپ کے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواجہ عمر کا وصال عالم طفولیت میں ہو چکا تھا اور ملتان ہی میں دفن ہیں۔ آپ کا بدایوں آنا نہیں ہوا۔ اس لئے بدایوں کے تذکرۂ اولیاء میں آپ کا نام نہیں ملتا۔

**ذکر خواجہ سید عبداللہ ملتانی -** آپ درویش صفت اور صوفی مشرب کے بزرگ تھے، صاحب زہد واتقا، عابد شب زندہ دار تھے۔ صرف ۷/سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے تھے۔ حضرت قاضی حسام الدین ملتانی سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی، علوم ظاہری میں درک تام رکھتے تھے۔ باطنی فیوض و برکات سے مالا مال تھے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے خرقۂ خلافت حاصل تھا۔ حضرت سلطان العارفین خواجہ سید حسن شیخ شاہی رحمتہ اللہ کی ہمشیرہ بی بی زینب عرف بنو بی سے آپ کا نکاح ہوا تھا۔ حضرت خواجہ سید منور آپ کے صاحبزادے تھے۔ ۶۰۴ھ میں آپ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ کے ہمراہ بدایوں تشریف لائے اور بدایوں ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ صرف ۱۸/سال آپ بدایوں میں رہے اور ۲/رجب المرجب ۶۲۲ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ مزار شریف حضرت چھوٹے سرکار کی درگاہ سے ملحق، مقبرہ سرخیلاں کے جانب شمال پختہ واقع ہے۔ (ماخوذ از مردان خدا)

**ذکر حضرت زینب -** راہ طریقت ایک ایسی راہ ہے جہاں نہ عورتوں کو دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی مردوں کو بلکہ صرف کردار وعمل اور جذبہ خلوص پر نظر رکھی جاتی ہے۔ اس میدان میں بعض ایسی عورتیں بھی دیکھی گئیں جو طریقت وسلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں اور ان کے قلوب معرفت کی نورانی تجلیات سے لبریز تھے۔ انھیں عورتوں میں حضرت محمد ابن

سیرین کی پندرہ سالہ بہن بھی تھیں۔

جو مصلی سے صرف تجدید طہارت کے لئے اٹھتی تھی، انھوں نے کہا خواب میں اگر مجھے کسی غیر محرم کا چہرہ نظر آتا میں اسی وقت اپنا چہرہ پھیر لیتی ہوں۔ (از سلک السلوک، ص: ۱۰۰-۹۹)

حضرت زینب کی بھی یہی شان زیبائی تھی۔ آپ کے والد گرامی کا نام حضرت سید اعز الدین یمنی تھا اور برادر حقیقی کا نام حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ آپ حضرت خواجہ عبداللہ ملتانی کے نکاح میں تھیں۔ آپ کے مبارک بطن سے صرف ایک فرزند تولد ہوا جن کا نام خواجہ سید منور[1] ہے۔ اہل بدایوں آپ کو بنو بی اور موتی بی سے یاد کرتے ہیں۔ آپ عابدہ، زاہدہ تھیں اور قرآن مقدس کی تلاوت اس سحر انگیز اور درد بھرے انداز میں فرمایا کرتیں کہ چرند و پرند بھی جھومنے لگتے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں بھی کمال رکھتی تھیں۔ اپنے والد گرامی کے ہمراہ ۶۰۸ھ میں بدایوں تشریف لائیں اور اہل بدایوں آپ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ ۶ر محرم ۶۳۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ مزار پاک درگاہ حضرت سلطان العارفین کے جانب جنوب میں ہے اور مرجع خلائق ہے۔

☆☆☆

---

۱۔ خواجہ سید منور سہروردی- نام خواجہ سید منور والد گرامی کا نام، عبداللہ ملتانی تھا، والدہ محترمہ حضرت زینب بی تھیں۔ غالباً آپ بدایوں ہی میں پیدا ہوئے، صاحب وجد و حال تھے، طفل ہی میں آپ سے آثار بزرگی ظاہر ہو رہے تھے۔ اپنے تینوں ماموں حضرت بڑے، چھوٹے اور منجھلے سرکاروں کے محبوب نظر تھے۔ ایک شب محفل سماع گرم تھی، خواجہ منور غیر شعوری طور پر بزم سماع میں آ گئے اور پھر آپ پر بھی وجد و حال کا غلبہ ہوا۔ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ نے غضب کی نگاہ سے دیکھا اور خواجہ منور کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ مادر زاد ولی اور صاحب حال تھے، کمسنی کے عالم میں آثار ولایت کا ظاہر ہونا ناگوار خاطر ہوا، جس کی وجہ سے آپ نے تیز نظروں سے دیکھا۔ بزرگوں کے حالات میں اس قسم کے واقعہ کا ظہور کوئی زیادہ تعجب خیز نہیں۔ اس طرح کے بہت سے واقعات تصوف و سلوک اور بزرگوں کے حالات و تذکروں میں ملتے ہیں۔

# باب نہم

# بدایوں دبستان علم کی حیثیت سے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اولیاء مشائخ علماء اور فضلائے زمانہ کی کوششوں سے بدایوں میں علم وفن کی چاندنی بکھرگئی اور بدایوں کی خاک کا ایک ایک ذرہ فکر وشعور کا بولتا ہوا نمونہ بن گیا۔ مدرسہ معزیہ اور اس کے مدرسین نے اسی علمی ماحول کو علمی دبستان کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ دبستان کوئی نیا لفظ نہیں ہے جو لوگ ذوق ادب سے آشنا ہیں وہ اس سے واقف ہیں۔ وہ خود بھی اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں اور دوسروں کی زبانی سنتے بھی ہیں۔ اردو زبان وادب میں لکھنؤ کا دبستان شاعری اور دہلی کا دبستان شاعری مشہور ہے اسی طرح رامپور کی شاعری کا بھی ایک الگ دبستاں ہے جو اپنی اپنی خصوصیات اور امتیازات سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ صرف شاعری اور ادب کا ہی دبستاں ہو۔ کسی بھی فن اور آرٹ کا دبستاں ہوسکتا ہے۔ علم وفکر اور ادراک وشعور کا بھی دبستاں ہوسکتا ہے خواہ اس کا تعلق نظریاتی ادب سے ہو یا پھر عملیاتی ادب سے۔

**دبستان کا مفہوم** - لفظ دبستان فارسی زبان کا لفظ ہے جو اصل میں ادب ستاں ہے۔ از روئے لغت ادب وعلم کی جگہ کو دبستاں کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا معنی

اسکول، مکتب اور مدرسہ بتایا گیا ہے۔ مگر اہل علم کی اصطلاح میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ایسے اصول و نظریات اور خصوصیات و امتیازات لئے جاتے ہیں، جنھیں علم و الوں کا پورا گروپ اپنی تخلیق و تالیف میں التزاماً استعمال کرتا ہے۔ وہ شاعری دبستان لکھنؤ سے تعلق رکھتی ہے جس میں لکھنؤ کے مزاج اور سرشت کی نمائندگی پائی جاتی ہے خواہ وہ شاعری لکھنؤ میں بیٹھ کر کی جائے یا لکھنؤ سے باہر۔ ٹھیک اسی طرح بدایوں کا بھی ایک دبستانِ علم ہے جس میں مختلف علوم وفنون پائے جاتے ہیں۔ عشق و وفا اور جذبہ صادق اس دبستان کی نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ دبستاں دوسرے تمام دبستانوں سے کہیں زیادہ وسعت و کشادگی رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کے کمالات پائے جاتے ہیں۔ اس کی اپنی خصوصیات ہیں، منفرد امتیازات ہیں۔ جنھیں بدایوں کے ارباب فکر و معنی برتتے رہے ہیں۔ بدایوں دبستان علم میں فقہ و تفسیر، حدیث و قرآن، غور و فکر، شعور و ادراک، زبان و ادب، تتبع و تلاش، بلاغت، عروض، فکر سخن، زہد و ورع، خلوص، پیار، عشق و وفا، تقویٰ و طہارت، لطافت و نزاکت، صداقت اور سچائی پائی جاتی ہے۔ بدایوں کے اندر جس قدر علماء مشائخ تھے وہ ہر ممکن مقام پر بدایوں دبستان علم کے نظریات استعمال کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدایوں کا مزاج منفرد اور سب سے اچھوتا، نادر و نایاب نظر آتا ہے۔

دبستان منجمد نہیں ہوتا بلکہ وہ سیال کی صورت میں پایا جاتا ہے جو ہر ذہن و فکر اور قلب و سینہ پر دستک دیا کرتا ہے اور زمانہ کی ہر گردش پر اپنی چھاپ چھوڑ جاتا ہے۔ بدایوں کا علمی دبستان بھی سیال رہا ہے۔ اس دبستان نے ایسے ایسے نامور باکمال اور وفا شعار افراد پیدا کیے۔ جنھوں نے بدایوں دبستان علم کو شہرت عطا کی اور اسے دور دور تک پہنچا دیا۔ اس کی شہرت صرف ہندوستان ہی نہیں غیر ملکوں میں بھی پائی جاتی ہے خود اہل یورپ بدایوں کی علمی فضا سے واقف ہیں اور بدایوں کو حضرت ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ کے حوالہ سے جانتے ہیں۔ ملا عبدالقادر اس عظیم شخصیت کا نام ہے جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ مرتب کر کے

اہل بدایوں کے سروں کوفخر وناز کے لائق بنادیا۔ جب کبھی علمی موشگافی کی بات آتی ہے تو اس میں بدایوں کا نام ضرور جڑ جاتا ہے۔ اس دبستان علم نے بدایوں کو سب کچھ دیا، علمی باریکیاں دیں، اصول ونظریات دیئے اور تشکیل کلیات کی صلاحیت بھی دی۔ لفظوں کا ذخیرہ دیا اور معنیات کا ایک بہتا سمندر، فکر ومعانی کا آب زلال دیا اور حسن ترکیب کا جمال، ندرتِ احساس عطا کی اور ترتیب معانی کا کمال بھی۔ ان خوبیوں کے علاوہ اس دبستان علم نے قوم وملت کی ہدایت کے لئے مشائخ دیئے اور عالم وفقیہ اور زبردست فاضل دیئے، جونکتہ شناس بھی تھے اور نکتہ نواز بھی، نکتہ داں بھی تھے اور نکتہ سنج بھی۔ اسی بدایونی دبستان علم کا کرشمہ ہے کہ اس سرزمین کے خاکی تودے سونے کی کانوں میں تبدیل ہوگئے اور ذرہ ذرہ رشک آفتاب و ماہتاب بن گیا۔ عشق ووفا اور بوئے جاناں کی ایسی ہوا چلی کہ پورا بدایوں شگفتہ اور سبز و شاداب ہوگیا اور سوز وگداز کی کیفیت ولذت سے پورا ماحول محویت میں غرق ہوگیا۔ بدایوں میں آفتاب وماہتاب تھے اور ان کی کیا شان زیبائی تھی کہ آج بھی دل میں اس کا خیال آتے ہی پوری زندگی بہجت وسرور اور جذبہ وکیف میں ڈوب جاتی ہے۔ اس دبستان علم کے بہت سے روشن منارے تھے۔ مگر ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنھیں ہم پوری زندگی فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ ان کی حیات کی کرنوں کا مطالعہ کریں اور اپنی زندگی کے تاریک گوشوں کو تجلیات ربانی سے پُرنور کریں انھیں روشن میناروں کے نام اس طرح ہیں......

(۱) حضرت علامہ رضی الدین صغانی علیہ الرحمہ

(۲) حضرت علامہ علاء الدین اصولی علیہ الرحمہ

(۳) حضرت حافظ ضیا الدین نخشبی علیہ الرحمہ

(۴) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ

## 〈الف〉 علامہ رضی الدین صغانی ثم بدایونی-

علامہ رضی الدین صغانی عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ علم وفن، شعور وادراک، روایت و

درایت اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں انھیں کمال حاصل تھا۔ یہ وہ نیر درخشاں تھا جہاں جلوہ فگن ہوا سب پر تفوق و برتری حاصل کرتا رہا اور عوام وخواص کے دلوں میں اپنی جگہ بناتا رہا۔ ان کی شخصیت میں سرزمین بدایوں کی تابنا کی تھی اور یہیں کی خوشبو تھی جو ہر طرف چمکتی اور مہکتی تھی۔ بدایوں کا یہ ذرہ بین الاقوامی حیثیت کا مالک تھا اور بے پناہ خوبیوں کا جامع تھا۔ عراق و بغداد میں ان کے علم وفن کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ جہاں جاتا علم وفن کا شہر آباد کر دیتا تھا اور علم ونظر کے شاداب کھیتی اُگا دیتا تھا۔ یہ فرد عظیم جو علامہ کی شکل وصورت میں تھا۔ بدایوں کی لاج اور اہل بدایوں کی آبرو تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حالات وکوائف میں سے کچھ ذکر کر دیا جائے تا کہ اہل بدایوں اپنے ماضی کے لعل وجواہر سے متعارف ہو جائیں اور انھیں اس بات کا احساس ہو جائے کہ اُف ہمارا ماضی اس قدر سنہرا اور درخشندہ تھا۔ اس کے باوجود ہماری نگاہیں ان جلوہ سامانیوں سے محروم رہیں۔

**نام و نسب۔** آپ کا نام رضی الدین، ابوالفضائل، حسین بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی عمری صغانی ہے۔ اوپر جا کر سلسلۂ نسب امیر المومنین عمر بن خطاب سے مل جاتا ہے۔ اس نسبت سے آپ کا خاندان عمری کہلاتا ہے۔ آبائی وطن صاغان علاقہ مرو کا ایک قریہ تھا جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے صغانی کہلاتے ہیں۔ غزنیوں کے آخری دور میں آپ کا خاندان صاغان سے غزنی منتقل ہوا اور سلاطین غزنی کی نوازشوں کا سزاوار ہوا پھر لاہور ہوتا ہوا یہ خاندان بدایوں میں آباد ہو گیا۔ (محبوب الٰہی، ص:۲۲)

**ولادت و مقام ولادت۔** آپ کی ولادت صفر ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی جائے پیدائش بدایوں ہے حالانکہ دوسرے مؤرخین مثلاً شیخ خیر الدین[1] زرقانی اور

---

۱۔ علامہ خیر الدین زرقانی۔ نام محمد بن عبدالباقی، لقب خیر الدین ہے، ۱۰۵۵ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، علمی ماحول میں پرورش پائی، مصر کے علاقوں میں زرقان نامی ایک علاقہ ہے جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں زرقانی کہا جاتا ہے۔ علامہ، محدث، فقیہ تھے۔ مسلکاً مالکی تھے اور اپنے دور میں تمام مالکی علماء وعوام کے مرجع وماویٰ تھے۔ کثیر کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب الزرقانی علی المواهب اللدنیہ ہے۔ آپ دیار مصر کے خاتم المحدثین تھے، آپ کا وصال ۱۱۲۲ھ میں ہوا۔ (از المتعرف بالکتاب فی المواهب اللدنیہ)

علامہ جلال الدین سیوطی[1] نے کچھ ایسے بیانات ظاہر کئے ہیں جن سے یہ بات مصرح ہوتی ہے کہ آپ کی ولادت لاہور میں ہوئی اور نشو ونما غزنی میں ہوئی۔ چونکہ یہ دونوں بزرگ علامہ رضی الدین کے دَور سے بہت بعد کے ہیں اس لئے ان کے بیانات پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف بدایوں میں ولادت ہونے کا ثبوت پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ اس روایت کی وضاحت سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمائی ہے۔ ان کا فرمانا ہے...... اواز بدایوں بود یعنی وہ بدایوں کے تھے۔ اس سے التزاماً ثابت ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش ہی بدایوں میں ہوئی تھی۔ فوائد الفواد کے اردو ترجمہ ۱۸ا میں ہے کہ وہ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین کا دور بہت قریب کا ہے۔ دونوں بزرگوں میں صرف ۵۹/۶۰ سال کا فاصلہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے بارے میں ابتدائی حالات کسی ایسے نے بتائے ہوں جوان کے دور میں موجود رہا ہو اور اس اعتماد و یقین کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے حضرت علامہ کمال زاہد[2] علیہ الرحمہ سے مشارق الانوار پڑھی تھی، جو حضرت علامہ صغانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ہوسکتا ہے ان کے مقام ولادت کے بارے میں خود انھوں نے بتایا ہو۔ تذکرۃ الواصلین اور مردان خدا میں بھی اسی بدایوں والی روایت پر اعتماد کیا گیا ہے۔

---

۱- علامہ جلال الدین سیوطی- آپ شیخ، امام، حافظ تھے، ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے، علمی ماحول میں پرورش پائی تمام علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے، تقریباً ۵۰۰ کتابوں کے مصنف تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع جیسے عظیم فنون میں نہایت معرکتہ الآرا کتابیں آپ نے تصنیف کیں، اس خدمت علوم دینیہ ادبیہ پر اہل اسلام انھیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ آپ کا وصال ۹۱۱ھ میں ہوا، انھوں نے اپنے پیچھے علوم وفنون کی کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ چھوڑا، کہ اس کے مطالعہ سے ارباب فکر اپنی آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ (از کتاب الوسائل الیٰ معرفتہ الاول)

۲- علامہ کمال الدین زاہد- سن ولادت ۶۵۹ھ اور سن وصال ۷۵۶ھ ہے۔ علامہ رضی الدین صغانی کے شاگرد رشید تھے۔ کمال ورع، تقویٰ اور دیانت داری میں مشہور تھے سلطان غیاث الدین بلبن نے انھیں منصب امامت سونپنے کی لاکھ کوشش کی، مگر آپ اس کے لئے تیار نہ ہوئے، حضرت نظام الدین اولیاء نے مشارق الانوار انھیں سے سنا اور آپ نے سند حدیث اپنے ہاتھوں سے لکھ کر عنایت کی۔ (اخبار الاخیار، ص: ۱۵۹)

**تعلیم و تربیت -** جب علامہ موصوف بدایوں میں پیدا ہوئے تو ظاہر ہے آپ نے نشو ونما بھی یہیں پائی اور تعلیم وتربیت سے آراستہ بھی ہوئے ہونگے اس اوائل عمری میں غزنی جانے اور وہاں نشو ونما پانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ڈاکٹر،مولانا عاصم اعظمی اپنی کتاب محبوب الٰہی میں لکھتے ہیں......

امام صغانی نے بدایوں میں اپنے والد بزرگوار اور دوسرے اساتذہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔(محبوب الٰہی،ص:۳۲)

یہ دوسرے اساتذہ کون ہیں اس کی تاریخ میں کوئی وضاحت نہیں،لیکن مردان خدا میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ مولانا رضی الدین صغانی نے تمام ظاہری علوم مولانا مخدوم عالم سمرقندی سے حاصل کیئے اور وہ اس وقت مدرسہ معزیہ کے صدر معلم تھے۔اس بنیاد پر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ علامہ رضی الدین مدرسہ معزیہ کے طالب علم رہے اور فراغت بھی یہیں سے پائی۔ اس دور میں فراغت کا جو بھی طریقۂ کار رہا ہو۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں انھیں کے مرید ہوئے اور پھر خرقۂ خلافت سے بھی مشرف ہوئے۔

**تبحر علمی -** یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا رضی الدین صغانی کا علمی مقام ومرتبہ بہت زیادہ بلند تھا اور ان کی شخصیت میں تمام علوم صوری ومعنوی جمع تھے۔ ہندوستان سے باہر نکل کر وہ بغداد وعراق بھی گئے جہاں بڑے بڑے اکابر علماء،اجلۂ مشائخ اور مقبول ترین محدثین کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے اور ہر ایک علم وفن میں زبردست کمال حاصل کیا۔نحو وصرف، منطق وفلسفہ،فقہ وتفسیر اور علم حدیث میں بھی انھوں نے زبردست ترقی حاصل کی۔ علم لغت میں مہارت تامہ کا یہ عالم تھا کہ لفظوں کے معانی ومطالب اور اس کے وجوہِ استعمال سے بہت زیادہ واقف تھے۔اسی تبحر علمی اور وسعت ذہن وادراک نے انھیں فکر وشعور کی اونچی منزل پر پہنچا دیا تھا۔آنجناب عالم وفاضل محدث،فقیہ اور مفسر بھی تھے۔نحو وصرف میں بھی انھیں زبردست کمال حاصل تھا۔علم حدیث،علم رواۃ اور علم درایت میں انھیں بلند رتبہ ملا

تھا اور امتیازی شان وشوکت کے حامل تھے۔ وہ جہاں بھی گئے اپنی علمی شخصیت کا گہرا اثر چھوڑ کر آئے۔ علمی میدان میں ان کے یہ نقوش قدم عرصہ دراز تک تابناک رہیں گے اور بعد میں آنے والے علماء کرام اور فقہا عظام کو اپنی نورانی، عرفانی اور ربانی انوار سے منور کرتے رہیں گے۔ آج انھیں گزرے ہوئے طویل عرصہ ہو چکا ہے مگر علمی حیثیت سے جب ان کی یادیں آتی ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابھی چند دنوں کا ہے۔ یہ ایک ایسی کامیابی ہے جو سب کو نہیں ملتی۔

## علم حدیث اور علامہ صغانی۔

صرف اقوال نبوی ﷺ سے واقفیت کا نام علم حدیث نہیں بلکہ اب وہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے تحت احادیث کے تعلق سے مختلف قسم کی معلومات اور جانکاری آتی ہے۔ یہ بحیثیت فن نہایت زیادہ وسیع وکشادہ ہے۔ یہ علم بھی ایک مستقل تعریف، غرض و غایت اور موضوع رکھتا ہے احادیث روایات اور اس کے راویوں سے واقفیت کا نام علم حدیث ہے۔ راویوں کے حالات وکوائف، جرح وتعدیل، ضعیف وقوی، عدل وضبط، ناسخ ومنسوخ اور اس کی تشریح وتجزیہ، علم حدیث کی شعبے ہیں۔ جب ان شعبوں کی صحیح واقفیت حاصل ہوتی ہے تب علم حدیث کا ملکہ دستیاب ہوتا ہے۔ علم حدیث پر علامہ صغانی کو کافی مہارت حاصل تھی۔ وہ علم حدیث کے تمام شاخوں پر سیر حاصل گفتگو فرماتے۔ روایت و درایت دونوں کا علم انھیں حاصل تھا۔ ان کا یہ علم صرف نظریاتی نہیں بلکہ عملیاتی طور پر آپ اسے استعمال کرتے تھے اسی خوبی وکمال نے انھیں زبردست ماہر تجربہ کار اور فنکار بنا دیا تھا۔ جہاں جاتے نیر درخشاں بن کر رہتے اور لوگ آپ کی وسیع معلومات کے سبب حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ ذیل میں ایک واقعہ درج کیا جارہا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت خواجہ نظام الدین، اولیاء رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ فوائد الفواد شریف ۱۸۱ میں ہے......

الغرض جب حج کر کے بغداد پہنچے ایک محدث تھا جسے ابن زہری کہتے

تھے اس کے لئے لوگوں نے ممبر بنوایا تھا جس پر چڑھ کر وہ حدیثیں بیان کرتا اور لوگ گرداگرد حسب لیاقت حلقے باندھے سنتے ایک دن مولانا رضی الدین اس مجمع میں گئے اور سب سے دور حلقے میں بیٹھ گئے اس وقت ابن زہری یہ حدیث بیان کر رہے تھے...... مؤذن سے موافقت کرنی چاہیے یعنی جس طرح مؤذن کہے اسی وقت سننے والے کو بھی وہی الفاظ کہنے چاہئیں۔ حدیث کا آغاز اس لفظ سے کیا- اذا سکب المؤذن سکوب کا معنی پہنچنے کے ہے یعنی مؤذن کی آواز جب تمہارے کانوں میں پہنچے تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہے جب ابن زہری نے یہ حدیث بیان کی تو مولانا رضی الدین جہاں پر بیٹھے تھے آہستہ سے دوسروں سے کہا- اذا سکت المؤذن یعنی جب مؤذن کلمہ کہہ کر چپ ہو جائے تو پھر اسی طرح کہو۔ جس نے یہ سنا اس نے دوسرے سے کہا، دوسرے نے تیسرے سے کہا، ہوتے ہوتے ابن زہری نے سن لیا تو آواز دی کس نے ایسا کہا ہے۔ مولانا رضی الدین نے کہا میں نے کہا ہے پھر ابن زہری نے کہا، باتوں کا کچھ معنی ہے اس کے لئے کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ دونوں باتیں باوجہ ہیں۔ جب اس مجلس سے اُٹھے تو پھر کتابوں میں دیکھا دونوں باتیں بادلائل تھیں لیکن اذا سکت زیادہ صحیح تھا۔

(فوائد الفواد، ص:۱۱۸)

اس واقعہ سے حضرت علامہ صغانی کی مہارت فی الحدیث ثابت ہوتی ہے یہ تفوق و برتری جزوی تھی اسے کلی تصور کر کے علامہ زہری پر ان کی برتریت ثابت نہیں ہوتی کہ وہ اس وقت محدث کی حیثیت سے بغداد کی سرزمین پر چھائے ہوئے تھے۔ جب خلیفۂ وقت

کو اس بحث ومباحثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے علامہ صغانی کا زبردست استقبال کیا اور عنایات ونوازشات سے مالا مال کر دیا۔ اس وقت خلافت بنی عباس کا دور تھا اور مستنصر[1] باللہ کی حکومت تھی اور ہر چہار جانب انھیں کی شہرت اور چرچا تھا۔ علامہ صغانی نے علم حدیث کے تعلق سے مشارق الانوار النبویہ تحریر فرمائی۔ اس کتاب کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور پڑھنے والے مذکورہ کتاب کو درس میں پڑھا کرتے۔ اس کتاب کے تعلق سے مختلف اہل علم نے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ بھی ان تاثرات کو پڑھیں دل باغ باغ ہو جائے گا اور ذہن وفکر کا سارا تکان جاتا رہے گا......

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ مولانا رضی الدین صغانی نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں جتنی حدیثیں لکھیں ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ اس میں تیس ہزار حدیثیں زبان مبارک حضرت رسول اللہ ﷺ سے صحت شدہ ہیں۔

(مردان خدا، ص:۱۰۱)

اسی صحت حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے مولانا رضی الدین صغانی نے خود ارشاد فرمایا۔ یہ کتاب میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجت ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے اس قول سے علامہ موصوف کے مذکور بالا قول کی صحت ہو جاتی ہے آپ فرماتے ہیں......

اگر کسی حدیث میں مشکل پیش آجاتی تو رسولِ خدا ﷺ کو خواب میں

---

۱۔ مستنصر باللہ- نام ابوجعفر بن منصور، بن ظاہر بامر اللہ بن ناصر الدین عباسی ہے۔ ۵۸۸ھ میں ولادت ہوئی اور ماں ترکی نژاد تھیں۔ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، اپنے والد منصور کی وفات کے بعد ۳۵ رسال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ ان کی شخصیت پر کشش، چہرہ بارعب اور وجیہ شکل وصورت کا مالک تھا اور ۳۵۷۰ رلوگوں کو خلعت شاہی سے نوازا۔ وہ جاہ جلال کے ساتھ حکومت کرتا تھا، دیانت دار اور انصاف پسند تھا اس لئے شرپسندوں کو قلع قمع کر دیا۔ اس نے مساجد ومدارس پر بہت زیادہ دولت خرچ کی۔ اس نے ۱۷ رسال تک حکومت کی، اس کے بعد سلطنت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ ۱۰ رجمادی الثانی ۶۴۰ھ میں جمعہ کو علی الصبح اس کی وفات ہوئی۔ (حیات الحیوان، ص: ۲۹۳، جلد اول)

دیکھ کر صحیح کرتے۔ (فوائد الفواد، ص:۱۱۷)

علامہ موصوف کی انھیں علمی خدمات کے پیش نظر حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا......

ان دنوں دہلی میں بڑے بڑے عالم موجود تھے۔ علوم میں ان سب کے مساوی تھے اور علم حدیث میں سب سے ممتاز کوئی شخص آپ کے مقابلہ کا نہ تھا۔ (فوائد الفوائد، ص:۱۱۸)

حضرت مولانا رضی الدین کی اس علمی، فنی مہارت نے ان کی ذات بابرکت میں جو خوبیاں اور کمالات عطا کردیں وہ لائق دید اور حیرت انگیز ہیں اس ذاتِ گرامی پر تمام اہل بدایوں کو ناز کرنا چاہیے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم میں سے کوئی ایسا بچہ ظاہر ہو جو اسلاف کے علمی کارناموں کا محافظ بنے اور ان کی نگہداشت میں اپنی زندگی صرف کردے۔

## علامہ صغانی اور زیارت حرمین شریفین-

حضرت علامہ رضی الدین صغانی کے حالات سفرحج اور ملازمت کے بارے میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی کتاب فوائد الفواد میں گفتگو فرمائی ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ المشائخ نے ضرور کسی معتبر شخص سے سن کر ہی ملفوظات میں یہ حالات درج کئے ہونگے۔ انکے ملفوظ کی یہ تحریر لائق اعتماد بھی ہے اور اطمینان بخش بھی۔

پھر کول[۱] میں آئے اور نائب مشرف ہوئے۔ مشرف جس کے نائب آپ تھے وہ بھی بالیاقت آدمی تھا ایک روز مشرف[۲] بات کرتا تھا اور مولانا رضی الدین مسکراتے تھے۔ مشرف نے آپ کی طرف دوات

---

۱۔ علی گڑھ کو پہلے کول کہا جاتا تھا۔

۲۔ مشرف۔ شاہی دور میں یہ ایک اعلیٰ منصب ہوا کرتا تھا۔ تمام محکماجاتی رپورٹ کو حاصل کرنا اور پھر تمام رپورٹوں کی چھان بین کر کے اس کا ایک خلاصہ تحریر کر کے بادشاہ کے روبرو پیش کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

بھیجی اور وہ منحرف ہو گیا، آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ہمیں جاہلوں میں نہیں بیٹھنا چاہیے پھر اور بھی آمدنی کا ذریعہ بڑھ گیا۔ کول کے مالک کے لڑکے کو پڑھایا کرتے تھے اور سو (۱۰۰) اشرفیاں وہاں سے ملتیں اسی پر قناعت کرتے، وہاں سے حج کے لئے گئے اور بغداد پہنچ کر پھر دہلی پہنچے۔ (فوائد الفواد، ص:۱۱۸)

جس وقت آپ بغداد پہنچے اس وقت مستنصر باللہ کی حکومت تھی۔ اسی سفر میں ابن زہری کے ساتھ مذکورہ واقعہ پیش آیا۔ خلیفہ نے آپ کے ساتھ جو معاملات کئے اور جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اس سے ان کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی انفرادی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔ ان خصوصیات و امتیازات کا حامل شخص برسوں بعد پیدا ہوتا ہے اور اپنے خوبصورت جلوؤں سے تاریک ذہنوں کو تابناک بنا دیتا ہے اور دلوں میں معرفت ربانی کا نور بھر دیتا ہے اس سفر کا مقصد حرمین کی زیارت اور اہل علم وادب سے اکتساب فکر وشعور بھی کرنا تھا۔

## علامہ صغانی اور درس و تدریس۔

مولانا رضی الدین کو درس و تدریس سے فطری لگاؤ تھا۔ حصول علم میں انھوں نے کبھی بھی سستی کاہلی سے کام نہ لیا اسی طرح پڑھنے پڑھانے اور امور تدریس کے انجام دینے میں ہمیشہ چاق وچوبند رہے اور جسے پڑھاتے تھے اسے دل کھول کر پڑھاتے تھے اور خلوص و پیار کے انداز میں اپنے علمی ذخیروں کا منھ کھول دیتے تھے۔ جہاں رہے تشنگان علوم کی پیاس بجھاتے رہے اور ان کی شخصیتوں کو تابناک بناتے رہے۔ انداز تفہیم آپ کا نرالا اور اچھوتا تھا۔ ترسیل واظہار میں آپ جمالیات سے کام لیتے تھے یہی سبب ہے کہ کامیابی آپ کے مبارک قدموں کو چوم لیا کرتی تھی۔

آپ نے جسے پڑھایا باکمال اور منفرد کر دیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد کس قدر رہے

یہ بات ابھی تشنۂ تحقیق ہے۔درج ذیل علماء آپ کے ارشد تلامذہ میں ہیں......

(۱) شیخ شرف الدین صغانی

(۲) نظام الدین محمود بن عمر ہروی

(۳) ابوالبقا محی الدین

(۴) صالح ابن عبداللہ ابن جعفر ابن صالح اسدی کوفی

(۵) شیخ برہان الدین محمود ابن ابوالخیر اسد البلخی

(۶) مولانا کمال الدین زاہد بدایونی

**تصانیف -** آپ جہاں مفکر، محدث، فقیہ، مدرس اور سیاح تھے وہیں آپ مصنف و مؤلف بھی تھے آپ کی تصانیف میں علمی، فنی، ادبی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ پایا جاتا ہے اور اسرار ورموز کے ایسے نکات ہوتے ہیں جن کی دید سے قلب و دماغ میں تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ان کی زیادہ تر تصانیف محفوظ تو نہیں ہیں مگر جس قدر ہیں انھیں سے ان کی شخصیت کی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔مولانا عاصم اعظمی نے اپنی کتاب محبوب الٰہی میں چند کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اس طرح ہے......

(۱) مشارق الانوار۔ (۲) کشف الحجاب عن احادیث الشہاب۔ (۳) فی الضعفاء المتروکین فی روایت الحدیث۔(۴) الشمس المنیرہ فی الحدیث۔ (۵) الرسالہ فی الاحادیث الموضوعہ۔ (۶) دار الصحابہ فی مواضع وفاۃ الصحابہ۔(۷) تکملہ علی الصحائح۔ (۸) شرح البخاری۔ (۹) مصباح الدجیٰ فی حدیث المصطفیٰ۔ (۱۰) السالکین۔ (۱۱) شرح ابیات المفصل فی النحو۔ (۱۲) مجمع البحرین فی الفقہ۔ (۱۳) اللباب الفاخر فی اللغۃ۔ (۱۴) الاصغاء۔ (۱۵) التجرید۔ (۱۶) الاسد (۱۷) الاضداد۔ (۱۸) العروض۔ وغیرہ۔ (محبوب الٰہی،ص:۳۹)

یہ وہ تصانیف ہیں جو علم و فن، فکر و شعور، روایت درایت کے خوبصورت جلوؤں سے پر ہیں۔ ان تمام کتابوں پر سیر حاصل گفتگو کی جا سکتی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ کتابیں دستیاب نہیں صرف تذکروں اور تاریخی بیانوں پر انحصار کیا جا رہا ہے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ بدایونی دبستان علم کے اس عظیم فرزند نے سرزمین بدایوں کو اوج ثریا کی بلندی عطا کی اور اسے بین الاقوامی شہرت کا حامل بنا دیا اور اہل بدایوں کی قسمت میں چار چاند لگا دیئے۔ بدایوں جیسے پسماندہ شہر کا یہ عظیم رتبہ اگر قائم ہے تو صرف اسی دبستانِ علم کے سبب ہے جسے آج ہم نے فراموش کر دیا ہے اور حال کی الجھنوں میں ہم اس طرح الجھ کر رہ گئے ہیں کہ ماضی کی داستاں کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا۔ ہمارا ماضی رشک چمن بھی تھا اور رشک ارم بھی۔

**وفات پر حسرت** - تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے آپ ہندوستان سے دوبارہ بغداد گئے اور مستقل طور پر وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ۶۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا اور مکہ معظّمہ میں دفن ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ آپ بدایوں میں دفن ہیں اور منڈی والی مسجد بیدوں ٹولہ میں آپ کی قبر انور ہے۔ مگر یہ روایت زیادہ قابل اعتماد نہیں۔ صاحب تذکرۃ الواصلین کا عندیہ بھی یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

## (ب) علامہ علاء الدین اصولی -

بدایوں دبستان علم کے شگفتہ پھولوں میں ایک تازہ ترین اور مسکراتا ہوا گلاب حضرت علامہ علاء الدین اصولی بھی تھے جن کی تبسم ریزی سے پورا بدایوں مہکتا تھا اور فضائیں مشک بار نظر آتی تھیں۔ آپ ایسی باوقار شخصیت کے مالک تھے کہ ہر موسم میں اپنی جلوہ سامانی اور عنبر افشانی سے سماج و معاشرہ کو خوب تر بنائے ہوئے تھے۔ انھیں کے علم و فن کی نیرنگیاں تھیں جو بدایوں کے افق پر قوس وقزح کی صورت میں دیدہ زیب اور پر کشش نظر آتی تھیں۔ جیسا ان کا نام نامی اسم گرامی تھا ویسا ہی ان کا کام بھی تھا۔ علم دین کی اشاعت

،ورفنی دقیقہ سنجی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ دریائے علم وفن کی گہرائی میں اتر کر فکر و معانی کے ' بدار موتی نکال کر لانا اور دوسرے کے دامن کو مالا مال کر دینا یہی تو ان کی زیست کا حاصل تھا۔ آپ زندگی کے کسی موڑ پر اپنے مقصد سے منحرف نہ ہوئے کہ مقصد کی راہ چلنا ان کی عادت وفطرت تھی اور اس سے بچ کر نکل جانا کسی بھی دور میں آپ اپنے لئے مناسب تصور نہ کرتے۔ تیز دھوپ ہو یا راستوں میں کانٹے ہی کانٹے ہوں، زمیں دہک رہی ہو یا پاؤں میں آبلے پڑے ہوں، علم کی شاہراہ پر چلنے میں ہی آپ کو مزہ آتا تھا۔ مدرسہ معزیہ کے مدرسین نے ان کی زیست اور شخصیت میں ایسی جوت جگا دی تھی کہ کبھی رکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کا مختصر سا تذکرہ کر دیا جائے......

**نام و نسب -** مولانا علاء الدین اصولی نام تھا۔ والد گرامی کا نام اشرف العلماء سید مشرف الدین اعلی تھا۔ آپکا تعلق خاندانِ سادات سے تھا، اسکے باوجود انکے نام کے ساتھ سید کا استعمال نہ ہوا۔ البتہ انکے نام کے ساتھ اصولی کا لقب ضرور جڑا ہوا تھا۔

**تعلیم و تربیت -** آپ بدایوں میں پیدا ہوئے، نشو ونما کے مدارج طے کئے، والد گرامی زبردست عالم وفاضل تھے۔ گھر کا ماحول خوشگوار اور فضا مشکبار تھی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور والد مکرم کے زیر تربیت اچھے اخلاق، حسن سلوک، صداقت شعاری اور نرم و شیریں مقالی سے آشنا ہوئے۔ مدرسہ معزیہ میں داخل ہوئے اور اساتذہ کرام کی سرپرستی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ علم وفن، فکر وشعور، تتبع وتلاش اور خوب سے خوب تر کی جستجو فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اساتذہ کی تربیت اور انداز تدریس نے اس قوت جستجو کو شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دیا اور پھر دراک ذہنیت نے فکر و معانی کو اپنے احاطۂ علم میں لانے کے لئے ہر چہار جانب پرواز شروع کر دی۔ شاہین فطرت نے کہاں کہاں پرواز کی، یہ کہنا بڑا مشکل ہے۔ صرف اس قدر تصور کر لیجئے کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے وہ جامع تھے، اور ان کی اخاذ طبیعت میں اصولوں کے وضع کرنے کی زبردست صلاحیت اور قوت پائی جاتی تھی۔

کلیات پر انھیں مکمل عبور حاصل تھا اور پھر کلیات کے توسط سے احکام جزئیات کے استخراج پر بھی انھیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اسی لئے اصولی ان کے نام کے ساتھ جڑ گیا۔

**تبحر علمی -** فوائد الفواد، تذکرۃ الواصلین اور مردان خدا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا علاء الدین اصولی کو مختلف علوم وفنون میں درک حاصل تھا۔ قرآن و حدیث، فقہ وتفسیر، تاریخ وسیر فلسفہ ومنطق، اصول فقہ اور اصول تفسیر واصول حدیث کے تمام مسائل انھیں مستحضر تھے۔ ان کی علمی گفتگو فکر وشعور اور تحقیق وتدقیق کے رنگ میں ہوا کرتی تھی اور بحث وتنقید میں تحقیق کی چاندنی اور تدقیق کا رنگ وروغن پایا جاتا ہے۔ کچی اور ناقص باتیں آپ ہرگز نہیں کرتے تھے۔ عالمانہ، فاضلانہ انداز ان کی شخصیت پر مکمل طور سے زیب دیتا تھا۔ باتوں میں بات پیدا کرنا، کسی کلام کے ممکنہ پہلوؤں پر نظر دوڑانا ان کی عادت تھی۔ علوم وفنون کے بحر ذخار تھے۔ فکر ونظر کے پیکر جمیل اور بطل جلیل تھے۔ ان کی شخصیت باوقار تھی، جس میں گہرائی، معنوی، وسعت اور زبردست پھیلاؤ پایا جاتا تھا۔ انکی شخصیت کس قدر عظیم تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے استاد محترم تھے۔

**علوم باطنی -** علامہ اصولی صاحب جہاں ظاہری علوم کے جامع تھے وہیں باطنی علوم سے بھی مشرف تھے۔ ایک بزرگ کی نگاہ تھی جو کام کر گئی تھی اور آپ کے قلب ودماغ کو روشن وتابناک بنا دیا تھا۔ اس بنیاد پر اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ آپ کاشف اسرار حقیقت اور واقف رموزِ طریقت تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسی باطنی فیض کی بدولت آپ کی شخصیت میں علوم ظاہری سما گئے اور مختلف علوم وفنون نے اپنا کرشمہ دکھا دیا۔ وہ نگاہ کیمیا اثر کیا تھی؟ درج ذیل واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا۔ جب آپ کا بچپن تھا اور کسی گلی سے گذر رہے تھے......

بچپن میں مولانا علاء الدین اصولی بدایوں کے ایک کوچہ سے گزر رہے

تھے شیخ جلال[1] الدین تبریزی کسی دہلیز خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب شیخ کی نظر مولانا علاء الدین اصولی پر پڑی تو ان کو بلایا اور جو جامہ زیب تن کئے ہوئے تھے ان کو پہنایا۔ (شیخ کبیر نے فرمایا) مولانا اصولی کے تمام برکات اسی پیرہن کی وجہ سے تھے۔ (فوائد الفواد، ص: )

واقعہ مندرجہ بالا کے تناظر میں مولانا علاء الدین اصولی برکات جلیلہ کا پیکر نظر آتے تھے اور علوم باطنی وظاہری کا مجسمہ دکھائی دیتے تھے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ کی سراپا کرامت اگر کوئی ہے؟ تو وہ صرف مولانا علاء الدین اصولی ہیں۔ ان کی نگاہ کیمیا اثر تھی کہ مولانا کو کیا سے کیا بنا دیا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بدایونی دبستان علم وفن کا گلِ رعنا مولانا موصوف ہیں اس گل رعنا کی تر وتازگی اور شگفتگی دیکھنے کے لئے درج ذیل عبارتوں کا غائر نظر سے مطالعہ فرمائیں۔

**درس و تدریس** - اہل علم آفتاب و ماہتاب ہوا کرتے ہیں۔ صرف اپنی شخصیت میں تابناکیوں کا ذخیرہ جمع کر لینا کوئی کمال نہیں۔ اصل کمال یہ ہے کہ اپنی تابناکی سے اوروں کو جگمگا دے اور علم وفن، فکر وشعور اور اخلاق حسنہ سے انھیں مزین کر دے اور یہ کام درس و تدریس کے سوا ہو نہیں سکتا۔ یہ ہنر بھی مولانا علاء الدین اصولی کو خوب آتا تھا۔ پوری عمر درس دیتے رہے اور اندھیری کوٹھری میں چراغ جلاتے رہے۔ نا اہل آتے، اہل بنا دیتے تھے۔ لوگ غیر مہذب آتے اور مولانا انھیں باوقار اور تہذیب وتمدن سے آراستہ کر دیا کرتے تھے۔ پورے بدایوں میں ان کے تدریسی خدمات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ بہت سے لوگ ان کی تربیت گاہ لوح وقلم کے نمائندے تھے۔ خود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے

---

۱۔ جلال الدین تبریزی- جلال الدین نام، تبریز وطن تھا۔ ابتداء تبریز کے بادشاہ تھے، امارت ترک کر کے درویشی اختیار کر لی، صاحب علم وعرفاں تھے، کمالات صوری ومعنوی سے آراستہ تھے، نماز فجر حرم شریف میں ادا کرتے تھے، شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے خلافت حاصل تھی۔ ڈھائی سال تک بدایوں میں قیام رہا۔ ۱۵ر شوال ۶۴۲ھ میں وصال ہوا۔ مزار شریف ضلع مالدہ بنگال میں ہے (بحوالہ تذکرۃ العارفین، ص: ۹۹)۔

ان کی تربیت و تعلیم سے استفادہ کیا تھا۔علم فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔تاریخ بتاتی ہے کہ فقہ کی ایک مستند کتاب قدوری[1] ان سے پڑھی تھی۔ان کا انداز تدریس کس قدر خوشگوار تھا؟اور کیسا جاذب نظر تھا؟ذیل کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے۔

**مؤثر طریقہ تدریس** - تدریس کا کام کوئی آسان نہیں، یہ بھی خداداد صلاحیت و لیاقت پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ بہت سے مدرسین ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جن کا انداز تدریس مؤثر نہیں جس کی وجہ سے طلبہ ان سے متاثر نہیں ہوئے اور بہت سے مدرسین کا طریقۂ تدریس اس قدر مؤثر اور پرکشش ہوا کرتا ہے کہ طلبہ ان کی درسگاہ میں آنے کو پروانوں کی طرح جمع ہوتے ہیں اور ان سے اکتساب علم وشعور کرنے میں جذبۂ مسابقت سے کام لیتے ہیں مولانا علاء الدین اصولی میں یہ خوبی و کمال بھی پایا جاتا تھا۔آپ کا طریقہ تدریس موثر بھی تھا اور پرکشش و جاذب نظر بھی۔ان کے انداز تدریس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عاصم اعظمی لکھتے ہیں......

> مولانا اصولی کا طریقۂ تدریس بڑا مؤثر اور تحقیقی ہوتا تھا وہ عبارت معانی اور اس کی گہرائی پر نگاہ رکھتے تھے۔اگر سبق میں کوئی مشکل لفظ آجاتا یا کسی مفہوم پر شاگرد مطمئن نہیں ہوتا تو بحث کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر دیتے تھے تاکہ انھیں سبق کے مفہوم اور اس کے جزئیات ونکات از سر نو غور وفکر کا موقع مل جائے۔ پھر شاگردوں کے سامنے

---

۱- قدوری- فقہ حنفی کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے جو درس نظامی کے نصاب میں داخل ہے اور ہندوستان کے تمام مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے اسی کو مختصر قدوری بھی کہا جاتا ہے۔قدوری کے معتبر ہونے پر تمام علمائے احناف کا اتفاق ہے۔اس کے مصنف کا نام امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی حنفی ہے جن کا انتقال ۴۲۸ھ میں ہوا۔ چونکہ اس کتاب کے مصنف قدور نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے،اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کتاب کا نام قدوری رکھا گیا اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ کے یہاں قِدر یعنی ہانڈی بنانے یا بیچنے کا کام ہوتا تھا۔قدر کی جمع قدور آتی ہے، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے قدوری کہا گیا۔قدوری کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں ہیں۔(از فقہ اسلامی)

تازہ مطالعہ کی روشنی میں بحث کو قابل اطمینان نتیجہ تک پہنچا دیتے اور تلامذہ مطمئن ہو جاتے۔ یہ مولانا اصولی کا امانت دارانہ تدریس کا انداز تھا۔ (محبوب الٰہی، ص:۴۱)

اس عبارت سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا اصولی کا انداز تدریس صرف رسمی اور سرسری نہ ہوتا تھا بلکہ گہرے مطالعہ، عمیق غور وفکر پر مبنی ہوا کرتا تھا اور اس معاملہ میں نہایت ہی دیانت داری سے کام لیتے تھے۔ تدریس کا یہ طریقہ ہر دور میں کامیاب رہا ہے۔ کیونکہ یہ صرف شغل پر منحصر نہیں بلکہ اس طریقۂ تدریس میں استاذ یہ تصور کرتا ہے کہ میرے سامنے شاگردوں کے روپ میں ناہموار ایک پتھر ہے اور نہایت ہی ہوشیاری سے اسے اس طرح تراشنا ہے کہ مستقبل کے لئے وہ کسی نگینہ کی صورت میں پیش ہو جائے اور اہل زمانہ کی غیر معمولی دلچسپی کا مرکز بن جائے۔

**علامہ اصولی اور نظریۂ تعلیم** - علامہ اصولی صرف عبارت خوانی، عبارت فہمی اور ذخیرۂ معلومات میں وسعت پیدا کرنے کو تعلیم نہیں مانتے تھے کہ اس سے طلبہ کا کوئی زیادہ بھلا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ تعلیم کے ذریعہ طلبہ کی خوابیدہ اور پوشیدہ صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے اور ان کی حسیات اس طرح اجاگر کر دیئے جائیں کہ طلبہ میں معنویت کا ذوق پیدا ہو جائے اور خود فکر وشعور کی شاہراہ پر چلنے لگیں۔ اسی مقصد کے تحت وہ تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس نظریۂ تعلیم کو صرف نظریہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر اسے آزمایا بھی۔ ان کا آزمودہ کارنمونہ دیکھنا ہو تو خواجہ نظام الدین اولیاء کا مشاہدہ کر لیجئے اور ان کے حالات کا تجزیہ کر لیجئے، کہ حضرت نظام الدین وہ ہیں جن کی فطرت میں معنویت، تہہ در تہہ پائی جاتی تھی اور ذوق وشوق کا ایک جہان تازہ دکھائی دیتا تھا۔ شاگردوں میں معنویت کا زور وشور دیکھ کر استاد کی شخصیت میں مضمر گہری معنویت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر عاصم رضوی اصولی صاحب کے ذوق

معنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> مولانا اصولی الفاظ وعبارت کے ظاہری مفہوم ومعانی کے سمجھنے اور سمجھانے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ شاگردوں میں ایسا ذوق پیدا کرنا چاہتے تھے جس سے تلمیذ کا شعور اتنا بلند ہو کہ اس کی حسی قوت اس درجہ پہنچ جائے جہاں وہ ذوق معنوی سے بہرہ یاب ہو جائے اور اسی ذوق کی مدد سے علم وفن کے تمام شعبوں میں کمال حاصل کر لے۔
>
> (محبوب الٰہی، ص:۴۱)

میں سمجھتا ہوں ذوق معنوی کو نظریۂ تعلیم قرار دینا، مولانا اصولی کا کمال اور ان کی امتیازی خصوصیت تھی۔ اسے بدایونی دبستان علم کا کرشمہ کہیے یا مدرسہ معزیہ کی تعلیم وتربیت کا اثر انگیز نتیجہ؟

**مولانا اصولی اور دلِ دردمند۔** کسی بھی شخصیت کے ساتھ دلِ دردمند کا پایا جانا کوئی غیر معمولی خوبی نہیں بلکہ یہ ایسا جمال اور امتیازی شان ہے جو ہزاروں میں کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت میں استغنا، بے نیازی اور جذبۂ بے لوث پایا جاتا تھا۔ یہ تمام خوبیاں مولانا اصولی کی شخصیت میں جمع تھیں۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے، اکثر فقر وفاقہ کی نوبت آجاتی تھی مگر کسی امیر یا صاحب ثروت سے نذر وفتوح قبول نہ کرتے تھے، کبھی انھوں نے کسی سے کچھ طلب نہ کیا۔ خیر المجالس میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے یہ واقعہ بیان کیا......

> مولانا علاء الدین اصولی کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے لیکن اگر ضرورت کے وقت کوئی چیز لے آتا تو اس کو بقدر حاجت قبول کر لیتے تھے ایک دن بیٹھے کھل کھا رہے تھے چونکہ آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اتنے میں حجام آیا۔ آپ نے اس سے اپنے فقر کو چھپانے کے

لئے کھل کو اپنے دستار کے نیچے چھپالیا۔ حجام نے پہلے آپ کی داڑھی درست کی پھر آپ کا سر مونڈنے کے لئے دستار اُٹھائی تو کھل زمین پر گر پڑی۔ حجام کو معلوم ہو گیا کہ مولانا کھل کھا رہے تھے۔ لیکن مجھے دیکھ کر شرم کی وجہ سے اس کو اپنی دستار میں چھپالیا۔ حجام ایک مشہور اور بوڑھا آدمی تھا اور اس کی امیروں تک رسائی تھی۔ مولانا اصولی سے فارغ ہونے کے بعد وہ ایک دولت مند آمی کے پاس گیا اور کہا تمہاری دولت کس دن کام آئیگی، جب کہ ایک بزرگ فاقہ کر رہا ہے۔ پھر یہ واقعہ اس دولت مند سے بیان کیا۔ اس دولت مند نے چند من آٹا، چند برتنوں میں گھی اور ایک ہزار جیٹل مولانا کی خدمت میں بھیجے۔ مولانا نے یہ چیزیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کو واپس کر دیا۔ پھر مولانا نے حجام کو بلا کر تنبیہ کی۔ حجام نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔

(بحوالہ محبوب الٰہی، ص:۴۳)

خیر المجالس کے اس واقعہ کو پڑھئے اور ایک ایک سطر پر غور کیجئے۔ مولانا کی شخصیت میں درویشانہ انداز اور فقیرانہ شان وشوکت پائی جاتی تھی۔ غموں سے انھیں پیار تھا اور فاقوں کی زندگی سے ان میں جو انجلائی کیفیت بیدار ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ ایک صاحب نظر ہی لگا سکتا ہے۔ یہ تصوف وسلوک کا ایسا رنگ تھا، جس سے ان کی شخصیت میں چار چاند لگ گئے اور ان کی ذات گرامی پُر بہار ہو کر بدایوں کی فضا پر چھا گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں شیخ کامل بننے کی پوری لیاقت موجود تھی، مگر چونکہ اس کام کے لئے بدایوں کی سرزمین میں بہت سے شیوخ تھے۔ صرف انھوں نے خود کو اشاعت علم وفن تک ہی محدود رکھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بدایوں کے دبستان علم کو فروغ دینے میں

پوری کوشش کی۔انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بدایوں علم وفن کا مرکز بن گیا تھا اور شعور وفکر کی دانش گاہ......ان کی شخصیت میں یہ بھی خوبی تھی کہ دوسرے کے غموں کو برداشت نہیں کر پاتے تھے اوراس بات کی فکر میں لگے رہتے کہ اس غمزدہ کے غموں کا کیا مداوا کیا جائے۔ان کی اس خوبی کے تعلق سے فوائدالفواد شریف میں ایک واقعہ درج ہے......

آپ کے پاس ایک زرخرید بوڑھی باندی تھی۔ ایک دن بوقت سحر بیدار ہوئے تو دیکھا کہ بوڑھی باندی آٹا پیس رہی ہے اور زاروقطار رو رہی ہے مولانا سے دریافت کیا...... کیوں رو رہی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ کاتیر گاؤں میں اپنا شیر خوار بیٹا چھوڑ آئی ہوں اس کی جدائی میں روتی ہوں۔ مولانا نے دریافت کیا...... اگر تمہارے کاتیر گاؤں کے راستہ پر اس حوض تک لے جاؤں جو شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے تو کیا وہاں سے اپنے گھر کا راستہ جانتی ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا صبح کے وقت مولانا اسے حوض مذکور تک لے گئے اور وہاں چھوڑ دیا۔

(فوائدالفواد، ج:۴،ص:۱۸۳)

یہ واقعہ ہی نہیں بلکہ ان کے دلِ دردمند کا کرشمہ تھا، دور حاضر میں اس صفت وکمال والا انسان کہاں؟ آج تو مطلب کے یار ہیں اور مقصد کے پیچھے لوگ دوڑتے نظر آرہے ہیں۔ کاش ہمارے سماج میں اگر یہ خوبیاں آجائیں تو پھر ہمارا معاشرہ ایسا پُرکشش ہو جائے کہ لوگ اس کا مشاہدہ کرکر کے حیرت میں پڑ جائیں۔

**بیعت و خلافت** - ارباب سیر کا اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ کسی کے مرید تھے یا نہیں اور انھیں خلافت حاصل تھی یا نہیں۔اس سلسلے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے......

آپ بہت ہی بزرگ آدمی تھے لیکن کسی کی بیعت نہ کی تھی اگر کسی کے مرید ہوجاتے تو کامل حال شیخ بن جاتے۔

(فوائدالفواد، ص: )

بعد کے تذکرہ نگاروں نے تحریر کیا ہے۔ مولانا اصولی مرید تھے کچھ لوگوں نے لکھا کہ آپ جلال الدین تبریزی کے مرید تھے اور انھیں سے خرقۂ خلافت بھی حاصل تھا۔ مولوی رضی الدین بسمل صاحب کہتے ہیں......

آپ صغرسنی سے صاحب نسبت تھے۔ (تذکرۃ الواصلین، ص:۹۲)

اسی تذکرۃ الواصلین میں تاریخ فرشتہ سے یہ روایت بھی ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء سے آپ مرید تھے اور انھیں سے آپ کو خلافت بھی حاصل تھی۔ میں سمجھتا ہوں مرید ہونے کی دونوں روایتیں کچھ زیادہ معتبر نہیں۔ معتبر وہی ہے جو فوائدالفواد کے حوالہ سے مذکور ہوا۔

**وصال شریف** - مولانا اصولی علیہ الرحمہ کا انتقال ۹ر رجب المرجب ۶۲۲ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار اقدس درگاہ بڑی سرکار سے باہر چبوترہ کے جانب جنوب مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔

**﴿ج﴾ حضرت حافظ ضیاء الدین نخشبی** - بدایوں دبستان علم کے ایک گلِ سرسبد کا نام نامی، اسم گرامی حافظ ضیاء الدین نخشبی ہے۔ ابھی چند ایام ہوئے کہ اہل بدایوں ان کے میکدۂ محبت ومودت کے اک جام لبالب سے سرشار ہو چکے ہیں اور ان کی سرمستیٔ عشق ووفا سے متعارف بھی ہو چکے ہیں۔ وہ کس عظیم شخصیت کے مالک تھے، ارباب علم سلک السلوک مترجم کے مطالعہ سے قدرے واقف ہو چکے ہیں۔ مگر یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ بدایونی دبستان علم وفکر میں ان کا حصہ کس قدر رہا ہے اور وہ کن خوبیوں کے مالک رہے ہیں؟ اس مرتبہ ومقام کی تعیین سے پہلے حضرت نخشبی صاحب کی شخصیت کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

**ابتدائی حالات -** آپ بخارا کے قصبہ نخشب کے رہنے والے تھے۔ یہ وہ نخشب ہے جو ایران میں واقع ہے اور کسی دور میں یہ علاقہ علم وفن اور فکر وشعور کا مرکز رہا ہے۔ تصوف و سلوک بھی نخشب کی مٹی میں پایا جاتا تھا۔ ابوتراب نخشبی[1] بھی اسی شہر نخشب کے رہنے والے تھے۔ آپ نخشب ہی میں پیدا ہوئے اور صغر سنی میں ہی اپنے والد گرامی کے ہمراہ بدایوں آ گئے تھے۔ بدایوں کے جس مقام پر آپ سکونت پزیر ہوئے۔ وہاں ایک واقعہ پیش آیا جو اس طرح ہے......

> آپکے پڑوس میں ایک گھر سے ڈھول بجنے کی آواز آرہی تھی، لوگ خوشیاں منارہے تھے، رشتہ دار خویش واقارب جمع تھے۔ ضیافت کا دور چل رہا تھا ہر ایک کے چہرہ پر مسرت، شادمانی اور خوشیوں کا سایہ تھا۔ کسی سے آپ نے دریافت کیا...... یہ خوشی کیوں ہے؟ بتایا گیا یہاں سالگرہ منایا جارہا ہے۔ اس جواب سے آپ خوش ہوئے اور حیرت میں کہا......اُوہ، اوہ، عمر کم ہونے پر یہ خوشی۔ آپ اس سالگرہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ والد مکرم سے عرض کیا - ابا حضور! اب ہمیں یہیں رہنا ہے، ہمارے پڑوس کے لوگ کس قدر اچھے ہیں کہ عمر کے کم ہونے پر خوشی منارہے ہیں۔

بدایوں کے تمام تذکروں میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ ''انوار الٰہی''، ''تذکرۃ الواصلین'' اور ''مردان خدا'' میں بھی یہ واقعہ درج ہے۔ سالگرہ کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ عمر

---

۱۔ ابوتراب نخشبی - نام عسکر بن حصین ابوتراب کنیت تھی، گروہ صوفیا کے سردار تھے۔ ارض خراسان کے بلند پایہ شیخ تھے، علم وفضل میں یکتا تھے، صاحب کرامات بزرگ تھے، آپ کی مشہور کرامت ہے کسی سفر میں احباب نے کہا - حضور! پیاس لگی، آپ نے زمین پر ٹھوکر ماری اور صاف شفاف پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ کسی نے پھر عرض کیا میں پیالی سے پانی پینا چاہتا ہوں، آپ نے دست مبارک سے زمین کو مارا اور شیشہ کا گلاس ظاہر ہوگیا، تمام دوست واحباب نے سیر ہوکر پانی پیا۔ آپ کا وصال ۲۴۵ھ میں ہوا۔ (جامع کرامت اولیاء ۳۰۴ھ)

بڑھنے پر سالگرہ منایا جاتا ہے اور احباب کی ضیافت کی جاتی ہے اور خوشیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مگر حضرت نخشبی علیہ الرحمہ نے صغرسنی کے باوجود سالگرہ کو عمر کے کم ہونے پر اظہار مسرت قرار دیا۔ عام تصور سے الگ ہٹ کر نئے انداز سے سوچنا۔ یہ ان کی منفرد طبیعت کا کمال تھا اور ان کی انوکھی شخصیت کا انداز۔ اس واقعہ سے ان کی ندرت فکر اور سوچ کی انفرادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی انفرادیت رفتہ رفتہ ان کی زندگی اور شخصیت کا انمٹ نشان بن گیا۔ مولانا نخشبی نے بدایوں میں ہی نشو ونما پائی اور تعلیم وتربیت کے مدارج طے کیا۔ اس وقت معزیہ مدرسہ کی دھوم تھی اور قابل ترین اساتذہ اس میں درس دے رہے تھے۔ یہی ایک مدرسہ تھا جو بدایوں میں کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا اور بدایوں سے باہر بھی اس کی شہرت تھی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ مولانا نخشبی نے مدرسہ معزیہ میں تعلیم حاصل کی اور مختلف علوم و فنون پر مہارت حاصل کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے علم طب کے حصول کے لئے دمشق کا سفر کیا اور پھر وہاں سے مراجعت کے بعد تصوف وسلوک کے حصول میں مشغول ہو گئے اور اس کے لیے آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین مہرہ کی طرف رجوع کیا اور ان سے سلوک کی تعلیم حاصل کی۔ استاد کو اپنے اس ہونہار شاگرد سے اور شاگرد کو اپنے استاد سے کس قدر لگاؤ تھا۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے......

> حضرت مہرہ صاحب کے وصال کے بعد انھیں یعنی نخشبی علیہ الرحمہ کے حصول علم میں ہرج واقع ہوا اور مشکل مسائل کے حل میں دقتیں پیش ہوئیں۔ ایک روز آپ کافی پریشان تھے۔ مشکل مقامات کس طرح حل ہونگے اس کا کیا مداوا کیا جائے۔ حضرت استاد مہرہ صاحب سے اپنے شاگرد ضیاء الدین نخشبی کی پریشانی دیکھی نہ گئی۔ خواب میں تشریف لائے ارشاد فرمایا۔ اے نخشبی پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، تم کتاب لے کر میری قبر پر آجانا۔ اللہ نے چاہا تو

مشکل مسائل حل ہو جائیں گے اور عبارت بھی آسانی سے حل ہو جائیگی۔ حضرت نخشبی جب تک باحیات رہے، مزار پر حاضری دیتے رہے۔ اس طرح بعد وصال بھی اپنے استاد سے آپ اکتساب فیض کرتے رہے۔

یہ واقعہ تذکرہ کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے، انوار الٰہی کے مصنف نے اسے عظمت الاولیاء اور الباقیات الصالحات کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح تذکرۃ الواصلین اور مردان خدا میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس واقعہ کا بظاہر کوئی عقلی اور سائنٹفک ثبوت فراہم تو نہیں ہوسکتا۔ بالفرض اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس کی روایت خود نخشبی علیہ الرحمہ نے کی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ آپ گوشہ نشیں اور عزلت پسند تھے اور اس واقعہ کی روایت عزلت پسندی کے خلاف ہے مگر اس روایت کو صحیح مان لینے میں عقلاً، شرعاً کوئی قباحت بھی نہیں کیونکہ اولیائے کاملین اور محبوبان خدا کے تصرفات اور فیض رسانی شرعاً بھی جائز ہے اور از روئے عقل بھی ممکن ہے۔ تو پھر اسے حق بجانب تسلیم کر لینے میں کیا قباحت ہوسکتی ہے؟ ذرا سوچئے اور بتایئے کہ جہاں اخذ واستفادہ کی یہ نادرونایاب صورت ہو، وہاں علم وفن، فکر وشعور، صلاحیت ولیاقت اور شخصیت میں پائی جانے والی گہرائی کا اندازہ لگانے کے لئے کیا پیمائش ہوسکتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خرد کی تمام پروازیں ختم ہو جاتی ہیں اور ارادت کے حدوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس طویل تحریر سے یہ اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ حضرت ضیاء نخشبی دراک فطرت اور اخاذ طبیعت کے مالک تھے۔

**علامہ نخشبی چھوٹے سرکار کی بارگاہ میں -** حضرت سیدنا ابوبکر موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ اقدس کو حضرت نخشبی نے پایا۔ دونوں میں اچھے اور گہرے مراسم تھے۔ چھوٹے سرکار کی بارگاہ میں آپ کو اذن باریابی حاصل تھی۔ بارہا آپ کو

ان سے استفادہ کے مواقع بھی حاصل رہے ہونگے، جس وقت حضرت موئے تاب بیمار تھے اور عالم نزع کی کیفیت اور اس کی لذت آمیز ساعتوں میں محوخرام تھے۔ اس وقت بھی آپ کو بارگاہ موئے تاب میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت آپ نے عجیب و غریب ماجرا دیکھا۔ صورت نورانی تھی، جبیں پر درخشانی مسکرا رہی تھی۔ رونگٹے رونگٹے میں کچھ عجیب شان دلربائی تھی اور آپ کی زبان فیض ترجمان پر ایک شعر رواں دواں تھا۔ لقائے ربانی کی محویت اور اس کی لذتوں میں کھو جانا، شخصیت کے انمول ہونے کی واضح علامت ہے۔ ۵۸ ویں سلک میں آپ رقم طراز ہیں......

حضرت شیخ ابوبکر موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنے انگ انگ میں حیرت و استعجاب کا جلوۂ زیبا رکھتے تھے۔ جب اس دار فانی سے دار بقا کو رخت سفر باندھا اور برائے سفر آخرت محوخرام ناز ہوئے تو یہ بندۂ ناچیز ان کی عیادت کو حاضر ہوا میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ ہر وقت ہر لمحہ یہ شعر آپ کے وردِ زباں رہتا تھا جس میں ان گنت قسم کے سرور و نشاط اور نغمہ و کیف پائے جاتے ہیں وہ شعر یہ ہے......

قالب چوں غبار است میان من و تو
آمد گہہ آ نکہ از میاں بر خیزد

یعنی میرے اور تیرے درمیاں یہ قالب بھی مثل غبار سے کبھی تو ایسا وقت آئے کہ درمیاں سے یہ پردۂ غبار بھی اُٹھ جائے۔

(سلک السلوک مترجم، سلک ۵۸، ص:۵-۱۷۶)

اس عبارت کا ایک ایک لفظ باہمی مودت اور اچھے مراسم کی نشاندہی کر رہا ہے کہاں حضرت سیدنا موئے تاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کہاں حافظ ضیاء الدین نخشبی دونوں میں از روئے عمر، علم، مرتبہ اور بزرگی کے بہت زیادہ فاصلہ ہے، اس کے باوجود حضرت چھوٹے

سرکار کی عنایاتیں اور نوازشیں حضرت نخشبی کی حیرت انگیز شخصیت کو واضح کر رہی ہیں اور ان کے مرتبہ بلند کو بھی متعین کر رہی ہیں۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کیجئے اور حضرت ضیاء الدین نخشبی کی یادوں کے چراغ اپنے دل کے نہاں خانوں میں روشن کیجئے۔

**شریعت و طریقت** - حضرت ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ کی ذات و شخصیت شریعت و طریقت کا سنگم تھی اور مجمع البحرین کی حیثیت رکھتی تھی۔ جہاں آپ علوم ظاہری میں درک تام رکھتے تھے وہیں تصوف و سلوک کی منزلوں سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ اس کے تمام منزلوں کو عبور کر چکے تھے درویشانہ زندگی میں انھیں جو لطف و مزا ملتا تھا، وہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹ میں کہاں؟ گوشہ نشینی اور عزلت پسندی ہی آپ کا طرۂ امتیاز تھا، لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے، زیادہ ملنا جلنا آپ کو پسند نہ تھا۔ آپ نے اپنی ولایت اور شخصیت کو مضمر رکھنے کے لئے نقال کے گروہ سے بھی رابطہ رکھا بلکہ ان کے ساتھ بھی رہے اور نقالوں کو موقع و محل نیز اقتضائے حال کے مطابق غزل بھی لکھ کر دیا کرتے تھے۔ اس گروہ سے وابستگی کسی دنیوی منفعت کے تحت نہ تھی۔ بلکہ ایثار و قربانی، کسرِ نفس اور خود کو مضمر رکھنے کا ایک بہترین ذریعہ تھا۔ جب تک ان کی ہنگامہ آرائیوں اور شور و غوغا میں آپ کی شخصیت اور ولایت پوشیدہ رہی، ان کے ساتھ نباہ کرتے رہے اور جب راز افشاء ہو گیا تو اس سے انقطاع اور جدائی اختیار کر لی۔ یہ بھی سلوک و تصوف کا ایک رمز ہے جو آپ کے قد زیبا پر صادق آتا ہے۔

**درس و تدریس** - اب تک مری نگاہ میں جس قدر تذکرے آئے ہیں، ان سے یہ قطعی ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی درسگاہ کہاں تھی؟ اور آپ کا طریقۂ درس کیا تھا؟ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم و فن کے خزانہ میں برکت و رحمت خرچ کرنے ہی سے آتی ہے کہ آب رواں ہمیشہ پاک و صاف ہوا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف ٹھہرے ہوئے پانی میں گدلا پن آ جاتا ہے یہی کچھ صورت علم و فن کی ہے کہ جب تک درس و تدریس کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اس

میں اضافے ہوتے رہتے ہیں اور اسے خرچ نہ کرنے کی صورت میں بڑھنے کا سلسلہ تو بند ہو ہی جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی نقصان ہوتا ہے کہ اصل علم میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ وہ شخصیت جو علم کی دولت سے مالا مال ہو اور اس کی ذات میں فن کی تمام درخشانیاں موجود ہوں، درس وتدریس سے پیچھے نہیں رہ سکتی لہٰذا اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے علم کی اشاعت کی ہے اور فن وشعور کے فروغ وارتقاء میں زبردست حصہ لیا ہے۔ یہی کچھ حال حضرت علامہ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ کا تھا۔ ممکن ہے ان کا درس وتدریس مخصوص افراد تک محدود ہو کہ عوامی سطح پر گہرے روابط انھیں ناگوار خاطر تھے اور یہ روابط ان کے مزاجی انفرادیت سے میل بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے تعلیمات و ارشادات درج کتب کر دیئے جو خالص اصلاح سماج ومعاشرہ پر مبنی ہیں۔ ہم ان کی ان تعلیمات کو فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ تعلیمات بھی بدایوں کے دبستان علم کا وافر حصہ ہیں۔ ان کا مطالعہ کئے بغیر ہم دبستان علم کے مفہوم میں وسعت، ہمہ گیریت اور بین الاقوامی حیثیت کا تعین نہیں کر سکتے ہیں۔ سرسری طور پر ان کی تصانیف کا مطالعہ بھی دبستان علم کے تعارف میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

**تصنیفات نخشبی علیہ الرحمہ** - تصنیف انسان کی شعوری کوششوں کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ تحریریں فنکار کی فکری، علمی شخصیت کا اظہار کرتی ہیں حضرت نخشبی علیہ الرحمہ نے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر جو کتابیں تحریر کی ہیں وہ نہایت ہی اہم اور معرکتہ الآرا ہیں ان کی کتابوں کے نام ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں......

(۱) سلک السلوک

(۲) عشرۂ مبشرہ

(۳) جزئیات وکلیات

(۴) پندومواعظ

(۵) شرح دعائے سریانی

(٦) طوطی نامہ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت کی یہ تمام تصنیفات وقیع اور قابل قدر ہیں۔ ان میں زبان و بیان کی چاشنی، طرز نگارش کا بانکپن، خوبصورت لب ولہجہ اور صنائع معنوی ولفظی استعمال کئے گئے ہیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ ہمیں ان کے یہ تصانیف دستیاب نہ ہو سکے۔ ہاں صرف سلک السلوک دیکھنے کو ملی جس کا اردو زبان میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ طوطی نامہ بھی بہت اہم کتاب ہے جو اہل یوروپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اہل یوروپ اسی کتاب کے حوالہ سے بدایوں سے متعارف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جزئیات و کلیات علم طب میں لکھی گئی ہے اس میں ہندی کے الفاظ بھی ہیں اور یہ ہندوستانی تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہے۔ اس طرح ان کی دوسری کتابیں بھی، علم وشعور اور فکر وادب کی بہترین اور پُر تاثیر نمائندگی کرتی ہیں۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے...... پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب تاریخی مقالات۔

**حضرت نخشبی اور بیعت و ارشاد** - آپ نے باضابطہ تصوف وسلوک کی تعلیم حاصل کی تھی اور اس فن کی کتابیں پڑھی تھیں۔ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ آپ کے دل میں پیر کی تلاش ہوئی۔ آپ ناگور حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ فرید الدین چشتی نبیرہ سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کے ہاتھوں بیعت ہوئے اور انھیں سے خلافت بھی حاصل کی۔ اس مقام پر چند باتیں قابل غور ہیں......

**اولاً** - یہ کہ آپ کے دل میں پیر طریقت کی تلاش کا جذبہ کب بیدار ہوا؟ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کے وصال ۶۷۳ھ اور چھوٹے سرکار علیہ الرحمہ کے وصال ۶۹۰ھ کے بعد بیدار ہوا...... یا حضرت عزیز کوتوال کے وصال ٦٨٨ھ سے قبل اس کا تعین بھی ضروری ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ٦٩٠ھ کے بعد مرید ہوئے۔ تو پھر آپ نے

حضرت عزیز کوتوال[1] کو کس طرح مرید کیا کہ آپ عزیز کوتوال کے وصال تک صاحب نسبت ہی نہ تھے اور مرید کرنے کے لئے صاحب نسبت کا ہونا ضروری ہے۔ شاید قرین قیاس یہ ہے کہ آپ ۶۸۸ھ سے قبل اور ۶۷۳ھ کے بعد حضرت شیخ فرید[2] الدین چشتی علیہ الرحمہ سے مرید ہوئے اور پھر حضرت عزیز کوتوال کو مرید کیا۔

**ثانیاً** - یہ کہ تذکرہ نگاروں نے تحریر کیا- حضرت شیخ شہاب الدین مہمرہ علیہ الرحمہ سے فن تصوف اور علم سلوک پڑھنے کے بعد پیر کی جستجو میں مصروف ہوئے۔ حضرت مہمرہ صاحب کا وصال ۶۸۶ھ میں ہوا۔ گویا اس وقت تک آپ کا تعلیمی سلسلہ جاری تھا اور بعد وصال بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ خواہ ایک سال جاری رہا ہو یا دو سال؟ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت نخشبی علیہ الرحمہ حضرت عزیز کوتوال کے وصال ۶۸۸ھ کے بعد مرید ہوئے۔ اس صورت میں حضرت عزیز کتوال کا کسی اور سے مرید ہونا لازم آتا ہے۔ مردان خدا کی اس عبارت سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں......

> اور مولانا شیخ شہاب الدین مہمرہ کی صحبت اختیار کی تھی۔ تصوف کی بہت سی کتابیں ان سے پڑھی تھیں جس کا اثر یہ ہوا تھا کہ آپ کو پیر طریقت کی تلاش ہوئی۔
>
> (مردان خدا، ص: ۲۱۰)

---

۱- عزیز کوتوال- آپ مجذوب صفت اور ابدال بزرگ تھے اور صاحب سیف زبان تھے۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ خواجہ نظام الدین آپ سے ملنے کے لئے باغ اتبہ میں تشریف لے گئے، جیسا کہ فوائد الفواد میں اسکا ذکر ہے، ۶۸۸ھ میں آپ شہید کردیئے گئے۔ مزار پاک بدایوں میں ہے۔

۲- شیخ فرید الدین چشتی- سن ولادت ۶۳۹ھ سن وصال ۷۱۹ھ آپ سلطان التارکین شیخ صوفی حمید الدین کے حقیقی پوتے، مرید، خلیفہ اور جانشین تھے، انھیں کے سایۂ عاطفت میں تربیت، پرورش پائی، آپ نے اپنے دادا صوفی حمید الدین کے ملفوظات بنام سرور الصدور جمع کئے سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ناگور سے دہلی تشریف لائے، مزار پاک بھی دہلی میں ہے۔ آپ علامہ نخشبی کے پیرو مرشد تھے۔ (اخبار الاخیار، ص: ۱۶۴)

چونکہ اس دور میں ضیاء نام کے تین بزرگ تھے......(۱) ضیاء الدین مدنی[۱]، جن کا مزار پاک دہلی میں ہے۔(۲) ضیاء الدین[۲] سنامی۔(۳) ضیاء الدین نخشبی بدایونی، آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے نہ معتقد تھے اور نہ منکر تھے۔

**ثالثاً-** حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا......اور وہ یعنی حضرت عزیز کوتوال، مرید خواجہ ضیاء الدین بدایونی کے تھے، اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عزیز کوتوال حضرت ضیاء نخشبی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت نخشبی علیہ الرحمہ علم تصوف پڑھنے سے قبل ہی مرید ہو گئے تھے اور حضرت خواجہ عزیز کوتوال کو مرید فرما لیا تھا۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ آپ دہلی میں گروہ نقالوں میں جس وقت تھے، خود اپنی شخصیت چھپائے ہوئے تھے، مگر بیعت ہونے کے بعد اس گروہ سے نکلے اور علم تصوف کے حصول کا جذبہ نمودار ہوا اور اس کے لئے حضرت مہمرہ صاحب کی صحبت اختیار کر لی۔

**رابعاً-** جب آپ گروہ نقالوں میں تھے اور 'قم باذن اللہ' کہہ کر ایک مردہ بچہ کو زندہ کر دیا تو آپ کا یہ واقعہ زمرۂ کرامت میں آتا ہے اور غیر مادی قوت وتصرف میں دکھائی دیتا ہے۔اس قسم کی کرامت وتصرف اور خرق عادت واقعات کا ظہور میں آنا صاحب نسبت سے بھی پایا جاتا ہے اور اس سے بھی ظاہر ہوا کرتا ہے، جو صاحب نسبت نہیں ہوتا۔تاریخی حقائق بتاتے ہیں اس کرامت وتصرف کے وقت آپ کسی کے مرید نہ تھے۔بایں وجہ آپ کا مادرزاد ولی ہونا ثابت ہوتا ہے۔اللہ اکبر۔آپ کی کیا شان زیبائی تھی کہ زندگی کی ہر ساعت، ہر آن

---

۱- شیخ ضیاء الدین مدنی- ۶۵۹ھ میں ولادت ہوئی۔مشائخ کبار میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید وخلیفہ تھے، سلطان قطب الدین بن علاالدین آپ کے مرید وخلیفہ تھے۔سن وصال ۷۲۱ھ ہے اور دہلی میں مزار پاک ہے۔(از اخبار الاخیار، ص:۱۶۱)

۲- شیخ ضیاء الدین سنامی، ۶۷۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ دیانت اور تقویٰ میں مقتدائے وقت تھے، شرعی امور پر مضبوطی سے پابند تھے اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہم عصر تھے۔۷۰۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

اور ہر لمحہ تزکیۂ نفس، طہارت قلبی کی نور و نکہت سے سرشار نظر آتی ہے، جس کے سبب ذہن و فکر ورطۂ حیرت میں مستغرق نظر آتے ہیں۔ اس قسم کی شخصیتوں کی نمود ہمہ وقت نہیں ہوتی بلکہ برسوں بعد دنیائے دوں میں کسی گل تر کی نکہتیں فضاؤں میں بکھر جاتی ہیں اور پھر اس کی خوشبوؤں سے پوری فضا مہک اُٹھتی ہے۔ اسی بزرگی و کمال اور خصوصی برتریت کے سبب حضرت سیدنا ابوبکر موئے تاب علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں مقام قرب حاصل تھا اور ان کی نگاہِ التفات کی وجہ سے آپ کا سراپا، کمالات و جمالیات اور زہد و ورع کا مکمل نمائندہ بن گیا تھا۔ آپ کے مزاج میں استغنا تھا، صبر و رضا اور قناعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان تمام عیوب و نقائص اور کثافت کردار و عمل سے پاک تھے جس کی وجہ سے انسانی زندگی میں لائق نفریں امور شامل ہو جاتے ہیں اور پھر ان غیر شرعی امور کے ارتکاب سے لوگ فطری طور پر اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ خداوند قدوس نے حضرت نخشبی علیہ الرحمہ کو سرمدی خزانوں سے مالا مال فرما دیا تھا۔

**وصال پاک-** بالآخر علم و فن کے اس درخشندہ آفتاب نے اپنے تمام کرنوں، درخشانیوں کو سمیٹ لیا اور ۷۵۱ھ میں آسودۂ خاک ہو گیا۔ مزار پاک استاذ محترم حضرت مہمرہ صاحب کے پائتیں واقع ہے۔ وہ مہمرہ صاحب جو اپنے اس شاگرد رشید کو مزار پاک پر بلا کر علمی نظریات سے روشناس کراتے تھے۔ کیا بعید کہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہو؟ اور حضرت نخشبی کی علمی شخصیت میں شب و روز دن دونی، رات چوگنی ترقی ہو رہی ہو۔ اس اضافہ و ترقی کے پیش نظر ان کے علم و فن، فکر و نظر اور صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کے لئے میرے پاس کوئی پیمانہ نہیں۔ صرف اس قدر سمجھ لیا جائے، آپ علم و شعور، فن و ادراک، تعمق فکر اور وسعتِ نظر کے اتھاہ سمندر تھے اور خود آپ کی ذات بابرکت کوہ ہمالہ کی حیثیت رکھتی تھی اور مخلوق خدا آپ کو مستجاب الدعوات تسلیم کرتی رہی اور آج بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ اللہ تعالیٰ، ان کے مزار پاک پر رحمت و نور کی برکھا برسائے اور نکہتوں سے سرشار کرے۔

**خراج عقیدت۔** مفتی غلام سرور لاہوری نے حضرت نخشبی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور سن وصال کے اعتبار سے مادۂ تاریخ بھی کہا ہے۔ یہ صرف مادہ تاریخ نہیں بلکہ انکشاف حقیقت اور واقعی حیثیت کے اظہار کا بہترین عملی نمونہ ہے، اس مادہ تاریخ کا مطالعہ کریں، آپ کے قلوب باغ باغ ہو جائیں گے......

چوں ضیاء الدین ز عالم رخت بست
سال وصل آں ولی نخشبی
واقف اسرار اہل اللہ داں
نیز مرشد ہادی عالم ذکی
نیز داں مجذوب سال رحلتش
ہم ولی دین کامل متقی

یعنی ضیاء الدین نخشبی واقف اسرار، اہل اللہ، مرشد، ہادی، عالم و ذکی اور مجذوب صفت بزرگ تھے۔ جب انھوں نے اس دار فانی سے رخت سفر باندھا، تو ان کے سالِ رحلت میں ولی دین کامل اور متقی کہہ دیا۔ اس میں جو خوبیاں کمالات بیان کئے گئے۔ حضرت نخشبی علیہ الرحمہ صحیح طور پر اس کے حامل تھے۔ اس دور کا بدایوں کس قدر خوشنما اور رنگین رہا ہوگا کہ جب ہم ماضی کے صحراؤں میں کھو کر سنہرے ادوار کا تصور کرتے ہیں، قلب و جگر، ذہن و خیال میں فردوس بریں کی شگفتگی اور حسن و زیبائی نمود پا جاتی ہے اور پھر پوری زندگی پر اس کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ خالق ارض و سماء اس سنہرے بدایوں کو قائم رکھے اور اس کے امن و سکوں کو مزید ترقی عطا کرے۔

**خواجہ نظام الدین اولیاء۔** مجھے اس حقیقت کے اعتراف میں قلبی مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، بدایونی دبستان علم کے وہ غنچہ و گل ہیں، جنھوں نے اپنی خوشگوار خوشبوؤں سے زمانہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور عقل و خرد کو حیرت

واستعجاب کی کیفیات سے دوچار کردیا۔صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے سراپا اور ذات و شخصیت سے بدایونی دبستان علم کے جلوؤں سے اہل دہلی کو بھی نہال کردیا اور یہ بھی ایک سچائی ہے کہ ان کی ذات وہ روشن مینار ہے جس کے ذریعہ بدایوں دبستان علم کے تمام گوشے اور اس کے تمام فکری زاویئے تاباں نظر آرہے ہیں۔آپ کے کارہائے نمایاں اہل بدایوں کے لئے تسکین قلب کا سامان فراہم کرتے ہیں جن کے مطالعہ سے عقل وخرد کو تازگی اور نگاہوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ایسے نادر ونایاب درناسفتہ پر اہل بدایوں جس قدر ناز کریں کم ہے۔ دہلی کی چکاچوند ماحول میں رہنے کے باوجود انھوں نے کبھی بھی اپنے برادران وطن کو فراموش نہیں کیا۔اپنی خانقاہ کا دروازہ ان کے لئے ہمیشہ کھلا رکھا اور خدام کو نصیحت وتلقین فرمادی کہ بدایوں سے جو بھی زائر آئے انھیں مہمان تصور کیا جائے اور اسی حیثیت سے ان کا استقبال کیا جائے کہ یہی میری قلبی خواہش ہے۔ ہر صورت میں میری اس خواہش کا التزام رکھا جائے۔اللہ اکبر، یہ ہے بدایوں والوں کے ساتھ ان کی محبت اور عظیم اخلاق کا مظاہرہ۔حضرت خواجہ نظام الدین کا وطن مالوف بھی بدایوں ہے اور ان کی تربیت گاہ بھی۔ان کی شخصیت میں جو تاب وتوانائی پائی جاتی ہے۔وہ بدایوں دبستان علم وحکمت کی پیدا کی ہوئی ہے۔وہ انسان عظیم ہوا کرتا ہے جو اپنے ایام طفولیت کے حالات وکیفیات سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے اور اس دور کے دوستوں کا پاس ولحاظ رکھتا ہے۔ورنہ اس جہاں میں بہت سے ایسے افراد ہیں جو اپنے ماضی کی طرف جھانکتے بھی نہیں اور نہ ہی گذرے ہوئے دنوں کا خیال رکھتے ہیں۔اب ذرا جگر تھام کر ان کے حالات کا مطالعہ کیجئے اور قدم قدم پر جلووں کی بارات کا مظاہرہ دیکھئے۔

**نام ونسب**- آپ کا نام نامی اسم گرامی، سید محمد اور القاب شیخ المشائخ، سلطان المشائخ، نظام الدین اولیاء اور محبوب الٰہی ہیں۔آپ نجیب الطرفین حسینی سید تھے۔سلسلۂ نسب اس طرح ہے......

سید محمد ابن سید احمد ابن سید علی بن سید عبداللہ بن سید حسن خلمی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابو عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام احمد تقی بن امام احمد بن احمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن سیدنا علی کرم اللہ وجہ الکریم۔

۲۷؍صفر المظفر ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۶ء کو ولادت با سعادت ہوئی، جس دن آپ کی ولادت ہوئی ماہ صفر کا آخری بدھ تھا۔ سن ولادت میں تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے ۶۳۴ھ/ ۶۳۶ھ/۶۴۲ھ/ ۶۴۵ھ یہ تمام سنونِ ولادت تذکرے کی کتابوں میں مندرج ہیں۔

**لقب نظام الدین** – ’نظام الدین‘ حضرت کا لقب ہے نام نہیں کیوں کہ شرعی اعتبار سے ایسا نام رکھنا جس سے دین و مذہب میں اہمیت وعظمت اور تفوق مترشح ہو، منع ہے۔ البتہ اس قسم کا لقب ہوسکتا ہے بایں وجہ نظام الدین لقب ہے نام نہیں کہ اس سے یقینی طور پر دینی اعتبار سے برتریت اور فوقیت کا معنی متصور ہوتا ہے۔ اصولی اعتبار سے لقب وہ اسم ہوا کرتا ہے جو مدح کی بنیاد پر رکھا جاتا ہے یا پھر ذم کی بنیاد پر۔ مثال کے طور پر اسی لقب کو لے لیجیے نظام الدین کا معنیٰ ’دین کا نظام‘ ہے اور یہ نظام خدا کے دست قدرت میں ہے۔ بندہ کی کیا حیثیت؟ کہ وہ مذہبی نظام کو چلائے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خالق ارض وسماء کبھی اپنے محبوب بندوں سے فروغ دین، اشاعت مذہب اور حق وصداقت کی تبلیغ کا کام لے لیتا ہے انھیں انمٹ کارناموں کی وجہ سے انھیں کبھی نظام الدین کا لقب عطا ہو جاتا ہے اور کبھی عماد الدین کا لقب پڑ جاتا ہے، القاب کبھی خوبصورت اور بے مثال کارناموں کے

سبب دے دیئے جاتے ہیں اور کبھی اس بنیاد پر القاب عطا ہوتے ہیں کہ مستقبل میں ان سے ایسے کارنامے وجود پذیر ہونگے جو دینی مذہبی فروغ وارتقا کا باعث ہونگے۔ حضرت سیدنا سلطان المشائخ کو نظام الدین کا لقب کب عطا ہوا اور جس وقت عطا ہوا، آپ کی عمر شریف کیا رہی ہوگی؟ اس سلسلے میں مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی رقمطراز ہیں......

> ابتدائے عمر ہی سے آپ کو نظام الدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ جب بدایوں میں طالب علم تھے، مکان کے پاس کسی نے بلند آواز سے مولانا نظام الدین کہہ کر پکارا، آپ نے خیال کیا کوئی مجھے بلا رہا ہے، مکان سے باہر آئے تو ایک شخص نے آپ کو خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ السلام علیکم مولانا نظام الدین، اسی دن سے آپکو شیخ نظام الدین کہا جانے لگا، یہ لقب اس قدر مقبول ومشہور ہوا کہ تمام لوگ آپ کو اسی لقب سے یاد کرنے لگے۔ (محبوب الٰہی، ص:۹۱)

عمر کے ابتدائی دور میں کسی اجنبی کا نظام الدین کے لقب سے یاد کرنا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ حضرت والا کی آنے والی زندگی فروغ دین ومذہب کے لئے وقف ہوگی اور آپ کی ذات وشخصیت سے مسلک وملت کو ارتقاء نصیب ہوگا، گویا یہ ایک پیش گوئی تھی جو آپ کے گوش گزار کر دی گئی۔ تذکرہ نگار اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ جس شخص نے آپ کو مولانا نظام الدین کہا وہ صرف ایک شخص تھا، یعنی اجنبی تھا، اس کی صورت نا آشنا تھی اگر کوئی جانا پہچانا ہوتا تو تذکروں میں ان کے نام کا ذکر ضرور ہوتا۔ تذکروں میں ان کے نام کا ذکر نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ لقب بھی عطیۂ ربانی ہے جو کسی اجنبی کی زبان سے کہلوایا گیا تھا۔

**محبوب الٰہی** - حضرت نظام الدین محبوب الٰہی سے بھی مشہور ہیں اور پورے

ہندوستان میں اسی لقب سے آپ کی شہرت ہوئی۔ نام الگ ہوا کرتا ہے اور لقب بھی جدا ہوتا ہے۔ حالانکہ دونوں سے ذات و شخصیت کا تعارف ہو جاتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نام پر لقب غالب آ جاتا ہے اور ہر شخص کی زباں پر لقب ہی لقب رہتا ہے کبھی کبھی لوگ نام فراموش کر بیٹھتے ہیں، یہی صورت یہاں بھی ہے۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی سید محمد ہے اور القاب نظام الدین، محبوب الٰہی ہیں جو نام پر غالب ہیں۔ جب بھی نظام الدین یا محبوب الٰہی بولا جاتا ہے تو آپ کی ذات ہی مراد لی جاتی ہے۔ محبوب الٰہی لقب پڑنے میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی دعائیں شامل ہیں کیونکہ ایک مرتبہ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی تھی...... الٰہی نظام الدین جو تجھ سے طلب کرے تو اسے عطا فرمایا کر۔ حضرت بابا فرید گنج شکر کی یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ اسی دعا کی برکت سے محبوب الٰہی ہو گئے، جو شخص محبوبیت کے درجہ پر فائز ہوتا ہے ان کی ہر طلب اور ہر تمنا قبول ہوتی ہے کیونکہ کوئی محبّ اپنے محبوب کے دل کو میلا نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے حسن طلب کو رد فرماتا ہے، بس ثابت ہوا محبوب الٰہی ایک ایسا لقب ہے جس سے منفرد ذات و شخصیت کی نشاندہی ہوتی ہے اور پاکیزہ سیرت و کردار کا سراغ ملتا ہے۔

**دریتیم** - انوکھے اور نادر و نایاب گوہر آبدار کو دریتیم کہا جاتا ہے مگر جب کوئی بچہ باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم رہ کر بھی علم و فن، فکر و شعور، تہذیب و تمدن میں درک تام حاصل کر لیتا ہے، زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور تزکیۂ نفس میں کمال پا کر اسلامی روایات و اقدار کا پاسدار بن جاتا ہے تو وہ شخص دریتیم بن جاتا ہے اور پھر اپنی علمی تاب و توانائی سے سارے زمانہ کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے دریتیم ہونے کا واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا کہ......

حضرت شیخ المشائخ کی عمر ابھی پانچ برس ہوئی تھی کہ والد بزرگوار سخت بیمار ہوئے، ایک شب والدہ ماجدہ بی بی زلیخا نے خواب میں دیکھا کہ

کوئی ان سے کہہ رہا ہے، اپنے شوہر خواجہ احمد یا اپنے بیٹے خواجہ محمد میں کسی ایک کو اختیار کرو۔ انھوں نے بیٹے کو اختیار کیا، صبح بیدار ہوئیں تو سید احمد کی بیماری زور پکڑنے لگی، بی بی زلیخا نے سمجھ لیا اب ان کے خاوند دنیا سے جلد ہی رحلت فرما جائیں گے، اس لئے پرہیز ترک کر دیا اور وہ جس چیز کی خواہش کرتے بلا تامل وہ چیزیں کھانے کو دیتیں بالآخر چند ہی دنوں بعد اس مریض نے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

(محبوب الٰہی، ص:۹۲)

ایک خاتونِ اسلام کے لئے وہ ساعت کس قدر روح فرسا رہی ہوگی جب شوہر اور بیٹے کے درمیان اختیار کی بات کہی جا رہی ہوگی، اس منزل پر ہوش وخرد کا ہوش اڑ جایا کرتا ہے۔ مگر جس صبر وقناعت اور ہوش مندی کے ساتھ حضرت زلیخا نے اپنے بیٹے سید محمد یعنی نظام الدین اولیا کا انتخاب کیا، یہ انھیں کا حصہ تھا۔ اس ہوش ربا ماحول میں بیٹے کی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت کس قدر کٹھن ہوتی ہے، سماج ومعاشرہ پر ظاہر ہے۔ مگر واہ رے عزم وحوصلہ اور ولولہ وامنگ کہ حضرت زلیخا نے اپنے بیٹے کی تمام ذمہ داریوں کو اپنے سر لے لیا اور اپنے فرزند دلبند کے لئے وہ تمام چیزیں فراہم کر دیں جو انوکھی اور نرالی شخصیت کی تعمیر کے لئے ضروری تھیں۔ اسی یتیمی نے حضرت خواجہ نظام الدین کو در یتیم بنا دیا اور اسے وہ تاب وتوانائی عطا کر دی جو اوروں کو نصیب نہیں ہوتی۔

**تعلیم و تربیت۔** والدۂ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا نہایت ہی پارسا، خوش اخلاق اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ ان تمام نامساعد حالات اور روح فرسا کیفیات کا سرفروشانہ انداز میں مقابلہ کیا اور اپنے نور نظر لخت جگر کی تعلیم وتربیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں صرف تعلیم وتربیت ہی کی بات نہ تھی بلکہ مستقبل کے لئے انھیں عظیم انسان اور خوب سے خوب تر بنانے کا مسئلہ تھا۔ پیش منظر کے انھیں نقوش کو ذہن میں محفوظ کر کے حضرت والا کی

تربیت اور تعلیم کا آغاز کیا اس وقت بدایوں میں حضرت شاوی مقری کی طوطی بول رہی تھی جو بہتر اور خوبصورت لب ولہجہ میں قرآن پڑھایا کرتے تھے اور بچے ان کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے بلکہ یہ تصور کرتے تھے کہ وہ قسمت کا دھنی ہے جوان سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔آپ قرأت سبعہ سے قرآن پڑھا کرتے تھے۔اصول تجوید کا احترام اور شیریں بیانی کا زبردست پاس ولحاظ کیا کرتے تھے۔آپ کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ جنھیں قرآن شریف پڑھادیا کرتے تھے وہ عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں قرآن پاک حفظ کرلیا کرتا تھا۔ذرا سوچیئے، حضرت شادی مقری کس قدر باکمال شخصیت کے حامل تھے۔ایسے ہی باعظمت اور صاحب کمال ہوا کرتے ہیں جن کے لئے فرش خاک، دیدۂ ودل بن کر سراپا استقبال ہوجایا کرتا ہے اور زبان حال سے کچھ اس طرح تبسم ریز ہوجاتا ہے کہ پیارے! ادھر آؤ، تیرا مقام میرے دیدۂ ودل میں ہے۔ مولانا مقری سے حضرت والا نے صرف ایک پارہ پڑھا تھا، اس مختصر سی تعلیم کے ذریعہ آپ نے حضرت محبوب الٰہی کے دل میں وہ سچی لگن اور حقیقی جذبہ واُمنگ پیدا کردیا کہ پورا کلام پاک بھی پڑھ لیا اور حفظ بھی مکمل کرلی۔

**فن کی تعلیم -** حضرت محبوب الٰہی کے دور مقدس میں بدایونی دبستان علم میں روایتی تعلیم وتربیت کا رواج نہ تھا بلکہ یہاں جو بھی مدرّس ومعلم رہا کرتے تھے، اپنے شاگردوں کے دل میں ذوق معنوی بیدار کردیا کرتے تھے، جس سے طلبہ کی شخصیت میں وہ صلاحیتیں نمود پاجاتی تھیں، جو خود آگے بڑھ کر جام لبالب اُٹھالینے کا حوصلہ رکھتی تھیں اور دست کی کوتاہی عمل سے بہت دور رہا کرتی تھیں جہاں ذوق وشوق کی یہ فراوانی ہو کہ اساتذہ انھیں اپنا خون جگر پلا دیتے ہوں اور اپنے دل نکال کر انھیں عطا کردیتے ہوں۔ یوں تو حضرت نظام الدین اولیا نے پہلے بنیادی تعلیم یعنی صرف ونحو کے قواعد وامثال سے واقف ہوئے اور اس فن میں بھی انھوں نے زبردست کامیابی حاصل کی۔صرف ونحو کی

تعلیم کے بعد آپ ایک باکمال، شیریں مقال، نمونہ اسلاف اور اپنے دور کے امثال وہم جنس پر فوقیت رکھنے والے نابغۂ روزگار اور بہترین تربیت کنندہ حضرت مولانا علاء الدین صاحب اصولی کے زیرِ تعلیم آئے جو صبر وقناعت پر راضی بہ رضا تھے۔ فقر وفاقہ کی نوبت آ جاتی مگر خوبصورت ہونٹوں پر حرف شکوہ نہ آتا۔ وہ کوئی شاعر مشرق اقبال نہ تھا جو بارگاہ ایزدی میں شکوہ کر بیٹھا، بلکہ مولانا اصولی تھے جو خود زحمتوں اور شدید تکلیفوں سے دوچار ہو جاتے، لیکن تدریس میں کوئی فرق نہ آتا۔

برابر ذوقِ معنوی کے ابھارنے میں مصروف عمل رہا کرتے تھے۔ حضرت والا کو آپنے کس انوکھے انداز سے نوازا ہوگا اور علم وادب، فکر وفن کے کن کن نکتوں سے آشنا کیا ہوگا؟ ہم سب کو کیا معلوم؟ ہم تو صرف شاگرد کی اعلیٰ صلاحیتوں کو دیکھ کر استاد کی ماہرانہ بصیرت کا اندازہ کرلیا کرتے ہیں۔ آپ پڑھاتے جاتے تھے اور آنجناب پڑھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپنے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو فقہ کی اہم اور عظیم کتاب قدوری پڑھادی۔

جب قدوری کی تعلیم مکمل ہوگئی، آپنے فرمایا- اے نظام الدین تمہاری تعلیم بہت کچھ مکمل ہو گئی، اب تمہاری دستار بندی ہوگی، خوبصورت تقریب کا انعقاد ہوگا، تمہارے سر پر دستار باندھی جائیگی، لہٰذا اسکی تیاری کرو۔

یہ وہ دستار بندی تھی جسے آج بخاری ومسلم شریف پڑھانے کے بعد کی جاتی ہے مگر مولانا اصولی قدوری پڑھا کر ہی کر دیا کرتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دور حاضر میں ہمارے اساتذہ ہرفن کی اعلیٰ سے اعلیٰ کتابیں پڑھانے کے باوجود وہ صلاحیتیں، لیاقتیں بیدار نہیں کر پاتے جنھیں اصولی صاحب نے قدوری پڑھا کر بیدار کر دیا تھا۔ یہ دور انحطاط ہے اور وہ دور ارتقاء تھا چونکہ حضرت نظام الدین اس منزل پر زبردست فکری قوتوں کے مالک بن چکے تھے۔ ہر قسم کی سوچ اور ہوش سے آشنا ہو چکے تھے۔ ایک طرف دستار بندی کی عظیم تقریب اور اس کا زبردست صرفہ اور دوسری طرف والدہ مکرمہ کی بیوگی تھی۔ حالات موافق نہ تھے کہ

والدہ سے اس قسم کے صرفہ کی بات کی جائے۔ آپ غمزدہ تھے، چہرے پر فکر و تامل کا سایہ تھا۔ گھر پہنچے، چپ چاپ رہے، خاموشی اختیار کرلی۔ دوسری طرف ماں نے بیٹے کے چہرہ [illegible] پوچھا۔ بیٹے جواب دیا اور وہ تمام باتیں بتادیں جو علامہ اصولی نے کہی تھیں۔ ارشاد فرمایا...... بیٹے صبر سے کام لے، وہ بڑا کار [illegible] ہے، وہی سب انتظام کرے گا، چنانچہ والدہ مکرمہ نے تیاری شروع کر دی۔ عمامہ کا انتظام کیا اور ضروری اخراجات بھی فراہم کر دیئے۔ حضرت خواجہ والدہ کے اس حسن انتظام کی صلاحیت پر حیرت زدہ ہوئے اور دل ہی دل میں اپنی والدہ کے تئیں سراپا ادب [illegible] گئے۔ زندگی کے اس موڑ پر شخصیت میں جن صلاحیتوں کی نمود ہوتی ہے وہ کبھی روپوش نہیں ہوتیں۔ سچ پوچھئے تو یہی ذوق معنوی ہے جسے تعلیم و تربیت اور انداز پرداخت انگیز کرتا ہے اور خود یہی صلاحیتیں مستقبل کے لئے سراغ رساں ثابت ہوتی ہیں۔ کاش ہمارے سماج کے ہر ایک بچہ میں اسی قسم کی صلاحیتیں نمود پا جائیں۔

**جشن دستار بندی -** تاریخ گواہ ہے آپ کی دستار بندی کا جشن بھی بڑا خوبصورت اور نرالا تھا۔ اس تقریب میں جن بزرگوں نے حصہ لیا، آپ ان کے ناموں سے واقف ہونگے تو حیرت میں پڑ جائیں گے۔ ضابطہ ہے جس قدر مقدس اور بابرکت ہاتھ ہوتا ہے، دستار میں اسی قدر نور و نکہت اور برکت و فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ ذرا دیکھئے تو دستار کا ایک سرا علامہ اصولی کے مقدس ہاتھوں میں ہے اور اس کا دوسرا سرا حضرت علامہ علی مولیٰ بزرگ کے دست فیض میں ہے۔ بدایوں کے تمام علماء، فقہاء، صوفیائے کرام اس تقریب میں حاضر ہیں اور فرطِ محبت سے حضرت نظام الدین اولیاء کو دیکھ رہے ہیں۔ اس حسین و پر مسرت موقع پر وہ کون ہوگا جن کے دل سے آپ کے لئے دعائیں نہ نکلی ہوں بلکہ ہر ایک کے قلب و روح میں یہی التجائیں ہونگی اے اللہ! اس ہونہار بچہ کو علم و ادب، شعور و ادراک اور فکر و دانش کا گوہر آبدار کر دے اور اسے در یتیم بنا دے۔ دونوں بزرگوں نے دستار بندی

فرمائی۔ حضرت والا فرطِ ادب سے جھکے اور اپنے استاذ علامہ اصولی اور علی مولیٰ کے قدموں کا بوسہ لیا۔ علی مولیٰ بزرگ نے اس بچہ کو اٹھایا اور سینہ سے لگالیا پھر ارشاد فرمایا......

ارے مولانا یہ بڈا ہووے - یعنی یہ لڑکا بڑا بزرگ ہوگا۔

علامہ اصولی نے دریافت کیا آپ کو یہ کیسے معلوم کہ یہ لڑکا بڑا بزرگ ہوگا۔ حضرت علی مولیٰ بزرگ[1] علیہ الرحمہ نے جواب دیا......

جو مونڈا سا باندھے سو پائن پسرے۔ یعنی جو دستار باندھتا ہے وہ کب کسی کے پاؤں پڑتا ہے۔

آپ کے بڑے بزرگ ہونے کی یہ علامت بھی تھی کہ عمامہ شریف میں ریشم کی آمیزش نہ تھی۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین نے تمام حاضرین مجلس کی دست بوسی کی اور سبھوں نے اجتماعی طور پر انھیں علمی بصیرت، فنی مہارت اور نیکی وصلاح کی دعائیں دیں۔ اس مقام سے یہ راز بھی کھلتا ہے کہ انسان خواہ کتنا بھی عالی منصب اور اعلیٰ مرتبت کا حامل ہو۔ ادب واحترام، حسن اخلاق اور پاکیزہ سیرت والا ہونا چاہیے کہ اسی میں کامیابی اور فلاح و بہبودی کا راز پوشیدہ ہے، وہ بھی کیا انسان ہے جو عارضی رتبہ پر فائز ہو کر نہ بڑوں کا احترام کرتا ہے اور نہ دوستوں کی عزت بجالاتا ہے اور نہ ہی چھوٹوں کے سروں پر محبت بھرا ہاتھ پھیرتا ہے۔ یہ سراسر بے ادبی اور نخوت وغرور ہے جو انسان کو ذلت ورسوائی سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہ تو انسان رہا، تکبر اتنا بڑا مہلک اور خطرناک مرض ہے جس نے عزازیل کو بھی کہیں کا نہ رکھا بلکہ صبح قیامت تک کے لئے راندۂ درگاہ کردیا۔

---

۱- خواجہ علی مولیٰ، آپ ۶۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۴۰ھ میں آپ کا وصال ہوا شیخ جلال الدین تبریزی سے مرید تھے اور باکرامت بزرگ تھے۔ بدایوں میں علی مولا کے نام سے دو بزرگ تھے، آپ علی مولا کلاں تھے، زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر از حد سچے اور صادق تھے اور عابد وزاہد تھے مقبول بارگاہِ خدا تھے، لوگ آپکی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے اور آپکو دیکھ کر فوراً کہتے یہ خدارسیدہ ہیں۔ (اخبار الاخیار، ص:۱۶۸)

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

یعنی تکبر نے عزازیل کو ذلیل کر دیا اور ہمیشہ کے لئے لعنت کی قید میں گرفتار کر دیا۔ ۱۶ / سال کی عمر تک آپ بدایوں میں مقیم رہے اور اپنی زندگی کے ایام تشکیل یہیں گزارنے۔ اس طرح سے دیکھا جائے، بدایوں ہی آپ کا مادر وطن ہے۔ فطرت کا اصول ہے انسان سب کچھ بھلا سکتا ہے مگر مادر وطن کی یادیں ان کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست ہو جاتی ہیں کہ کبھی دل سے جدا نہیں ہوتیں بلکہ زندگی کے جس موڑ پر انھیں اندھیرے ستاتے ہیں، تو یہی یادیں ان کی تاریک زندگی میں جگنو بن کر چمکتی ہیں اور گلِ رعنا ہو کر مشام جاں کو مہکاتی ہیں یہ یادیں سلامت رہیں تاکہ قدم قدم پر جلوؤں کی بارات سجی رہے۔

فقر و فاقہ، عسرت و تنگی اور نامساعد حالات کے باوجود والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا نے اپنے فرزند دلبند کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی اور غربت کا سایہ ان پر نہ پڑنے دیا۔ اللہ اکبر! کیا عزم و حوصلہ تھا؟ کہ اس نیک سیرت پارسا خاتون نے اپنے بیٹے کی شخصیت کے سنوارنے میں ہر ممکن کوشش کی، جو ان کے بس میں تھی، جب حضرت محبوب الٰہی نے مزید حصولِ تعلیم کے لئے دہلی جانے کا ارادہ کیا تو خود بھی دہلی جانے کے لئے تیار ہو گئیں اور اپنے ساتھ اپنی دختر نیک اختر کو بھی ساتھ لئے اور تین نفر پر مشتمل یہ نورانی قافلہ دہلی کو روانہ ہوا۔ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے دہلی پہنچے اور ایک سرائے میں قیام کیا۔ دہلی کے ہنگامہ خیز حالات میں بھی آپ کا علمی سفر جاری رہا۔ اس وقت دہلی بھی علم و فن کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر اور متبحر علماء موجود تھے۔ کہیں علم و فن، فکر و ادب کی محفلیں سجتی تھیں تو کہیں فلسفہ و منطق کی برہم زلفیں سنواری جاتی تھیں، کہیں فقہ و تفسیر کے چرچے تھے تو کہیں حدیث اور اصول حدیث روایت و درایت کی داستاں تھیں اور کسی مقام پر تصوف و سلوک، زہد و ورع اور عبادت و ریاضت کے مشغلے تھے اور پھر کہیں کا یہ عالم تھا کہ سیاست کی گرم بازاری تھی، اس طرح دہلی کی وسیع فضا قوس و قزح کی رنگینیوں اور جذب و کشش سے خوشنما نظر آ رہی تھی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے دہلی میں بھی اہل علم وفن سے علوم وفنون کے درس لئے، جن بارگاہوں سے آپ کو دولت سرمدی حاصل ہوئی......ان متذکرہ ذیل شخصیتوں نے بھی دل کے دروازے کھول دیئے اور اپنے اس ہونہار شاگرد رشید کو تراش کرنادرونایاب بنادیا اور زمانہ کے روبرو انمول بنا کر پیش کردیا۔ بدایوں کے علمی ماحول، تہذیبی فضا نے ان کی شخصیت میں ایک ایسا وِژن بیدار کردیا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور مشترکہ ہندوستان کی تمام فضاؤں پر محیط ہوگیا۔ بدایوں اپنی قسمت پر ناز کرے کہ اس کی خاک سے اٹھنے والا یہ ذرہ اوج ثریا کا ہم رکاب بن گیا۔ قدیم بدایوں دبستان علم کا یہ مقدس نمائندہ فتح وظفر، فلاح و بہبودی، حسن سیرت، پاکباز کردار وعمل، تعمق نظر، وسعتِ فکر اور شدید حسیاتی انداز فکر کا ماہ کامل بن گیا۔ میں اسی ماہ کامل کی چمک ودمک اور تاب وتوانائی پر اس باب کو مکمل کررہا ہوں اور اس امید کے ساتھ کہ اسی ماہ کامل کی فیض وبرکت سے آنے والا مضمون کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوجائے اور فیوض وبرکات سے نگارشات میں چار چاند لگ جائیں۔ حضرت والا کا یہ مختصر تعارف تھا جو پیش کردیا گیا۔ ذرا سوچیے جس دبستان علم کے ایسے ایسے عظیم فرزند ہوں، اس کی اثر انگیزی اور دلوں میں سرایت کرنے کا کیا طریقۂ کار رہا ہوگا؟

**قدیم دبستان علم اور اس کی انفرادیت** - ان تفصیلات کے مطالعہ سے آپ حقائق ومعلومات کے اجالے میں محسوس کررہے ہوں گے کہ بدایوں کے علمی ادبی تہذیبی ماحول اور اس کے تمدنی اقدار وحیات پر دبستان علم کا اطلاق نہ تو غلط ہے اور نہ ہی جبری ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بدایوں کا علمی ماحول اس بات کا متقاضی تھا کہ اسے دبستان علم سے تعبیر کیا جائے اور میں اس تعبیر سے قلبی مسرت اور ذہنی سکون محسوس کررہا ہوں، ممکن ہے آپ بھی یہی محسوس کررہے ہونگے، اگر آپ کے قلبی کیفیات روحانی اقدار سے میرا احساس میل کھا جائے تو میں اسے اپنے علم وفن کی معراج تصور کروں گا۔ کم ازکم میرے نوکِ قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ آپ کے قلب وذہن کو اپیل کررہا ہے۔ ہمیں

سرِ دست یہ بتانا مقصود ہے کہ بدایوں نہ صرف دبستان علم کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس میں کچھ ایسی انفرادیت پائی جاتی ہے جو دوسرے دبستانوں کو میسر نہیں۔

عام طور پر دبستان کا اطلاق صرف ادبی روایات و نظریات اور فنی لوازمات پر کیا جاتا ہے، خاص طور پر دبستان لکھنؤ، دہلی اور دبستان رامپور وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں نے دوسرے علوم وفنون پر بھی اس کا اطلاق کیا ہے۔ اس طرح سے دبستان کے مفہوم میں وسعت، ہمہ گیریت پیدا ہو گئی۔ کیا یہ انفرادیت نہیں تو پھر اسے کیا کہا جائے، گوکہ بدایوں میں شعری، ادبی روایات بھی دوسرے شہروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اسی لئے ارباب تنقید نے کہا تھا کہ بدایوں وہ مقدس جگہ ہے جہاں سے بھی ایک مشت خاک اٹھایئے اس کی تہہ سے کوئی شعر کہتا ہوا ظاہر ہوگا اور دوسرا داد و تحسین سے نوازتا ہوا۔

بدایونی دبستاں کے انھیں علمی، فنی، ادبی، اقدار و روایات نے بدایوں کو قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیا سے تعبیر کیا۔ اس کے برخلاف دوسرے شہروں کو دبستاں ہونے کی حیثیت سے یہ رتبہ بلند اور خصوصی امتیاز حاصل نہیں۔

دبستان بدایوں وسیع تر ہے۔ اس میں ہر قسم کے علوم وفنون کی بہاریں پائی جاتی ہیں۔ فقہ و تفسیر، حدیث و تاریخ، فلسفہ و منطق، علم ریاضی و علم حساب، تصوف و سلوک، اخلاق و محبت، تہذیب و تمدن وغیرہ وغیرہ، مگر ان تمام علوم پر تصوف و سلوک، ریاضت نفس اور تزکیۂ قلب اور کردار و عمل کی صفائی غالب ہے اس دبستان کے ہر ایک فرزند سلوک کے سو مقامات میں سے کسی نہ کسی ایک مقام پر ضرور فائز تھے اور وہ اس کرشمہ زا ماحول سے ضرور متاثر تھے۔

بدایوں دبستان علم و حکمت کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ یہاں صرف نظریہ ہی نہ تھا بلکہ اس نظریہ کی عملی تصویر ہر ایک فرد بنا ہوا تھا۔ اکثر دیکھا گیا کہ لوگ اپنے اپنے دبستان کو زبردست شہرت دیتے ہیں لیکن یہاں کا معاملہ اسکے برعکس ہے۔ آج ۶۰۰-۷۰۰

سال گذر جانے کے بعد بھی اہل علم نے اسے دبستان کی حیثیت نہیں دی اور نہ ہی باب تنقید نے اس طرف کوئی توجہ مبذول کی۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس سرد مہری میں غیروں سے زیادہ کچھ اپنوں کا قصور ہے کہ ہم اہل بدایوں اپنے ماضی کے روایتوں کی حفاظت نہ کر سکے اور نہ ہی اس دبستان کے لعل و گہر کی پاسداری کر سکے۔ کاش اگر یہ پاسداری کی جاتی تو علامہ رضی الدین صغانی، علامہ علاء الدین اصولی اور علامہ حافظ ضیاء الدین نخشبی کی کتابیں اور معرکتہ الآرا تصانیف گردش زمانہ کے حوالہ نہ ہوتیں، چونکہ بدایوں کے علمی ماحول میں تصوف وسلوک کو ہی غلبہ حاصل تھا جس کے سبب اس فن سے متعلق ایک اہم تصنیف سلک السلوک حاصل ہوئی۔ سلک السلوک کا اندازۂ قدر اس بات سے ہو جاتا ہے کہ سبع سنابل شریف جو تاجدار خاندان برکات حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کی تصنیف لطیف ہے اور جسے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سند قبولیت حاصل ہے۔ اس میں سلک السلوک کے جا بجا حوالے موجود ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سلک السلوک کو بھی درجہ قبولیت حاصل ہوا ہوگا کیونکہ کسی کتاب کی جزوی فضیلت بھی زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ سلک السلوک فن تصوف کی ایک اہم اور عظیم تصنیف ہے جس کے مطالعہ کرنے سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور بھر جاتا ہے۔ اس کتاب میں ایسی کشش ہے کہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ انھیں لفظوں کے ساتھ باب نہم اختتام پذیر ہوتا ہے۔

☆☆☆

# باب دہم

## تصوف کا مفہوم

تصوف صوف سے بنا ہے اور لغت میں صوف اون کو کہا جاتا ہے چونکہ تصوف باب تفعل کا مصدر ہے اور اس باب کی خاصیت الباس ماخذ ہے، اس اعتبار سے تصوف کا معنی اونی کپڑوں کا پہننا ہے۔ جو لوگ عبادت و ریاضت، زہد و ورع اور خوف و رجا کے جذبات سے سرشار ہوتے تھے، زیادہ تر اونی کپڑوں کا استعمال کرتے تھے، انکی شخصیتوں سے عبادت و ریاضت اور خشیت ایزدی، صبر وقناعت، ثبات قدمی، خلوص ومحبت، امن و سلامتی اور عفو وکرم جیسے اخلاق کریمانہ مترشح ہوتے تھے، ان کے انھیں اوصاف کا نام تصوف رکھ دیا گیا۔ یہی تصوف رفتہ رفتہ نشو ونما کے ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا تیسری صدی ہجری میں داخل ہوا تو فن کی حیثیت اختیار کر لیا اور دوسرے علوم وفنون کی طرح یہ بھی ایک عظیم علم اور معرکتہ الآرا فن ہو گیا۔ جس کی ایک تعریف ہے، موضوع اور اس کے غایات ہیں۔ فن کے رتبہ میں داخل ہونے کے بعد کسی نے اس کا تعارف، اخلاق وآداب سے کیا اور کسی نے اس میں امن وسلامتی دیکھنے کی کوشش کی اور کسی نے کہا تزکیہ نفس،

معرفت ربانی اور عرفانِ ذات کا مفہوم ہی تصوف ہے۔

**تعریف موضوع اور غایت -** فنی اعتبار سے تصوف وہ علم ہے جس میں احوالِ تزکیہ اور مقامات سلوک سے بحث کی جاتی ہے تاکہ اس علم کے ذریعہ بندگان خدا اپنے نفس کی معرفت حاصل کریں اور ابدی سعادتوں سے مالا مال ہوسکیں۔ فن تصوف کا موضوع احوال تزکیہ اور مقامات سلوک ہے اور اس کی غرض غایت، مشاہدۂ جمالِ رب اور ابدی مسرتوں کا حصول ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر الکتانی[1] المتوفی ۳۲۲ھ سے تصوف کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا...... تصوف صفا اور مشاہدہ کا نام ہے۔ تصوف کی یہ تعریف جامع و مانع اور اس کی ماہیئت کی مختصر انداز میں وضاحت بھی ہے۔ اس میں صفا ذریعہ ہے اور مشاہدہ غایت ہے اس طرح یہ تعریف بالغایت ہوئی اور اہل علم کے نزدیک اس کی بھی اہمیت ہے۔ مشائخ نے کسی بھی علم وفن کی تعریف میں اس کے اقسام کی تعریفات کو اہمیت دی ہے اور اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھا ہے۔ اس تعریف کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ وسیع تر ہے اور تصوف کے تمام آداب کا احاطہ کرتی ہے، فقر و زہد، عبادت و ریاضت، تزکیہ قلب، صفائے نفس، پاکیزہ سیرت، طہارت کردار، سوز و گداز، رقت قلب، جذبۂ عفو و رحم، جیسے صفات حسنہ بھی اس تعریف میں سمائے ہوئے ہیں۔

**ماخذ و مراجع -** عمیق نظر سے دیکھا جائے تو جس طرح دوسرے علوم و فنون، کتاب الٰہی اور رسول کریم ﷺ کی سنتوں سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح تصوف کا ماخذ بھی کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ ہے اور اس کا رشتہ بھی زمانہ بابرکت سے جڑا ہوا ہے۔

---

۱- ابوبکر الکتانی - نام محمد، ائمہ تصوف، اکابر عرفا اور اصحاب جنید میں سے تھے۔ آپ پایہ کے بزرگ تھے خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے، الکتانی ضرور تھے مگر بغداد میں رہا کرتے تھے۔ ۳۲۲ھ میں آپکا وصال ہوا، مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ (حاشیہ سلک السلوک مترجم، ص:۱۵۴)

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام ارواح کو جمع کر کے فرمایا...... **الست بربکم** - کیا میں تمہارا رب نہیں، تمہارا پالنے والا نہیں، نشو ونما کرنے والا نہیں، تمام ارواح نے بیک زبان ہو کر جواب دیا - (**قالو بلا**) ہاں تو میرا رب ہے، یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس تقریب کے ذریعہ اپنے بندوں کو اپنے حسن مطلق اور اپنی ذات محض کا مشاہدہ کرایا اور یہ حق الیقین کرایا کہ یقینی طور پر میں ہی تیرا رب ہوں اور پالنے والا ہوں۔ تصوف کا مطلب معرفت ربانی اور مشاہدہ جمالِ رب ہے۔ آیت مقدسہ میں یہی تو مشاہدہ کرایا گیا جس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تصوف کی خصوصیت کا ذکر قرآن مقدس میں ہے، لیکن اُسے تصوف کے نام سے ذکر نہیں کیا گیا۔ کسی چیز کے نام کا مذکور نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی ماہیئت بھی مذکور نہ ہوگی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے صحابہ واسلاف کے دور میں اس کی حقیقت تھی مگر اس کا نام نہ تھا۔ **البتہ لفظ تصوف کی ابتدا تیسری صدی کے ابتدائی دور سے ہوئی۔** جن لوگوں نے اپنی زندگی اور حیات مستعار کو اللہ کے لئے وقف کر دیا اور مطالعۂ کائنات میں مشغول ہو گئے تو انھیں جمال الٰہی اور تجلیات ربانی کا احساس ہوا پھر اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے جلوت کو چھوڑ کر خلوت اور عزلت نشینی اختیار کر لی یا پھر آبادی سے باہر نکل کر تنہائیوں میں جا بسے۔ ایسے ہی مقدس افراد کے لئے لفظ صوفیاء کا استعمال ہوا۔ یہیں سے معترضین کا یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ تصوف عجم کی ایجاد ہے عرب میں اور اسلامی روایات میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

**تصوف اور اسلامی ثقافت** - تاریخ گواہ ہے کہ عہد صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے بعد ارباب حل وعقد اپنے اپنے عشرت کدوں میں جا بیٹھے۔ زاہد وعبادت گزار اپنی عبادت میں منہمک اور علماء کو تدوین علوم وفنون سے فرصت نہیں۔ تو یہی ارباب تصوف اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور اقدار اسلامی کی تبلیغ واشاعت کو اپنی زندگی کا جز ولاینفیک بنا لیا اور پھر اس نیک مقصد کے لئے وہ ایسے ایسے دور دراز علاقوں میں جا پہنچے جہاں کا تصور

بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت پڑنے پر مجاہدین اور غازیانِ اسلام کا بھی ساتھ دیا اور تعلیم تربیت کی بات آئی تو اس سے بھی رخ نہیں موڑا۔ یہ حضرات جہاں گئے، صحراؤں کو چمن بنا دیا۔ کانٹوں بھری راہ کو پھولوں کا سیج اور بنجر علاقوں کو لالہ زار کر دیا۔ آخر ان میں کیا خوبیاں تھیں؟ کہ راستے مکمل طور سے ہموار ہوتے چلے گئے اور دقتوں کا سامنا بھی نہ کرنا پڑا۔ ہندوستان کی سرزمیں انھیں صوفیاء کرام کی وجہ سے، اسلامی تمدن وثقافت، عشق و وفا کے نام سے روشن ہوئی اور حقیقت وصداقت کے رمز سے واقف ہوئی۔ آخر وہ کیا اسباب وعوامل تھے کہ ان کی سطح سے اُٹھنے والی ہر آواز دلوں میں پیوست ہوگئی اور ذہن وفکر میں اتر کر جسم و روح میں تازگی کی لہر پیدا کر دی۔ آیئے دیکھتے ہیں آخر وہ اسباب وعوامل کیا ہیں۔

**اسباب و عوامل -** صوفیائے عظام جہاں بھی گئے، تصوف کے طریقہ کار کو ضرور اپنایا اور اسی طرز پر چلتے ہوئے کامیابی کی منزلوں سے ہم کنار ہوتے چلے گئے کہ انھوں نے زمینوں پر قبضہ نہ کیا بلکہ ذہن وفکر میں اپنی آواز پیوست کر دی اور دل کے نہاں خانوں میں اپنے علم وفن کی شمع جلا دی۔

(۱) ان حضرات نے پہلے خود اپنا تزکیۂ نفس کیا اور دل سے کدورتوں کو نکال باہر کیا۔ اپنے کردار وعمل اور سیرت میں پاکبازی پیدا کی پھر اپنی شخصیت میں وہ تمام کمالات و جمالیات اور تجلیوں کو سمیٹ لیا جو تبلیغ واشاعت میں معین و مددگار ہو سکتے تھے۔ محبت، احسان اور تحریک امن عامہ ان کا مقصد تھا اور اس کے لئے انھوں نے زبردست کوششیں کیں جنھیں عام آدمی انجام نہیں دے سکتے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو تصوف میں آفاقیت اور ہمہ گیر اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

(۲) پہلی منزل سے گزر جانے کے بعد یہ حضرات خدا کے دوسرے بندوں کی طرف مخاطب ہوئے انھیں پیغام دیا۔ مطالعۂ کائنات کی دعوت فکر دی اور اس بات کی کوشش کی کہ افراد نسل انسانی کی زندگی کی کایا پلٹ دی جائے اور ان کی

زندگی اور سماج و معاشرہ کی زبردست اصلاح کی جائے، انھوں نے ایسا ہی کیا، جیسا کرنے کا ان کا عزم وارادہ تھا۔

(۳) تجربہ ومشاہدہ بتاتا ہے کہ ان کی صحبت بابرکت اور نظر کیمیا اثر سے جو خاک تھی کندن بن کر ابھری ہے۔اس کی زندگی کا یہ انقلابی اثر دیرپا ہوتا ہے۔اسی لئے زندگی کے کسی موڑ پر تصوف وسلوک کے تعلیمات وارشادات بھلا نہیں پاتا۔ان نفوس قدسیہ نے رفتہ رفتہ دلوں میں درد ومحبت، سوز وگداز اور عشق و وفا کی دھیمی دھیمی آنچ روشن کی اور اس کی تپش سے قساوت قلبی اور خواہشات نفسانی دور کر دیئے، پھر اس کے بعد اس کے اندر روحانی ارتقاء کی صلاحیت بیدار کر دی، قرب و مشاہدہ اور ذوق وشوق کی ایسی فراوانی عطا کر دی کہ وہ بھی انھیں نفوس قدسیہ کی جماعت کا ایک فرد بن گیا۔اس پہلو کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے، آپ محسوس کریں گے تصوف ایک انقلابی تحریک ہے جو کائنات میں امن وسلامتی، روحانی قرب کی لذت وشوق اور جمالیات کی ایک خوبصورت وخوشگوار رولانا چاہتی ہے اور اس کے ذریعہ بندگان خدا کی زندگی ان کی ساعتوں کو اوج ثریا کی بلندی سے ہمکنار کرنا چاہتی ہے۔تصوف کی خوش آئند ہوا جہاں جہاں پہنچی، ایک حسین انقلاب برپا کر دیا اور فضاؤں میں عشق وایمان، جذبۂ ایثار وخلوص کی خوشبو بکھیر دی، نور ونکہت کے جلووں سے جسم وقلب کے در ودیوار منور کر دیئے۔

**تصوف و سلوک** - یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔تصوف ایک علم ہے ایک فن ہے، اور سلوک اس کا موضوع ہے۔تصوف اصول وضابطے ہیں اور سلوک اس کی عملی صورت ہے۔سلوک میں مجاہدہ، ریاضت اور کسب سے کام لیا جاتا ہے۔تصوف اصول فقہ سے مشابہت رکھتا ہے تو سلوک فقہ سے۔جس طرح تصوف سلوک کے بغیر نہیں چل سکتا ہے اسی طرح سلوک کے لئے تصوف کا ہونا ضروری ہے۔

سرزمین ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ جس طرح دوسرے علوم وفنون کا فروغ وارتقاء اس سرزمین سے ہوا۔ اسی طرح فن تصوف کا بھی ارتقا یہاں سے ہوا۔ بہت سی کتابیں ہندوستان کی سرزمیں پر لکھی گئیں، اس کی ایک لمبی فہرست ہے۔اس فن کی ہر ایک کتاب اہمیت کی حامل رہی ہے اور ارباب فکر نے اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھا ہے۔علم تصوف کے اعتبار سے دبستان بدایوں بھی کسی سے کم نہیں۔ایک وہ دور تھا کہ یہاں تصوف پر زور دیا جاتا تھا اور ریاضت ومجاہدہ پر بھی۔یہیں سلوک کے مقامات طے کرائے جاتے تھے۔وہ بڑے سرکار کی بارگاہ تھی، جو آسمان تصوف پر درخشاں آفتاب بن کر چمک رہی تھی، انکی ذات سے پورا بدایوں روشنی حاصل کر رہا تھا،صدق وصفا کی فضا ہموار ہو رہی تھی اور کدورتوں کا بوریا بستر سمیٹا جا رہا تھا۔آپ نگاہوں سے بھی نوازتے تھے اور ارشادات و ملفوظات سے بھی، دلوں میں انقلاب برپا کر دیا کرتے تھے،اللہ اللہ کیسی خوبصورت شخصیتیں ہوتی ہونگی۔جب آپ میرِ مجلس ہو کر جلوہ بار ہوتے اور یہ چھوٹے سرکار کا آستانہ ہے جہاں کی خاکِ شفا ہے، ہزاروں یہاں سے فیضیاب ہوتے تھے،آج بھی ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔انکی ذات کیسی نادر و نایاب تھی؟ کہ انکی ذات سے جس شے کو نسبت ہوگی وہ بھی ندرتوں سے مالا مال ہوگئی اور تجلیوں میں مستغرق۔ آپ صحراؤں میں براجمان ہوتے، اور وہیں بیٹھے بیٹھے دلوں اور ذہنوں پر حکومت کرتے تھے۔کس کی مجال کہ ان کی مرضی کے خلاف چلے۔آپ بدایوں کی جان بھی تھے اور شان جمال بھی۔آج بدایوں میں جو جلوہ ریزیاں، عطر افشانیاں اور خوشگوار رعنائیاں ہیں سب انہی کی بدولت ہیں۔ اللہ اکبر! یہی وہ آفتاب و ماہتاب اور کواکب و نجوم تھے جن کی جلوہ ریزیاں تصوف وسلوک میں نظر آتی تھیں، بدایوں میں تصوف کی کتابیں بھی لکھی گئیں اور دوسرے علوم وفنون کی مسندیں بھی بچھائی گئیں اور سلوک کے مقامات بھی طے کرائے گئے۔

**فن تصوف اور سلک السلوک** - سلک السلوک بدایوں۔ دبستان علم و

حکمت کی اہم اور وقیع تصنیف ہے، جس میں فن کی تمام نزاکتوں کا پاس ولحاظ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں انفرادیت اور امتیازی شان بھی برقرار رکھی گئی ہے۔ جب ہم فن تصوف پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ تصوف کی کتابوں میں مندرجہ ذیل عنوانات سے بحث کی جاتی ہے......

(۱) مسائل تصوف

(۲) رجال تصوف کے اقوال واحوال

(۳) مقامات سلوک

(۴) طبقات صوفیاء وغیرہ وغیرہ۔

تصوف کا انداز بیاں اور پیرایہ اظہار بھی ادبی اہمیت رکھتا ہے جس میں جمالیاتی کشش بھی ہوتی ہے اور خوبصورت لب ولہجہ بھی رمز و کنایہ، تشبیہ و استعارہ اور رنگ مجاز کی بوقلمونی بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف میں جس حسن محض اور مشاہدۂ جمال سے گفتگو کی جاتی ہے وہ کیف وکم اور فکر ونظر کے احاطہ سے وراء الورا ہوتا ہے۔ بتائیے کس کی زباں میں طاقت ہے جو اس کو بیاں کرے اور وہ کون سا لفظ ہے جو اس کا احاطہ کرے اور اس کی کماحقہ تعبیر کر سکے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس ذاتِ محض اور اس کے مشاہدہ قرب کا بیان مجازی رنگ میں کیا جائے تا کہ ہم جیسے کم علم کے ذہن و دماغ میں کچھ نہ کچھ اس کا تصور برقرار رہے۔ اسی مجبوری کے تحت تصوف کے فن میں شاعرانہ تخیل سے بھی کام لیا گیا اور لسانیاتی اخذ وعمل سے بھی، غالب نے اسی ضرورت واحساس اور مجبوری محض کا ذکر اس انداز میں کیا ہے......

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

بدایونی دبستان علم کی ایک ابھرتی ہوئی تصنیف ''سلک السلوک'' ہے یہاں اس کا

تجزیاتی مطالعہ کیا جارہا ہے تاکہ آپ محسوس کرسکیں کہ ہمارا بدایوں منفرد بھی رہا ہے اور ممتاز بھی۔ سلک السلوک میں ایک مقدمہ اور ۱۵۱ ر سلکیں ہیں۔

**مقدمہ سلک السلوک۔** کہا جاتا ہے مقدمہ کتاب شروع کرنے سے پہلے لکھا جاتا ہے، اس مقصد کے تحت کہ اس کی وجہ سے قارئین کو ایک قسم کی بصیرت حاصل ہوجائے اور انھیں اس قدر معلومات فراہم ہوجائیں کہ کتاب میں ان کی دلچسپی بڑھ جائے اور ذہن وفکر میں مکمل یکسوئی کا ماحول پیدا ہوجائے۔ مقدمہ بھی کتاب کا ایک جز ہوتا ہے۔ مگر یہ ایسا جز ہوتا ہے جو کتاب کی افادیت میں اضافہ کرتا ہے اور قارئین کے ذہن وفکر کو مضامین کے قریب لاتا ہے اس طرح قرأت پس قرأت اور بازیافت کے مابین ایسی خوشگوار فضا پیدا ہوجاتی ہے۔ جس سے قاری اور کتاب کے مابین رشتہ مضبوط سے مضبوط تر دکھائی دیتا ہے۔ اس اعتبار سے کتاب کے لئے مقدمہ کی کتنی ضرورت ہے۔ ارباب فکر سے پوشیدہ نہیں، سلک السلوک کا یہ مقدمہ مندرجہ ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہے......

**اولاً۔ حمد و نعت۔** کبھی حمد ونعت براہ راست کی جاتی ہے اور کبھی اس خوبی و کمال کے ذریعہ کی جاتی ہے جو حمد کرنے والوں کو عنایت ایزدی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت نخشبی علیہ الرحمہ نے بھی حمد ونعت کے سلسلہ میں مؤخر الذکر صورت کا انتخاب کیا چونکہ یہ کتاب علم تصوف کی ہے اس لئے فقر، فقراء کی پاکبازی کے تناظر میں حمد بیان کی، تاکہ ذاتِ وحدہٗ لاشریک کی حمد بھی ہوجائے اور موضوع کتاب کی طرف اشارہ بھی ہوجائے۔ مقام حمد میں لائے گئے الفاظ جو موضوع کی طرف مشعر ہیں......

(۱) میرے اولیا میری قبا کے نیچے ہیں، انھیں میرے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ (سلک السلوک، ص:۴۰)

(۲) ارباب فقر، صبر وقناعت کے سبب قیامت کے روز اللہ جل شانہ کے ہم نشیں ہونگے۔

(۳) رسول خدا ﷺ سے عرض کیا گیا۔فقر کیا ہے؟ فرمایا اللہ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

یوں تو بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار عنایتیں ہیں اور ان گنت نعمتیں ہیں مگر مقام حمد میں ان نعمتوں میں سے فقر اور ذکر فقراء کا انتخاب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ فقر حضرت ضیاء بخشی کی فطرت وطبیعت کے عین مطابق ہے۔اسی لئے انھوں نے اس مقام پر فقر کا ذکر کیا اور کس خوبصورت انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ اس حمدیہ عبارت میں کس قدر سچائی ہے اور کتنے حقائق ہیں جو حمدیہ عبارتوں میں پوشیدہ ہیں۔حمدیہ عبارتیں درج ذیل ہیں......

(الف) خدائے برتر کی ایسی حمد جس کی خوشبو سے اولیاء اکرام کی روحیں معطر ہوتی ہیں کیونکہ وہی اپنے دوستوں کو پہچانتا ہے کوئی غیر نہیں۔(حوالہ مذکور،ص:۴۰)

دوسرے مقام پر ہے......

(ب) وہ ذات ایسی بخشش والی ہے جو مفلسوں، بے نواؤں اور مسکینوں کو ابدی خزانے عطا کرتی ہے۔(حوالہ مذکور،ص:۴۰)

(ت) فقر کی انگوٹھی کا نگینہ بھی اسی سے اور درویش کے ملک کا خزانہ بھی اسی سے ہے۔(حوالہ مذکور)

چونکہ عام روش یہ ہے کہ مقام حمد میں نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے مگر انھوں نے اس اہم مقام پر فقر، ارباب فقر کا ذکر کر کے یہ بتادیا کہ فقر بھی ایک نعمت ہے اور ارباب فقر بھی کہ انھیں کے وجود با فیض سے یہ دنیا قائم ہے۔

**ثانیاً۔** مقدمہ 'سلک السلوک' میں تصوف وطریقت کی تعریف بیان کی اور اس کی اہمیت وافادیت کا تذکرہ فرمایا، آپ لکھتے ہیں......

توحید وشرائع کے بعد علم سلوک سے بڑھ کر کوئی اور علم نہیں، تعلیم وتعلم، درس وتدریس کے بعد کوئی ایسا علم وفن پیش نہیں کیا جا سکتا جو ریاضت سے عظیم اور سلوک سے زیادہ اہم ہو کیونکہ علم سلوک ایک قائد ہے جو راہ جہالت سے بچاتا ہے اور ناآشناؤں کو مقصد دینی تک پہنچاتا ہے وہ ایسا رہبر ورہنما ہے جو جہل وجہالت کے صحراؤں میں بھٹکنے والوں کو منزل مقصود تک اور مرتبۂ یقیں تک لے جاتا ہے۔ (سلک السلوک مترجم، ص:۴۴)

مقدمۂ ھٰذا میں علم سلوک کی افادیت واہمیت کا تذکرہ قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہے اور علامہ ضیاء نخشبی نے اس افادیت کے ذریعہ قارئین کے جذبۂ شوق وذوق کو مشتعل کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ سلک السلوک کی قرأت کے دوران ان کے دلوں میں سچا ذوق اور صحیح شوق بیدار ہو۔ مقدمہ کی مذکورہ عبارتوں سے نظریں نہیں چرائی جا سکتی ہیں کیونکہ ارباب ذوق اس کی افادیت سے خوب واقف ہیں۔

**ثالثاً۔** علامہ نخشبی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ سلک السلوک میں کیا انفرادیت ہے اور اس کے انداز نگارش میں کس قسم کی ندرت وخوبی پائی جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں......

سلک السلوک میں بھی نہ کوئی باب ہے اور نہ کوئی فصل ہے اس کے ہر اک مقدمہ میں اک نیا ذوق اور ہر قول میں اک نیا لطف ہے۔ یہ اس قدر بلند علم ہے جس میں ایک ہی جنس کے مختلف میوے اور اک ہی نوع کے مختلف ثمرات دکھائی دیتے ہیں اور باب وفصل والے کلام میں ایک ہی قسم کے میوے اور پھل پائے جاتے ہیں اس میں مختلف قسم کے میووں اور پھلوں کا اتا پتہ نہیں یہی وجہ ہے کہ کلام غیر مبوب میں جو

لطف ومزہ ہے وہ کلام مبوب میں کہاں؟ (سلک السلوک مترجم، ص: ۴۵)

حافظ ضیاء نخشبی نے سلک السلوک کے جمالیاتی پہلوؤں کو کس قدر حسین اور پرلطف انداز میں پیش کیا کہ جب اس کا تصور ہی روح افزا اور کیف ونشاط کو بڑھاوا دے رہا ہے۔تو کتاب کے مطالعہ میں کیونکر نہ لطف ومزہ آئے گا۔ذرا سوچئے سلک السلوک کا دستر خوان، میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں سے سجا ہوا ہے اور اس دستر خوان سے ہر ایک کو استفادہ کی اجازت ہے۔ہر ایک کو صدائے عام ہے جو چاہے آئے اور اس سے شکم سیری حاصل کرے، آنجناب خود فرماتے ہیں......

(۱) سلک السلوک باغ ارم ہے جس میں پھول ہی پھول ہیں خاروں کا اس میں گزر ہی نہیں۔

(۲) سلک السلوک میں چراغوں کی مانند شگفتہ پھول ہیں اور ہر پھول کانٹوں سے پاک۔

(۳) حلوؤں کی مانند اس میں میوے ہیں جو شاخوں اور پتوں کے بغیر وجود میں آگئے ہیں۔

(۴) سلک السلوک میں سو قسم کے میوے ہیں جو ہر ایک کے لئے جائز ہیں۔

(۵) سلک السلوک کا دستر خوان وسیع ہے جس میں قسم قسم کے کھانے چنے ہوئے ہیں اور ہر ایک کو صدائے عام ہے۔

(۶) جو چاہے آئے اور اس سے استفادہ کرے۔اس میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

یہ وہ خوبیاں ہیں جنھیں علامہ نخشبی نے مثنوی کے روپ میں پیش کی ہیں۔ذرا سوچئے ان

خوبیوں اور کمالات کو دیکھ کر وہ کون سا فرد ہوگا جس کے دل میں اس کے مطالعہ کا شوق بیدار نہ ہوگا۔

**رابعاً۔** حضرت علامہ نخشبی نے ان سلکوں کو جوان کی کتاب میں مذکور ہیں، گوہر آبدار سے تشبیہ دی ہے اور یہ وضاحت فرمائی ہے کہ ان موتیوں کی کوئی مثال نہیں۔ آپ کا ارشاد ہے......

> یعنی اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو فن سلوک سے جدا ہو، اس فن کے جوہر شناس اس راز سے بخوبی واقف ہیں کہ اس گوہر آبدار کی کوئی مثال نہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان موتیوں کو ہر ایک دھاگہ میں پرویا نہیں جا سکتا ہے۔ (سلک السلوک، ص:۴۷)

سلکوں کی اس انفرادیت کے پیشِ نظر علامہ نخشبی نے خود کو توانگر سے تعبیر کیا اور اس بات کی وضاحت فرما دی کہ درویشی اور امیری میں کوئی تضاد نہیں، آپ کا خود ارشاد ہے......

> نخشبی اگر چہ مرد درویش ہے لیکن ایسی بہت سی سلطنتیں رکھتا ہے اگر میں انھیں توانگر کہوں تو مناسب ہے کیونکہ وہ دھاگوں میں موتیاں رکھتا ہے۔ نخشبی تو ہنر سے مفلس نہیں ہے، اپنی سلطنت کا دفتر کھول دے، عالم کو لباس وزیور عطا کر دے اور اپنی سلکوں کی حقیقت کو نمایاں کر دے۔ (سلک السلوک مترجم، ص:۴۸)

کل ملا کر سلک السلوک کا مقدمہ کامیاب، پُر لطف، خوشگوار اور دلوں کو لبھانے والا ہے اور ذہن وفکر میں اتر جانے والا ہے۔ اس میں جمالیات کا پہلو غالب ہے، کہیں استعارہ ہے تو کہیں تشبیہ ہے جس کی وجہ سے اس میں تاثیر، جذب وکشش پیدا ہوگئی ہے اور قارئین کے دلوں میں سلک السلوک کے مطالعہ کا ذوق وشوق فروغ پاتا ہے اور دلچسپی میں زبردست

اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ سلک السلوک کا باغ و بہار تھا، جو آپ کے روبرو رکھا گیا بدایوں دبستان علم کی نمائندہ تحریر کے اس مقدمہ کا یہ عالم ہے اور یہ کیف و سرور ہے تو پھر کتاب میں کیسا کیف و سرور ہوگا۔ اب ذرا اصل کتاب کی طرف توجہ مبذول کریں اور اس کا باغ و بہار دیکھیں۔

**کتاب سلک السلوک -** اصول و قواعد کی کتاب ہے جس میں مقامات سلوک بیان کئے گئے ہیں مگر ان مقامات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سالک پہلے اپنی فروگذاشتوں اور ماضی کی لغزشوں کی تلافی کرے، جب تک تلافی نہیں ہوگی، سلوک کی کرامتوں سے وہ مشرف نہیں ہوسکتا ہے۔ حضرت نخشبی نے سلک اول میں اسی تلافی کی بات لکھی ہے کہ یہ تلافی توبہ ہی سے ہوسکتی ہے۔ اس کے ماسوا سے نہیں۔ سلک السلوک میں توبہ کی اہمیت و افادیت کا ذکر اس انداز میں کیا گیا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں......

> توبہ ہر مقام کی اصل اور ہر حال کی یہ کنجی ہے اور یہی مقدمات کی پہلی منزل ہے اور یہ عمارت کے لئے زمین کی مانند ہے پس جس کے پاس زمین نہیں اس کے لئے عمارت نہیں، جس کے لیے توبہ نہیں اس کے لئے نہ کوئی حال ہے اور نہ ہی کوئی مقام ہے۔
>
> (سلک السلوک، ص:۴۹)

اس کے بعد سلک السلوک میں ۲ تا ۱۵ ارسلکوں میں سلوک کے مقامات اور تصوف کے مصطلاحات کی تشریح اور تجزیہ کیا گیا ہے۔ سلوک کے مقامات سو ہیں اور کرامت سترھواں مقام ہے۔ ان مقامات کی تشریح ذیل میں کی جارہی ہے۔

**۱-۲ حال اور مقام -** حال اور مقام دونوں باعتبار ماہیئت ایک ہیں البتہ دونوں میں فرق و امتیاز، اعتباری ہے یعنی ابتدائی حالت کو حال اور ارتقاء پذیر کیفیت کو مقام کہا جاتا

ہے، مثال کے طور پر اندرون قلب محاسبۂ نفس کی ابتدائی خواہش حال ہے اور جب وہی خواہش دائمی اور مستقل ہو جاتی ہے۔ تو اسے مقام کا نام دیا جاتا ہے۔ حال وہ کیفیت ہے جو دل پر وارد ہوتی ہے خواہ وہ خوشی کی کیفیت ہو یا غم کی۔

**۳- وجد -** وہ کیفیت صادقہ ہے جو دل پر بلا تکلف وارد ہوتی ہے جب کسی دل پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو دلوں کو حق کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ اس کا اول شیریں، وسط کڑوا اور آخر سقم ہے۔ وجد کے سبب ظاہری حرکات کا فقدان ہو جاتا ہے اور باطن میں زندگی کی لہریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت ضیاء نخشبی کا ارشاد گرامی ہے......

فن سلوک میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں......

**(۱) صاحب وقت، (۲) صاحب احوال، (۳) صاحب انفاس**

**صاحب وقت** مبتدی کو کہا جاتا ہے اور جو منتہی ہوتا ہے اُسے **صاحب انفاس** کہا جاتا ہے اور جو مبتدی و منتہی کے درمیاں ہوتا ہے۔ اُسے **صاحب احوال** کہا جاتا ہے۔

**قبض و بسط، خوف و رجا -** فن تصوف کی یہ چاروں اصطلاحیں ہیں۔ علامہ ضیاء نخشبی کا اس بارے میں یہ نظریہ ہے کہ یہ چاروں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں، ماہیئت میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ فرق ان میں یہ ہے کہ خوف و رجا مبتدی کے احوال ہیں اور قبض و بسط منتہی کے احوال ہیں، حالانکہ کچھ لوگوں نے ان میں فرق و امتیاز کی بھی وضاحت کی ہے۔ مثلاً قبض و بسط کا مرتبہ خوف و رجا سے بلند تر ہے یا یہ کہ قبض خوف کا نتیجہ ہے اور بسط رجا کا ثمرہ ہے۔ بہر حال یہ فرق اعتباری ہے۔

**علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین -** تصوف کی ہر ایک کتاب میں اس کی وضاحت کی گئی ہے علامہ نخشبی نے بھی سلک ہفتم میں اس کی توضیح فرمائی ہے اور ان کا فرمان ہے کہ......

(۱) وہ علم جو فکر و نظر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے، علم الیقین کہلاتا ہے۔

(۲) وہ علم جو کشف و عطا سے حاصل ہوتا ہے، عین الیقین کہلاتا ہے۔

(۳) وہ علم جو ایسے ذرائع سے حاصل ہو جن میں خاکی عناصر کی آمیزش نہ ہو، حق الیقین کہلاتا ہے۔

**محاظرہ مشاہدہ، مکاشفہ** - یہ تینوں مقامات بھی سلوک میں آتے ہیں اور فن تصوف میں اس سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کی توضیح سے قبل یہ جان لینا چاہیے کہ سالک دو قسم کے ہوتے ہیں......

(الف) وہ سالک جو مقامات کے طے کرنے میں مشغول رہتا ہے ارباب تلوین کہلاتا ہے۔

(ب) وہ سالک جو مقامات طے کر کے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے، ارباب تمکین کہلاتا ہے۔

**محاضرہ** - ارباب تلوین کا حق ہے اور وہ علم یقین والے ہیں۔

**مشاہدہ** - ارباب تمکین کا حق ہے اور وہ عین الیقین والے ہیں۔

**مکاشفہ** - یہ ارباب تمکین اور ارباب تلوین کے مابین مشترک ہے۔

سلک ہشتم کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سالک کے احوال میں سے لوائح، لوامع، طوالع، طوارق، بوارق، بوادی ہیں جو ایک دوسرے سے قریب تر ہیں، احوال کے مبادیات و مقدمات میں سے ہیں۔

**لوائح** ایک ایسا حال ہے جو بجلی سے مشابہت رکھتا ہے، جس تیزی سے یہ حال چمکتا ہے، اسی تیزی کے ساتھ روپوش بھی ہو جاتا ہے۔

**لوامع** اس میں چمک زیادہ ہوتی ہے، بجلی سے کہیں زیادہ سرعت کے ساتھ دل پر وارد ہوتا ہے البتہ اس کا زوال دھیرے دھیرے ہوا کرتا ہے۔

**طوالح** میں لوائح، لوامع سے زیادہ بقا، قوت اور استحکام پایا جاتا ہے، انہیں تینوں کیفیات کو طوارق، بوارق، بوادی کہا جاتا ہے۔

**غیبت وحضور** فن تصوف میں احوال دنیا سے غفلت کا نام غیبت ہے اور احوالِ عقبی کے لئے حاضر و مستعد رہنا حضور کہلاتا ہے۔

**صحو وسکر** غلبۂ حال کا نام سکر ہے اس منزل پر جو فائز ہوتا ہے اسے ترتیب افعال کا کوئی دھیان نہیں دیتا۔ سکر ارباب قلوب کے لئے ہے اور جب کوئی ترتیب افعال کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت صحو کے نام موسوم ہوتی ہے۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو حقائق غیبیہ کا انکشاف کرتے ہیں۔

**جمع وتفرقہ** جمع وتفرقہ کا معنی ومفہوم واضح ہے مگر فن تصوف میں اس سے جو معنی مراد لیا جاتا ہے وہ عوامی معنی مراد سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ اس بارے میں علامہ نخشبی علیہ الرحمہ کا نظریہ ہے کہ بندہ جب خود کو فنا کر دیتا ہے اور یہ یقین کر لیتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو اسی سے وجود ملا ہے اور اسی کی ملکیت میں ہے اور پھر اسی کی طرف رجوع ہونے والی ہیں تو بندہ کا یہ حال جمع سے موسوم ہوتا ہے اور جب بندہ کی نظر کائنات اور اس کی رنگینیوں اور لطیف اشیاء پر پڑتی ہے تو اس صورت حال کو تفرقہ کا نام دیا گیا ہے۔

**حال وقال** زبانیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ زبان حال اور زبان قال۔ زبان قال لفظوں کا محتاج ہوتی ہے تراکیب کے بغیر اسکا کام نہیں چلتا ہے اور زبان حال اس کے برخلاف ہے جہاں نہ لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی عزم وارادہ کی لیکن غیر شعوری طور پر بھی زبان حال وہ سب کچھ بتا دیتی

ہے جیسے کوئی بتانا نہیں چاہتا، اس مفہوم کو حضرت ضیاء نخشبی نے یوں فرمایا......

لسان الحال انطق من لسان القال

کہ زبان حال مقال زبان سے کہیں زیادہ بولتی ہے۔

نخشبی علیہ الرحمہ تمثیلی انداز میں زبان حال کی توضیح فرماتے ہیں جس سے یہ تشریح خود میں مکمل نظر آتی ہے، دلوں میں اتر جاتی ہے اور ذہن وفکر پر اثر انداز ہوتی ہے یہ ان کی قدرت کلام اور ندرت بیاں کی بات ہے اور علم و ہنر کا کمال ہے۔ بدایونی دبستان علم کا یہ وہ جلوۂ زیبا ہے جو ہر شعبۂ علم پر دکھائی دیتا ہے۔

اس کے بعد نہایت ہی فصیح انداز میں سالک، واقف، راجح کی وضاحت فرمائی ہے اور سلوک کی راہ میں پیش آنے والی لغزشات کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس راہ کی لغزشات سات ہیں (۱) اعراض، (۲) حجاب، (۳) تغافل، (۴) سلب، (۵) سلب قدیم، (۶) تسلی اور ساتویں لغزش عداوت ہے ان سب کی تفصیلی معلومات کے لئے مطالعہ کیجئے سلک ۱۳، سلک ۱۴ سلک معجزہ، کرامت، معرفت اور استدراج کے بیان میں ہے۔ انبیاء کرام سے جو امور خلاف عادت صادر ہوتے ہیں اسے معجزہ کہا جاتا ہے اور اولیاء عظام سے جو صادر ہوتے ہیں اس کا نام کرامت ہے اور یہی امور اگر بندۂ غیر مومن سے صادر ہوں تو اس کو استدراج کہا گیا اور معرفت کا تعلق مجانین ومجاذیب سے ہے۔ تصوف میں جہاں سلوک کے احوال بیان کئے جاتے ہیں وہیں نفس وروح اور قلب کی وضاحت بھی کی جاتی ہے۔ نفس کا تعلق فانی چیزوں سے ہوتا ہے یعنی کائنات اور اس کے رنگ برنگ اشیاء سے بھی ہوتا ہے۔

روح کا تعلق عقبیٰ اور احوال آخرت سے ہوا کرتا ہے اور قلب کی تمام تر توجہ مولیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے نفس دنیا کا مرید، روح عقبیٰ کی مرید اور قلب مولیٰ کا مرید ہوا کرتا ہے۔ پندرہویں سلک تک علامہ نخشبی نے سلوک کے مقامات واحوال کا تذکرہ

کیا ہے۔ بعد میں آنے والی کچھ سلکوں میں مسائل تصوف بیان کیے ہیں مثلاً......

**مسائل تصوف۔**

سلک ۱۶ میں دعاؤں کی فضیلت و عظمت۔

سلک ۱۷ میں مریدوں اور متعلموں کے آداب۔

سلک ۱۸ میں خلقت کے اقسام میں۔

سلک ۱۹ میں مطالب کے اعتبار سے مخلوق کی قسمیں۔

سلک ۲۰ میں حصول آخرت کی مدح اور قلب دنیا کی خدمت میں۔

سلک ۲۱ میں فقر و غنا کے بارے میں۔

سلک ۲۲ میں علم و عمل اور محاسبۂ نفس کے بارے میں۔

سلک ۲۳ میں ترغیب اعمال کے تعلق سے۔

سلک ۲۴ میں عقل و شہوت اور نامحرم کو دیکھنے کے بارے میں۔

سلک ۲۵ میں شراب عشق اور اس کی مستی کے بیان میں۔

سلک ۲۶ میں تضاد عشق و عقل کے بارے میں۔

سلک ۲۷ میں احرام اور قربانی کے تعلق سے۔

سلک ۲۸ میں سلامتی اور عافیت کی توضیح کی گئی ہے۔

سلک ۲۹ میں حیات و ممات کے اسرار کے بارے میں۔

سلک ۳۰ میں انسانی قدرت و اختیار کے تعلق سے۔

یہ چند مضامین سپرد قلم کر دیئے گئے ہیں تا کہ آپ محسوس کر لیں کہ سلک السلوک کوئی عام کتاب نہیں کہ اس سے بے اعتنائی برتی جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ آپ معاشرہ اور سماج کی اصلاح کر سکتے ہیں کہ زمانہ کو اس اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے باوجود اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھنا بڑی ناانصافی کی بات ہوگی اور ناشکری

بھی۔ سماج و معاشرہ کی ضروری اصلاح سے منحرف ہونے کا جواز نہ ہمیں کل حاصل تھا، نہ آج ہے اور نہ کل رہے گا۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں جو نکات بیان کئے گئے ہیں درج ذیل ہیں......

(۱) اقسام خلوق باعتبار کردار و گفتار۔
(۲) یادِ محبوب اور اس کے نتائج۔
(۳) اسباب رنج و غم۔
(۴) عشق حقیقی۔
(۵) رزق حلال اور اس کی تلاش۔
(۶) طمع کی مذمت
(۷) طاعت و بندگی
(۸) مردان رہِ حق
(۹) یقین اور ضعف اعتقاد
(۱۰) ہم نشین اور امن کی صورت حال
(۱۱) لفظ محبت اور اس کا اطلاق
(۱۲) خوف و خشیت
(۱۳) عبدیت اور اس کے حدود
(۱۴) دعا کی قبولیت اور عدم قبولیت
(۱۵) خدا کی معیت اور ہم نشینی
(۱۶) اکل حلال
(۱۷) مروت کا بیان
(۱۸) توجہ الی اللہ

(۱۹) طاعت کی قسمیں وغیرہ۔

یہ عنوانات وہ ہیں جو نہایت ہی قابل قدر اور لائق اعتنا ہیں جو عشاق اپنی زندگی میں انھیں اپنا لے، ان سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ انھیں مضامین و مسائل کے تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے، سلک السلوک وہ چشمۂ سیال ہے جو آب زلال بانٹنا چاہتا ہے اب دیکھنا ہے کس کا کتنا بڑا ظرف ہے؟ اور کون اس سے استفادہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اپنی کوتاہ دستی سے استفادہ نہیں کرتا ہے تو میں سمجھتا ہوں اس سے زیادہ کا اہل اور کون ہوسکتا ہے؟

**رجال تصوف** - فن تصوف میں اس سے ایسے اشخاص و افراد مراد لئے جاتے ہیں جنھوں نے فن تصوف کے فروغ و ارتقاء میں زبردست حصہ لیا اور اس کے نظریاتی تشکیل میں جی توڑ کوششیں کیں۔ جو لوگ تاریخ تصوف سے واقفیت رکھتے ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ......

(الف) حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ المتوفی ۲۴۵ھ نے مصر میں سب سے پہلے اہل ولایت کے مقامات و احوال ترتیب دیئے اور فن تصوف میں، نظریاتی وسعتیں پیدا کیں۔ یہی وجہ ہے کہ فن تصوف کی کوئی بھی کتاب آپ کے ذکر جمیل سے خالی نہیں۔

(ب) سرزمین بغداد میں مذاہب صوفیہ کی سب سے پہلے جس ذات گرامی نے اشاعت کی اور اس کے فروغ و ارتقاء میں حصہ لیا۔ اس ذات بابرکت کا نام ابوحمزہ محمد بن ابراہیم البغدادی الصوفی ہے۔ آپ حضرت سری سقطی کے ہم زمانہ و ہم عصر تھے۔ آپ ہی کی بدولت بغداد میں صفائے ذکر محبت و شوق اور قرب و انس کا تذکرہ عام ہوا۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو حضرت والا نے فن تصوف کے دامن کو وسیع تر کر دیا اور اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ آپ کا سنِ وصال ۲۹۹-۲۸۹ھ ہے۔

(ج) حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں ایک مقدس نام حضرت ابو سعید احمد بن عیسیٰ الخراز البغدادی کا ہے جو تصوف میں بلند مقام رکھتے تھے اور آپ کا لقب

شیخ التصوف تھا۔ فن تصوف میں آپ نے فنا و بقا کے نظریہ کی تشکیل فرمائی اور علم تصوف میں اسے شامل کر کے، اس فن میں زبردست جلا پیدا کی۔ آپ کا وصال ۲۸۶ھ میں ہوا۔

نمونہ کے طور پر چند افراد کے نام بیان کر دیئے رجالِ تصوف میں جس قدر لوگ شامل ہیں ہر ایک نے کچھ نہ کچھ فن تصوف میں انجلائی کیفیت بیدار کی ہے نظریاتی طور پر یا پھر عملیاتی طور پر اس سے کوئی بھی دانشور انکار نہیں کر سکتا ہے۔ ایسے عظیم افراد کا ذکر نہ کیا جاتا یقینی طور پر انصاف و دیانت کے خلاف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ فن تصوف سے دلچسپی رکھنے والے افراد نے اپنے ملفوظات میں اپنے تصنیفات میں رجال تصوف کا ذکر ضرور کیا ہے کہ ان کا سہارا لیے بغیر کوئی بھی نہیں چل سکتا ہے۔ حضرت علامہ حافظ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ المتوفی ۷۵۱ھ نے بھی اپنی کتاب سلک السلوک میں رجال تصوف کا ذکر کیا ہے۔ سلک السلوک جن رجال تصوف کے ذکر خیر سے بابرکت ہوئی ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں......

| | | |
|---|---|---|
| (۱) | سہیل بن عبداللہ تستری | سلک ۱۳۷ |
| (۲) | خواجہ احمد خضرویہ | سلک ۱۳۸ |
| (۳) | حضرت اویس قرنی | سلک ۱۳۹ |
| (۴) | خواجہ حسن بصری | سلک ۱۴۰ |
| (۵) | حضرت ابراہیم ادھم | سلک ۱۴۱ |
| (۶) | حضرت بایزید بسطامی | سلک ۱۴۲ |
| (۷) | خواجہ جنید بغدادی | سلک ۱۴۳ |
| (۸) | حضرت عبداللہ خفیف | سلک ۱۴۴ |
| (۹) | خواجہ منصور حلاج | سلک ۱۴۵ |
| (۱۰) | حضرت رابعہ بصری | سلک ۱۴۶ |

(۱۱) حضرت ذوالنون مصری سلک ۱۴۷

(۱۲) حضرت معروف کرخی سلک ۱۴۸

(۱۳) حضرت سفیان ثوری سلک ۱۴۹

(۱۴) حضرت شفیق بلخی سلک ۱۵۰

یہ وہ رجال تصوف ہیں جن کا تذکرۂ جمیل خاص طور سے ان سلکوں میں کیا گیا ہے اور بہت سے ایسے بھی رجال تصوف ہیں جن کے اقوال و ارشادات، حکایات وقصص اور کرامات ضمنی طور پر بیان کئے گئے ہیں کہ انھیں مقدس نفوس و ذوات کے ذکر سے کلام میں خوبی، ندرت اور لطیف خوشبو پائی جاتی ہے، جس سے کتاب بھی مہکتی ہے اور مشام جاں بھی معطر ہو جاتی ہے اور کلام و عبارت بھی باب اجابت تک رسائی پاتی ہے۔ انکا ذکر نہ کرنے کا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ثابت ہوگی جسکے پسِ پردہ کوئی معنویت نہیں اور نہ ہی محبوب کا جلوۂ زیبا ہوگا۔ ایسے مکانوں کی تعمیر سے کیا فائدہ؟ جن میں کوئی مکیں ہی نہ ہو۔ لہٰذا اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ہر فن کی جاں اگر کوئی ہے تو وہ رجال و افراد کی جماعت ہے۔ خواہ وہ رجال تصوف ہوں یا رجال تفسیر، رجال احادیث ہوں یا رجال فکر و فلسفہ، رجال فقہ ہوں یا رجال علم نحو وغیرہ۔ انھیں ہر دور میں عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور آج بھی دیکھا جا رہا ہے۔ وہ کس قدر تنگ نظری کے شکار ہیں جو فن کی بالا دستی کو تسلیم کرتے ہیں اور رجال کی اہمیت و افادیت سے نظریں چراتے ہیں ان کی مثال اس بے رحم گل چیں کی مانند ہے جو خوشبوؤں سے مدہوش تو ہوتا ہے مگر پھولوں کو بڑی بے رحمی سے مسل دیا کرتا ہے۔

**طبقات صوفیا۔** تصوف وسلوک سے دلچسپی رکھنے والے افراد جو مقامات و احوال طے کر چکے ہیں یا پھر طے کر رہے ہیں کیا سب ایک ہی مرتبہ کے حامل ہیں؟ ایسا ممکن نہیں، کہ یہ خلاف فطرت ہے اور فکر و دانش سے ماورا بھی، کیونکہ جب کوئی فطرتاً اور طبعاً ایک

دوسرے سے مشابہت نہیں رکھتا تو پھر رتبہ ولایت میں ایک ہی جیسے ہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے، اسی لئے اہل تصوف نے اپنی کتابوں میں طبقات ولایت کا ذکر کیا ہے۔ خود علامہ ضیاء نخشبی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سلک السلوک ۱۵۱ میں خاص طور سے طبقات اولیاء کا ذکر کیا ہے، حالانکہ اس میں زیادہ تفصیل نہیں پھر بھی جس قدر ہے اُس دَور کی اور دورِ حاضر کی ضرورتوں کے موافق ہے، ان ضرورتوں سے نہ کم ہے اور نہ زیادہ ہے۔ مگر ہم اس مقام پر قدرے تفصیل سے ذکر کرینگے، تاکہ حضرت علامہ موصوف کی تحریری معنویت آپکے ذہن وفکر میں انمٹ نقوش کی مانند ثابت ہوجائے، طبقات صوفیاء، اولیا دو گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

**گروہ الف** میں وہ عالی مرتبت کے اولیاء شامل ہیں جن کی تعداد متعین ہوا کرتی ہے مثلاً - اقطاب، ابدال، نجباء، نقباء، اوتاد، عمود وغیرہ۔

**گروہ ب** میں وہ اولیاء شامل ہیں جن کی تعداد متعین نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ ان گنت ہوا کرتے ہیں جیسے اولیاء، زہاد، مجاذیب، مجانین، شہدا، قلندر وغیرہ۔

## گروہ الف کے اولیاء :-

**اقطاب -** یہ قطب کی جمع ہے لغت میں قطب اس لکڑی کو کہتے ہیں جو چکی کی دو پاٹوں کے بیچ ہوا کرتی ہے اور جس پر چکی کی اوپر والی پاٹ چلتی ہے، جو اناج یا غلہ قطب کے قریب ہوتا ہے وہ پاٹوں کے دباؤ سے محفوظ رہتا ہے ٹھیک اسی طرح جو فرد انسان کسی قطب کا محبوب نظر ہوا کرتا ہے گردش دوراں کے ہاتھوں اسے کوئی گزند نہیں پہنچتی ہے بلکہ وہ ہر قسم کی آفت، مصیبت سے محفوظ رہا کرتا ہے۔ مگر فن تصوف میں وہ افراد اقطاب سے موسوم ہوا کرتے ہیں، جو سلوک کے ہر مقام و حال کے جامع ہوا کرتے ہیں اور اقطاب بھی دو طرح کے ہوتے ہیں......

**اول —** وہ اقطاب جن پر قطب کا اطلاق اضافی ہوا کرتا ہے کبھی شہر کے اعتبار سے

اور کبھی جماعت کے اعتبار سے، یعنی ہر شہر کا قطب الگ الگ ہوسکتا ہے اور ہر جماعت کا قطب بھی جدا جدا ہوسکتا ہے، مثال کے طور پر بدایوں کا قطب، بریلی کا قطب وغیرہ وغیرہ۔

دوم — وہ قطب ہوتا ہے جو علی الاطلاق ہوا کرتا ہے، اس مقام پر جو فائز ہوتا ہے وہ اپنے زمانہ میں ایک ہی ہوتا ہے اور اس کا دوسرا نام غوث اعظم ہوتا ہے، دور حاضر میں اس مقام و مرتبہ پر حضرت سیدنا عبدالقادر[1] جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فائز ہیں، جب تک وہ حیات ظاہری میں تھے جب بھی اس مرتبہ پر فائز تھے بعد وصال بھی فائز ہیں اور امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ ظہور تک فائز رہیں گے، ان کی دعائیں رد نہیں ہوتی ہیں جن کے لئے اور جن چیزوں کی یہ دعا کر دیتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے۔

**ابدال** — یہ حضرات تعداد میں سات ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک کے ذمہ اقالیم عالم میں سے ایک ایک اقلیم سپرد ہے اور انھیں کی بدولت اقالیم سبعہ کا نظام چلتا ہے اور انھیں کے سبب ان کی حفاظت وصیانت ہوا کرتی ہے۔ انھیں ابدال اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حضرات جب چاہیں کسی کے پیش نظر اپنا بدل مقرر کر سکتے ہیں، اس صورت میں جو ان کا نائب ہوتا

---

۱- غوث اعظم - جو غوثیت کبریٰ پر فائز ہوتا ہے وہ غوثِ اعظم کہلاتا ہے۔ غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ ایک دائیں طرف کا وزیر ہوتا اس کا لقب عبدالملک ہوتا ہے اور بائیں طرف کے وزیر کا لقب عبدالرب ہوا کرتا ہے۔ فن تصوف میں بائیں طرف کے وزیر کی اہمیت ہوتی ہے کہ یہ سلطنت قلب کا معاملہ ہے اور قلب بائیں طرف ہوتا ہے۔ ہر غوث کے غوث میرے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وزیر دست جب حضرت صدیق اکبر تھے، پھر غوثیت کبریٰ پر ابوبکر صدیق فائز ہوئے اور وزیر دست جب حضرت فاروق اعظم ہوئے پھر فاروق اعظم کو یہ منصب سونپا گیا اور وزیر دست جب حضرت عثمان غنی ہوئے پھر حضرت علی اس پر فائز ہوئے اور وزیر دست چپ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ درجہ بدرجہ یہ منصب حضرت امام حسن عسکری کو ملا۔ ان کے بعد حضرت غوثِ اعظم تک جتنے غوث ہوئے سب نائب غوث تھے اور ہمارے غوثِ اعظم مستقل غوث ہیں اور حضرت امام مہدی علیہ السلام تک رہیں گے۔ پھر امام مہدی کو یہ رتبہ دیا جائے گا۔
(ماخوذ ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی جلد اول، ص:۱۲۱)

ہے، ہو بہو انھیں جیسا ہوتا ہے۔ صورت میں بھی اور سیرت و کردار میں بھی، کہ انھیں دیکھنے والا شناخت نہیں کرسکتا ہے کہ یہ اصل ہے یا نائب و بدل ہے، کہا جاتا ہے ابدال ملک شام اور اس کے ارد گرد علاقوں میں رہا کرتے ہیں۔

**نجباء** - ہر زمانہ میں ان کی تعداد آٹھ ہوا کرتی ہے۔ ہر آن ہر ساعت ان پر غلبۂ حال ہوا کرتا ہے، ان کے احوال سے آثار مقبولیت ظاہر ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس اظہار میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اس کا انتظام من جانب اللہ ہوا کرتا ہے۔ انھیں ہر کوئی نہیں پہچان پاتا۔ بلکہ وہی لوگ پہچانتے ہیں جو مرتبہ میں ان سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔ حضرت ضیاء نخشبی نے فرمایا...... نجبا زمین مغرب اور اس کے اطراف واکناف میں رہا کرتے ہیں۔

**نقباء** - ان کی تعداد ہر زمانہ میں ۱۲؍ ہوا کرتی ہے جس طرح سے آسمانی بروج ۱۲؍ ہیں، ان میں سے ہر ایک کے ذمہ ایک ایک برج ہے اور ہر نقیب اپنے اپنے برج کے آثار و خاصیات سے واقف ہے انھیں علوم شرائع، علوم آثار و قیافہ عطا ہوئے اور ان کی نگاہ کیمیا اثر اس قدر تیز اور سریع رفتار ہے کہ کسی کے نشانِ قدم کو دیکھ شناخت کر لیتے ہیں کہ یہ شخص نیک ہے یا گنہگار ہے، جنتی ہے یا جہنمی ہے۔ بقول علامہ ضیاء نخشبی نقباء حدود شہر اور اس کے نواحی علاقوں میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔

**اوتاد** - یہ تعداد میں صرف چار ہوا کرتے ہیں اور عالم کی چاروں سمتوں کی حفاظت و صیانت میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی زمین مغرب کی حفاظت کرتا ہے اور کوئی زمین مشرق کی، کوئی شمالی علاقوں پر تعینات رہتا ہے اور کوئی جنوبی دیاروں میں۔

**عمود** - ن کی تعداد پانچ ہوتی ہے اور یہی لوگ دین وملت کے ستون ہوا کرتے ہیں۔

اہل ولایت کے مراتب میں سے صرف چند مرتبوں کی وضاحت کی گئی ہے حالانکہ ان مرتبوں کے علاوہ بھی مراتب ہیں، ان سب کی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں۔ حضرت علامہ ضیاء نخشبی علیہ الرحمہ نے ان صاحب مراتب افراد کی تعداد اس طرح بیان کی ہے......

| | | |
|---|---|---|
| (۱) | ملوک ولایت | ۳رہزار |
| (۲) | نجباء | ۷۰رافراد |
| (۳) | ابدال | ۴۰رافراد |
| (۴) | اخیار | ۷رلوگ |
| (۵) | عماد | ۵رنفر |
| (۶) | غوث | صرف ایک |

گروپ (ب) میں جو مقدس افراد آتے ہیں، ان مذکور بالا افراد کے علاوہ محدثین، مفسرین، فقہا، علماء وغیرہ سبھی آتے ہیں چونکہ عوام الناس ان حضرات کو کسی نہ کسی حد تک جانتے پہچانتے ہیں۔ اسی لئے ان کی حیثیت ومرتبہ اور ولایت کا تذکرہ نہیں کیا جارہا ہے۔ یقین مانئے یہی وہ مقدس اور پاکباز افراد ہیں جن کے وجود سے عالم کا وجود ہے اور انھیں کی بقا سے عالم کی بقا ہے۔ یہ افراد نہ ہوں تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے اور اس کی خوشنمائی، دیدہ زیبی اور سامعہ نوازی میں گھن لگ جائے، اس لئے ہمیشہ ہم تمام لوگوں کو ان کی سلامتی کی دعائیں مانگنی چاہیے۔ ان احسان فراموشوں کی بات نہ کیجئے جو ان کی وجہ سے نعمتیں بھی کھا رہے ہیں اور آنکھ بھوں بھی چڑھا رہے ہیں یہ طوطا چشم ہیں۔ ان پر کیا بھروسہ؟ میں حضرت علامہ نخشبی کے اس مبارک قول پر اپنی بات ختم کرتا ہوں......

**لو لا الصالحین لهلك الطالحون** اگر نیک لوگ نہ ہوں یہ برے لوگ ہلاک ہوجائیں۔

**تصوف اور شاعری**- میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ تصوف ایک قسم کی جمالیاتی تحریک ہے، اس کا مقصد دل کی کدورتوں کو پاک وصاف کر کے اس میں حسنِ ذوق وشوق پیدا کرنا ہے اور صاحب دل کو اس لائق بنانا ہے کہ وہ نگاہ باطن سے حسن ذاتِ محض کا دیدار کرسکیں اور اس کے جلووں کو اپنے قلب وروح میں سما سکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا

ہے جب کہ اس کے فکر و دانش، شعور و ادراک اور قلب و روح کو پاک و صاف کر لیا جائے اور اسے صیقل کردہ آئینہ کی مانند بنا دیا جائے۔ شاعری اس مقصد کے حصول میں زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہے، اسی لئے ارباب تصوف نے اس جمالیاتی تحریک کے فروغ و ارتقاء میں شاعری سے کام لیا ہے۔ سلک السلوک کی تمام سلکوں میں حضرت علامہ نخشبی نے اس بات کا سخت التزام رکھا ہے ہر سلک کے آخر میں ایک رباعی ہے جو خود آنجناب کی لکھی ہوئی ہے کہ ان قطعات کے مطالعہ سے ذہن و فکر میں تصوف کا اثر گہرا ہو جاتا ہے اور قاری اس میں اس طرح مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کی تحسینی قوت بیدار ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

کوزہ کو دریا بنا دینا تو مشکل نہیں مگر کوزہ میں دریا کو سما دینا بہت زیادہ مشکل ہے علامہ نخشبی کی ذات اقدس میں یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی تھیں کہ انھوں نے سلک السلوک کے تمام مضامین کو صرف چند شعروں میں پیش کر دیا ہے اور اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انھیں قطعات میں پوشیدہ گوہر آبدار کو آپ نے ہر سلک کی نثری عبارتوں میں پیش کر دیا ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ایسے جلیل القدر قادر الکلام شاعر کے شاگرد رشید تھے کہ خود اپنے زمانہ کے بہت بڑے شاعر بن گئے۔ ہر ایک فکر و دانش والے افراد انھیں استاذ الشعراء پکارا کرتے تھے۔ اس شاعر قادر الکلام سے میری مراد حضرت ملک الشعرا شیخ شہاب الدین مہمرہ سے ہے۔ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ علامہ نخشبی بھی عظیم شاعر تھے اور قادر الکلام کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان قطعات کے سبب سلک میں اثر و تاثیر اور سحر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

**سلک السلوک اور اسلوب بیان -** سلک السلوک کا پیرایہ اظہار اور طرز نگارش نہایت سلیس و سادہ ہے۔ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو غیر مانوس ہو اور زبان پر اس کا آنا گراں محسوس ہوتا ہو اور نہ قوت سامعہ اس کی آواز اور صدائے بازگشت سے بوجھل معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس کتاب میں ایسے ایسے تشبیہات، استعارات اور رمز و

کنایات لائے گئے ہیں جن سے اسلوب میں زبردست خوبو آ گیا ہے اور دل چاہتا ہے اس کتاب کا بار بار مطالعہ کیا جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سلک السلوک کی عبارتوں میں جذب و کشش، دلآویزی اور سحر انگیزی کی کیفیت لانے کے لئے علامہ موصوف نے حکایات و قصص سے کام لیا ہے جس سے عبارت میں لطافت، شگفتگی پائی جاتی ہے اور پیرایہ اظہار میں اس قدر تابانی نظر آتی ہے کہ اسے ہر بار اور ہر دور میں دیکھا جائے۔ انھیں خوبیوں کو دیکھ کر علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا......

> سلک السلوک جو اپنی حلاوت، رنگینی اور لطافت بیان کے ساتھ ساتھ پُر تاثیر حکایات ونصائح اولیا سے لبریز ہے۔
>
> (اخبار الاخیار، ص: ۲۲۵)

جس دلنشیں عبارت کی گواہی حضرت شاہ عبدالحق دیں، اس کی اہمیت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

☆☆☆

## خاتمة الكتاب

# اُخروی حیات کی وسعتیں

☆ اس مقدس کتاب میں جن مقدس و پاکیزہ شخصیات کا تذکرہ کیا گیا، ان میں علماء بھی ہیں اور فضلاء بھی، اولیاء بھی ہیں اور مشائخ بھی، ابدال بھی ہیں اور مجاذیب بھی۔ یہ حضرات صرف اپنے لباس حیات بدلتے ہیں، اس زندگی سے اُس زندگی کو چلے جاتے ہیں، ایسا نہیں کہ ان کی زندگی بالکل معدوم ہو جاتی ہے، ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ......

حیات کا براہ راست تعلق روح سے ہوتا ہے اور پھر اس کے واسطہ سے جسم و اعضاء سے ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں حیات کو اپنا مظاہرہ کرنے کے لئے کبھی ہاتھوں کا سہارا لینا پڑتا ہے اور کبھی جسم کے دوسرے اعضاء کا، اس لئے یہ زندگی زیادہ وسیع نہیں ہوتی۔ مگر پہلی صورت میں حیات بہت زیادہ وسیع ہو جاتی ہے اور اس کے ہاتھ بھی لمبے ہو جاتے ہیں کہ اس صورت میں زندگی اپنا مظاہرہ کرنے کے لئے نہ ہاتھ کا محتاج ہے اور نہ ہی آنکھ، کان، ناک کا، یہی حیات اُخروی ہے۔ حیات کو اس صورت میں جو بھی کرنا ہوتا ہے براہِ راست کر دیتی ہے اور اعضائے جسمانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ جس طرح خدا کے برگزیدہ بندوں کی حیات برقرار رہتی ہے اسی طرح ان کے اجسام اور اعضا بھی سلامت رہتے ہیں، زمیں کی کیا ہمت کہ ان کے نورانی اعضاء کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے اور ان کے سفید کفن اور اجساد مبارک کو میلا کرے۔ حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ سے متعلق جو کرامت ذکر کی گئی کیا اس بات پر دلیل نہیں کہ حضرت بڑے سرکار علیہ الرحمہ اپنی مبارک قبر میں حیات دنیوی سے زندہ ہیں اور تلاوت کلام پاک بھی کرتے ہیں۔ تمام علماء، اولیاء، مشائخ رسول اللہ ﷺ کے نائب ہوتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو پھر سوچئے۔ میرے سرکار ﷺ کب چاہیں گے ان کے عشاق کے اجسام و

کفن خاک آلود ہوں اور زمیں اسے کھانے کی جرأت کرے؟ جب وہ اپنی گنہگار امت کے لئے آنسو بہا سکتے ہیں تو پھر ان کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتے، جو لوگ حیات اولیاء کے منکر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں، ان کے پہلوئے جگر میں دھڑکتا ہوا دل نہیں، اک سیاہ پتھر ہے اور ان کی عقل فکر وشعور سے بالکل عاری ہے۔ خدائے برتر وبالا انھیں توفیق ہدایت عطا کرے اور صحیح فکر وشعور عنایت کرے۔

**ایک حسین التجا۔** برادران وطن سے ایک التجا ہے اس سوانحی تذکرے کا مطالعہ کریں، حضرت سیدنا بڑے وچھوٹے سرکار رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر اولیاء کرام کے حالات وکوائف و نیز ان کے علمی دینی خدمات کا گہرائی سے مطالعہ کریں۔ اگر اس کے مطالعہ سے آپ کے قلب و دماغ میں رقت کی کوئی چنگاری نمود پا جائے تو میں یہ سمجھوں گا شب و روز کی میری یہ محنت و مشقت اور عرق ریزی کارگر ثابت ہوئی۔ اس ساعت سعید میں آپ میرے لئے اور حضرت نخشبی اکیڈمی کے رفقائے کار کے لئے ضرور دعا فرمائیں۔

گدائے رضا

محمد شمشاد حسین رضوی (ایم.اے.اُردو)

مورخہ ۱۲رشعبان ۱۴۲۸ھ مطابق

۲۶راگست ۲۰۰۷ء

☆☆☆

# اشک مسرت

انسان جب کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں میں مسرت و شادمانی کے آنسو جھلملانے لگتے ہیں۔ سلک السلوک کی اشاعت پر بدایوں اور دوسرے شہروں کے دانشوروں نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ میں تو اس لائق نہ تھا مگر وہ تو عارف باللہ، عالم حق آگاہ، واقف اسرار حقیقت تھا جن کی کتاب سلک السلوک آپ ہی کی یعنی حضرت شیخ علامہ حافظ ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ۔ انھیں کی برکت اور فیضان کا ثمرہ ہے کہ دانشوروں، مفکروں اور اہل علم حضرات کے دلوں کی آوازیں سنائی دی نظر آتی تھیں۔ ذیل میں انھیں حضرات کے تاثرات پیش کئے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

# شگفتہ ترجمہ

بدایوں عہد قدیم سے علماء، ادباء، شعراء، حکماء، صوفیاء، فضلاء، نازک خیالوں اور باکمالوں کا وطن رہا ہے جنھوں نے اپنے علم وفضل سے نہ صرف وطن عزیز کا نام روشن کیا بلکہ خود بھی زندہ جاوید ہو گئے۔ انھیں میں ایک اہم نام حضرت علامہ شہاب الدین مہمرہ کے شاگرد رشید حضرت خواجہ ضیا الدین نخشبی بدایونی کا ہے جو تاریخ کے ان معروف شعراء ومصنفین میں سے ایک ہیں جو الٰہیات، ریاضی، طب، موسیقی اور طبیعات میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ وہ حدیث اور تفسیر کے عالم بھی تھے اور ایک صاحب نسبت بزرگ اور ولی اللہ بھی تھے۔

ضیاء الدین نخشبی نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں ان کا ''گلریز'' ایشاٹک سوسائٹی کلکتہ نے چھاپا ہے اور ''طوطی نامہ'' کا ذکر اب عالمی ادب کا حصہ ہے۔ اس کے تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ''عشرہ مبشرہ'' میں سوانحی انداز اختیار کیا گیا ہے اور ''کلیات وجزئیات'' طب کی کتابیں ہیں جس میں مفردات اور مرکبات کے بیشتر نام ہندی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ کو ہندی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کی تصانیف میں ''سلک السلوک'' تصوف اور سلوک کے موضوع پر مبنی ایک گراں قدر تصنیف ہے۔ بقول مفتی محمد شمشاد حسین رضوی مترجم کتاب ھٰذا ''اس کتاب میں فن تصوف کی تمام تر رعنائی پائی جاتی ہے۔ اس میں شعر وسخن کی چاشنی بھی ملتی ہے اور نثری فن پاروں کا لطف ومزہ بھی۔ حکایات ولطائف کی اثر انگیزی بھی ملتی ہے اور زبان وبیان کی ندرت بھی''۔

''سلک السلوک'' پند ونصائح کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جو لطیف اور موثر زبان میں مشائخ کی حکایات اور ملفوظات پر مشتمل ہے۔ پُر تاثیر حکایات کو مصنف نے جگہ جگہ اپنے منظوم قطعات سے مزین کیا ہے۔ سب سے اہم چیز حضرت نخشبی کا شگفتہ، پُر اثر اور دلنشیں اندازِ تحریر

ہے۔الفاظ کی سبک روی، سلاست روح پرور شگفتگی اور زبان کی چاشنی اپنے عروج پر ہے۔

لائق صد مبارک باد ہیں میرے کرم فرما اور حضرات مہرہ اور نخشبی کے عقیدت مند جناب عبداللطیف خاں اور شمیم الدین صدیقی صاحب جنھوں نے اپنی سعی جمیل سے نہ صرف ان دو حضرات کے مزارات کی تعمیر جدید کرائی بلکہ تلاش بسیار کے بعد ''سلک السلوک'' کا قلمی نسخہ فراہم کیا اور بدایوں کے ایک ذی علم، صاحب قلم فاضل مفتی محمد شمشاد حسین رضوی صاحب سے اس کا اردو ترجمہ کرنے کی استدعا کی اور مولانا محترم ستائش کی تمنا اور صلہ کی پرواہ سے بے نیاز ہو کر یہ عظیم خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

کتاب کی اصل خوبی اس کا آسان، دلنشیں بامحاورہ، سلیس اور شگفتہ ترجمہ ہے۔اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ترجمہ ایسی زبان میں کیا جائے کہ آج کا ایک اردو داں قاری بھی اس کو آسانی سے سمجھ سکے۔ یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ مترجم نے لفظی اور حرفی ترجمہ کی بجائے مصنف کے مفہوم کو آسان اور دل نشیں پیرایہ اظہار میں پیش کیا ہے۔حواشی نے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے اور پیش لفظ کے تحت ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے واسطے سے بدایوں کی مختصر تاریخ بھی بیان کر دی ہے۔

عمدہ کاغذ، خوشنما کمپوزنگ، مضبوط جلد، مناسب قیمت اور دیدہ زیب سرورق سے مزین یہ ترجمہ یقیناً اہل دل حضرات سے ہدیہ تبریک وتحسین حاصل کرے گا۔دعا ہے کہ مفتی صاحب کی یہ سعی مشکور ان کے واسطے توشہ آخرت اور باعث مغفرت ہو۔

ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

قاضی الیاس رشید (بی اے، بی ایڈ)
(ریٹائرڈ اسسٹنٹ ٹیچر اسلامیہ انٹر کالج بدایوں)
نزد منڈی مسجد، شکیل روڈ بدایوں

مورخہ ۱۵؍فروری ۲۰۰۸ء

# تاثر

از- جناب خضر احمد صاحب
پرنسپل اسلامیہ انٹر کالج بدایوں

میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب مجھے ۱۸؍مارچ ۲۰۰۷ء کو ''سلک السلوک'' مترجم کی تقریب رونمائی کا مژدہ ملا جسے اعلیٰ حضرت کے عرس کے موقع پر بریلی شریف میں ہوئے اجراء کے بعد مقامی طور پر دارالعلوم شاہ ولایت قبولپورہ بدایوں میں زیر انتظام قاری عبدالرسول ناظم اعلیٰ، منعقد کیا گیا۔ تقریب میں شرکت کے موقع پر یہ ترجمہ بھی عطا ہوا۔ ترجمہ اہل بدایوں کے لئے باعث افتخار ہے کیونکہ تقریباً ۷۰۰ سال پہلے کی ایک ولی کامل کی اس تصنیف کا میسر ہونا اور پھر اس کا ترجمہ ایک عالم کے ذریعہ ایک عالم کے منبر سے منظر عام پر آجانا تصرف سے کم نہیں۔ کام شروع ہوا کرتے ہیں لیکن ان کا کامیابی کے ساتھ اتمام مخصوص نظر کرم کا ثمرہ ہوا کرتا ہے۔ یہی کچھ حال تصوف کی اس تصنیف کا ہے جس کے حصول کے لئے اس کالج کے سابق طالب علم جناب عبداللطیف خاں اور جناب شمیم الدین صدیقی ایڈوکیٹ سرگرداں بھی رہے اور جناب مفتی شمشاد حسین رضوی پرنسپل شمس العلوم بدایوں کی علمی خدمات اور تعاون حاصل کر لینے میں کامیاب رہے۔ بدایوں میں ادب کی دنیا میں یہ علمی کارنامہ اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ دور دراز علاقوں سے اس کی افادیت اور مقبولیت سے متعلق تہنیت نامے اور دعاؤں کے پیغامات بھی حاصل ہو رہے ہیں۔

موضوع تصوف پر بحیثیت مضمون اب تک کوئی تصنیف اس انداز کی میری نظر سے نہیں گذری اور یہی خیال میں سمجھتا ہوں دیگر حضرات کا بھی ہو کہ یہ نادر الوجود ہے۔

میری دعا ہے ناظم اعلیٰ دارالعلوم شاہ ولایت اُنکے اساتذہ شریک محفل و قبلہ مفتی صاحب اور اراکین حضرت بخشی اکیڈمی و تمام شرکاء کار عظیم کو ان کی خدمت کا صلہ بارگاہ الٰہی سے عطا ہو۔ (آمین)

**خضر احمد** ایم.اے.(بی.ایڈ.)
(پرنسپل- اسلامیہ انٹر کالج بدایوں)
مؤرخہ ۲۲؍ستمبر ۲۰۰۷ء

# تقریب رونمائی

آج سلک السلوک مترجم کی رونمائی کی حسین تقریب کی انوکھی فضا میں مجھے بھی دارالعلوم شاہ ولایت میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی جس میں شہر کے معزز نامور علم دوست اور عقیدت مند شریک تھے۔اس تقریب کی فضا کچھ غیر معمولی انداز میں روحانی کیف میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔مترجم مفتی محمد شمشاد حسین رضوی نے حضرت نخشبیؒ کی اس مشہور تصنیف کی تعلیمات اور افادیت سے حاضرین کو آگاہ کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت والا کی تصنیف اور اب اس کا ترجمہ دونوں ہی بدایوں سے وابستہ ہیں اور اہل بدایوں کے لئے باعث افتخار ہیں۔اس بیش بہا علمی خدمت کے لئے مترجم کی دستار بندی قدر شناسی کے جذبہ سے کی گئی۔ادارہ کے ناظم اعلیٰ قاری عبدالرسول صاحب نے اس تقریب کے انتظام کو بمعہ اپنے اساتذہ اپنی عقیدت سے کامیاب بنایا۔فضا نے بے ساختہ میرے تاثرات کو منظوم کردیا جو اس طرح پیش ہیں......

دارالعلوم شاہِ ولایت تجھے سلام

ہے چاند اور ستاروں کے ہونٹوں پہ تیرا نام — کتنا بلند و بالا ہے بیشک ترا مقام
رندان علمِ دیں میں نہیں کوئی تشنہ کام — چھلکے ہیں میکدے میں ترے نخشبی کے جام
دارالعلوم شاہِ ولایت تجھے سلام

علامہ شیخ خواجہ ضیا کی لکھی کتاب — سلک السلوک فارسی تصنیف لاجواب
اُردو میں ترجمہ کیا شمشاد نے جناب — روشن ہوا جہانِ صحافت میں ان کا نام
دارالعلوم شاہِ ولایت تجھے سلام

مفتی نے کیا جمیلؔ عطا کی ہیں حکمتیں — ہیں فارسی کے پھولوں میں اُردو کی نکہتیں
ضوٗ پاشی قلم سے دیں لفظوں کو جلوتیں — یہ ترجمہ ہوا ہے ستاروں سے ہم کلام
دارالعلوم شاہِ ولایت تجھے سلام

جمیل احمد صدیقی جمیلؔ ایم.اے.(بی.ایڈ.)
(لیکچرار، اسلامیہ انٹر کالج بدایوں)
مورخہ ۱۸/مارچ ۲۰۰۷ء

# جشن رونمائی

۱۸؍مارچ ۲۰۰۷ء بدایوں شہر میں ترجمہ نگاری کے میدان میں ایک تاریخ ساز دن ہے جب علامہ الشیخ امیر الفقرا حضرت مولانا حافظ خواجہ ضیاء الدین نخشبیؒ کی تقریباً ۷۰۰؍برس پیشتر تصنیف کی گئی تصوف کی نادر الوجود تخلیق سلک السلوک کے ترجمہ کی رونمائی دارالعلوم شاہ ولایت قبولپورہ بدایوں میں کی گئی۔ شہر کے عقیدتمند حضرات اور صاحب علم وفن نے اس میں پرجوش شرکت کی۔ ترجمہ نگاری کے میدان میں اس عظیم خدمت کے لئے عقیدت مند حضرات نے متاثر ہوکر مترجم جناب مفتی محمد شمشاد حسین رضوی (پرنسپل مدرسہ شمس العلوم بدایوں) اور ان کے معاونین کو دستار بندی سے نوازا۔

محفل میں اہل علم کو ایک انوکھی فضا میں کیف وشادمانی کا احساس ہوا۔ محفل کے منتظم دارالعلوم شاہ ولایت کے ناظم اعلیٰ جناب قاری عبدالرسول صاحب نے اپنے خیالات اور عقیدت کا جو اظہار کیا وہ نہایت موثر اور معلوماتی تھا۔ حضرت نخشبیؒ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے اور دارالعلوم کے نزدیک بھی ہے یہاں کے طلباء اکثر وہاں تلاوت کرنے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر کے اس شعر سے اس کار عظیم میں برسوں سے لگے قبلہ مفتی صاحب اور ان کے معاونین خصوصی کی حوصلہ افزائی کی......

کہیں مدّت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

عوام جہاں تک میں سمجھتا ہوں اب تک حضرت نخشبیؒ کے مرتبہ اور ان کی دینی خدمات سے اس قدر واقف نہ تھے جو اس ترجمہ کے آنے سے اب واقف ہوں گے۔ یہاں کی روایت کے مطابق مبتدی بچے تلاوت قرآن کے لئے آتے رہے ہیں اور حفاظ حضرات بھی تلاوت کرنے آتے رہے ہیں۔

اس کار عظیم میں شرکت کرنے والوں کو حضرت موصوف کی جانب سے عطا سعادت تصور کیا جارہا تھا کہ اتنی طویل مدت بعد معاشرہ کو زبان اردو میں ایک ولی کامل کی تعلیمات بصورت تصنیف میسر ہوئیں۔

نیا دور، ماہنامہ اعلیٰ حضرت وغیرہ میں شائع تبصروں نے اس علمی خدمت کی بہت حوصلہ افزائی کی ہے۔ دعا ہے کہ حضرت نخشبی اکیڈمی اسی طرح علمی خدمات معاشرہ کی فلاح وبہبود کے لئے کرتی رہے اور خداوند قدوس شرکاء کار کو ثواب دارین عطا فرمائے، آمین۔

**عبدالصبور خاں** (ایم.اے.، بی.ایڈ.)

(لیکچرر انگریزی- حافظ صدیق اسلامیہ انٹر کالج بدایوں)

مؤرخہ ۲۲؍ستمبر ۲۰۰۷ء

# عشقِ حقیقی

بدایوں میں بے شمار اولیائے کرام وشہدائے کرام دفن ہیں اسی لئے یہ شہر مدینۃ الاولیا کہلاتا ہے۔انھیں اولیاءکرام میں حضرت حافظ ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جنھوں نے تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں دُنیائے تصوف کی نادرونایاب کتاب ''سلک السلوک'' تصنیف کی جس کا ترجمہ جناب مفتی شمشاد حسین رضوی (ہیڈ مدرس شمس العلوم بدایوں) نے اُردو زبان میں کر کے زینت بخشی جس کی اشاعت میں حضرت کے تصرف سے میں نے بھی حصہ لیا۔اس پوری کتاب میں کل ۱۵۱ر سلکیں ہیں جو گنجینۂ معرفت اور سرچشمہ علم وعرفاں ہیں۔اس کتاب کا ہر جملہ عشق حقیقی کا ایک پیغام ہے۔حضرت موصوف نے مضامین تصوف اور مسائل سلوک کو گوہر آبدار سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ اس علم کے جاننے والے جوہری خوب جانتے ہیں کہ اس قسم کے سچے موتی اور گوہر آبدار جو اِن سلکوں میں ہیں کہیں اور نہیں۔اس کتاب کی ایک الگ ہی انفرادیت ہے حالانکہ فن تصوف میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔اس دور میں بھی اس کتاب کی عظمت وافادیت اور انفرادیت کا احساس اہل زمانہ نے کیا۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کے عرس کے موقع پر اس کی رسم اجراء عمل میں آئی اور پھر دارالعلوم شاہ ولایت بدایوں میں ۱۸ر مارچ ۲۰۰۷ء کو اس کی رونمائی سیکڑوں حضرات کی موجودگی میں کی گئی اور اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔رسالہ 'نیا دور' جولائی - اگست ۲۰۰۷ء کے شمارہ میں اور رسالہ 'اعلیٰ حضرت' میں بھی اس کتاب پر جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم سب ہی حضرات اس سے استفادہ حاصل کریں اور اللہ اپنی لازوال رحمتوں اور برکتوں سے ہم سب کو نوازے، آمین

الحاج عقیل بخش منڈھولوی بدایونی

(وارد حال دہلی)

# تبصرہ : ماہنامہ اعلیٰ حضرت

دنیائے تصوف کی نادر و نایاب تصنیف ''سلک السلوک'' حضرت الشیخ خواجہ ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمہ کی ایسی عظیم و مستند تصنیف ہے کہ جس کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ سلک السلوک فارسی زبان و ادب کی بلند پایہ کتاب ہے جس کا سلیس اور قابل ستائش ترجمہ اہل سنت کے زبردست عالم دین حضرت علامہ مفتی شمشاد حسین صاحب رضوی نے فرمایا۔ اس کتاب کی عظمت و افادیت اور انفرادیت کا احساس صاحب کتاب کے معاصرین نے بھی کیا اور اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک اس کی طوطی بولتی رہی اور ارباب معانی کو بھی اس کی اہمیت کا احساس تھا۔ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سبع سنابل شریف میں جا بجا اسکے حوالے دیئے ہیں اور حضرت والا کا تذکرۂ لطیف فرمایا ہے۔

کتاب ''سلک السلوک'' کے ابتدائی صفحات میں حضرت مفتی شمشاد حسین صاحب کا ایک مضمون ''پیش لفظ'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ مضمون پیش لفظ نہایت معلوماتی اور اپنے موضوع پر انتہائی جامع مضمون ہے۔ صاحب مضمون حضرت مفتی صاحب نے اس مضمون میں تصوف کی صحیح تعریف، ہندوستان میں اسلام کی آمد، بدایوں کا تاریخی پس منظر، محمود غزنوی اور سید سالار مسعود غازی کی عظیم قربانیاں، صاحب سلک السلوک حضرت نخشبی صاحب کی علمی خدمات اور تصوف و سلوک کی تشریحات کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

کتاب سلک السلوک ۱۵۱ سلکوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ہر سلک گنجینۂ معرفت اور سرچشمۂ علم و عرفان ہے۔ کتاب علم معرفت کا ایسا دریا ہے جو قاری کو تصوف و معرفت کے جام لبالب سے سرشار کرتا ہے۔ یہ کتاب ایسی پرکشش ہے کہ قاری پڑھتا چلا جاتا ہے اور ذہن منتشر نہیں ہوتا بلکہ سلوک کے نور سے اپنے ذہن و دماغ اور نہاں خانۂ دل کو منور کرتا

جاتا ہے۔ ہر سلک میں صاحب کتاب حضرت نخشبی علیہ الرحمہ نے معلومات کا دریا بہا دیا ہے۔ زبان و بیان میں ایسی سحر انگیزی ہے کہ آپ پڑھتے ہی مدہوش ہو جائیں گے۔ کہیں سلاست و روانی ہے تو کہیں لفظوں کی سبک روی، کہیں تشبیہ و استعارہ کی دلکشی ہے تو کہیں تخیل کی بلند پروازی، کہیں روزمرہ کے الفاظ ہیں تو کہیں خوبصورت ترکیبوں کے درخشاں ستارے، کہیں آپ براہ راست مخاطب ہیں تو کہیں فکر و فلسفہ کی راہ پر گامزن، ہر سلک کے اختتام پر آپ کے اپنے دو اشعار ہیں جن میں جامعیت پائی جاتی ہے۔ یہ اشعار ہر ایک سلک کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ ان اشعار میں آپ کی شخصیت کے جو نئے گوشے کھلتے ہیں وہ ذہن و دماغ کو اپیل کرتے ہیں۔ (سلک السلوک، ص:۳۳)

کتاب سلک السلوک آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول میں لکھی گئی۔ اس میں شعر و سخن کی چاشنی بھی ملتی ہے اور نثری فن پاروں کا لطف بھی۔ حکایات و لطائف کی اثر انگیزی بھی ملتی ہے اور زبان و بیان کی ندرت بھی، اس کاب کا اسلوب ہر کتاب سے الگ ہے۔ اس کتاب کو صاحب کتاب حضرت نخشبی علیہ الرحمہ نے اولیاء کاملین کے سچے اور ایمان افروز واقعات سے بھی آراستہ کیا ہے۔ بزرگان دین کی کرامات و واقعات اور ان کی روح پرور حکایات کو ایسے عمدہ اور دلپذیر انداز میں قلم بند کیا گیا ہے کہ قاری پڑھتا ہے تو جھوم جاتا ہے اور تصوف و معرفت کا فور اس کے باطن میں اترتا چلا جاتا ہے۔ کتب تصوف کے شائقین کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس کتاب کو حاصل کریں، پڑھیں اور معرفت کے انور، تصوف کے اجالوں اور سلوک کی ضیاء پاشیوں سے اپنی زندگی و بندگی کے گوشے گوشے کو تابناک بنائیں۔

کتاب سلک السلوک کے مطالعہ سے جہاں صاحب کتاب حضرت الشیخ الحافظ خواجہ ضیاء الدین نخشبی بدایونی علیہ الرحمہ کی تصوفانہ معلومات اور سلوک میں بلند پایہ مقام کا پتہ چلتا ہے وہیں اس کے ترجمہ نگار حضرت علامہ مفتی محمد شمشاد حسین صاحب رضوی مدظلہ العالی کے مبلغ علم

کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ آپ نے اتنی ضخیم فارسی زبان وادب کی معیاری تصنیف کا حسین ودلکش اور آسان سے آسان تر لہجے میں عمدہ اور محاوراتی ترجمہ کر کے ایک لائق ستائش، زندہ وتابندہ اور قابل تقلید کارنامہ انجام دیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی علمی شخصیت اہل علم وفن سے مخفی نہیں۔ آپ کے تحقیقی اور معلوماتی مقالہ جات اکثر جرائد اہل سنت میں شائع ہوکر اہل علم وتحقیق وادب سے داد تحسین حاصل کرتے رہتے ہیں۔ حضرت مفتی شمشاد حسین صاحب رضوی کو مرشد برحق، آقائے نعمت سیدی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ سے شرفِ ارادت اور صاحب سجادہ آستانہ رضویہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں صاحب سبحانی میاں سے شرفِ خلافت حاصل ہے۔ بارگاہِ رب الانام میں دعا ہے کہ رب اکبر بطفیل رسول اکرم ﷺ حضرت مترجم مفتی صاحب قبلہ کو دارین میں سعادتوں سے نوازے اور صوفیاء کرام، بزرگان دین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے صدقے میں اس عظیم علمی اور روحانی کوشش کو مقبول عام وخاص فرمائے۔

قارئین اعلیٰ حضرت سے گزارش ہے کہ مندرجہ بالا پتوں سے اس کتاب کو حاصل کر کے اپنی معلومات میں گراں قدر اضافہ فرمائیں۔ یقیناً یہ قارئین کے لئے علم تصوف وروحانیت کا ایک سمندر ثابت ہوگی۔ حضرت نخشبی علیہ الرحمہ کو دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً ۷/سو سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر ''سلک السلوک'' کے ذریعہ آپ کا فیضان آج بھی جاری وساری ہے۔ ''سلک السلوک'' کا قاری اپنے آپ کو حضرت نخشبی سے بہت قریب اوران کے فیضان کی جھیل میں خود کو غوطہ زن محسوس کرے گا۔ کتاب حاصل کیجئے اور دیکھئے کہ آپ کتاب کو میرے ان مذکورہ لفظوں سے کہیں سوا پائیں گے۔

عبدالرحمٰن خان قادری بریلوی
مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

# تبصرہ : نیا دور لکھنؤ

تصوف کے مسلک پر فاضل مولف خواجہ ضیاء الدین نخشبی نے ''سلک السلوک'' کے عنوان سے یہ کتاب تالیف کی تھی۔ وہ خراسان کے علاقے نخشب کے رہنے والے تھے۔ بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ بدایوں آ گئے۔ شیخ فرید الدین ناگوری سے شرف بیعت حاصل تھا۔ علم طب اور موسیقی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ عالمِ باکمال، صوفی، درویش اور صاحبِ اتقاء بزرگ تھے۔ بقول مترجم، حضرت نخشبی نے اپنے علمی فیضان سے ایک جہاں کو مستفیض کیا۔ تصنیف و تالیف سے گہرا شغف تھا، شخصیت متنوع تھی۔ کہیں درس و تدریس سے روشنی پھیلاتے، کہیں نگاہِ کیمیا اثر سے کام لیتے، کبھی اپنی فکر توانائی کے جوہر بکھیرتے۔ ان کی تالیفات میں طوطی نامہ، شرح دعائے سریانی، جزئیات وکلیات، گل ریز، عشرہ مبشرہ، نصائح ومواعظ اور سلک السلوک وغیرہ نادر ونایاب ہیں۔

سچ یہی ہے کہ تصوف کے بغیر سلوک کے مقامات طے نہیں ہوتے جو سالک ہوتا ہے وہ تصوف کی روایات کا ضرور اہتمام کرتا ہے۔ خواجہ ضیاء الدین نے ۹۹ رسال کی عمر پائی اور ۷۵۱ھ میں ان کا وصال ہوا۔

یہ کتاب جو فارسی میں لکھی گئی عمر کے آخری دور کی تصنیف ہے، اس پوری کتاب میں کل ۱۵۱ رسلکیں ہیں جو گنجینۂ معرفت ہیں۔ توبہ، حال، مقام جمع وتفرقہ، غیب وحضور، محو واثبات، صبر وشکر، علم یقین، حق الیقین، محو وسکر، انس و وحشت، وجد وتواجد وغیرہ، ۱۱۶ رسلکوں تک ایسے ہی موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

سلک ایک مخصوص ریشمی دھاگے کا نام ہے جس میں موتی پروئے جاتے ہیں۔ مؤلف نے اسے بطور استعارہ استعمال کیا ہے جو انتہائی وسیع المعانی ہے۔ توبہ کے موضوع پر ترجمہ

کی ہوئی یہ عبارت ملتی ہے۔

''توبہ ہر مقام کی اصل ہے اور یہ ہر حال کی کنجی ہے اور یہی مقدمات کی پہلی منزل ہے اور یہ عمارت کے لئے زمین کی مانند ہے، پس جس کے پاس زمین نہیں اس کے لیے عمارت نہیں، جس کے لئے توبہ نہیں اس کے لیے نہ کوئی حال ہے نہ ہی کوئی مقام ہے۔ یحییٰ بن معاذ نے فرمایا: تائب کے لیے بعد توبہ ایک گناہ، توبہ سے پہلے کے ستّر گناہوں سے کہیں زیادہ قبیح ہے''۔

''سلک السلوک'' عارفانہ مضامین و مسائل پر منفرد انداز میں تحریر کی گئی بیش قیمت کتاب ہے۔ باذوق حضرات اس کتاب سے کماحقہٗ استفادہ اٹھائیں گے۔ اُردو میں مفتی محمد شمشاد حسین رضوی نے جو خود بھی درس و تدریس کے کارِ عظیم سے وابستہ ہیں، ترجمہ کر کے فیض خاص کو فیضِ عام میں تبدیل کر دیا ہے۔ اول تو فارسی دانی ہم لوگوں سے ختم ہو گئی ہے، دوسرے اچھی اُردو سے واقفیت بھی کم ہوتی جارہی ہے لیکن رضوی صاحب نے سادہ و سلیس ترجمہ کر کے ایک مفید کام انجام دیا ہے۔

کتاب بہت معیاری چھپی ہے، ضخامت کو دیکھتے ہوئے قیمت بھی کم رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اہل علم اسے خرید کر اپنی روح کو سرشار کریں۔ امید ہے کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور ترجمہ مقبول عام کا شرف حاصل کرے گا۔

محمد عمران

(مبصر)

☆☆☆

# تاثراتِ مسرّت

از:- ڈاکٹر مسرت اللہ خاں مسرت اشرفی بدایونی
ریٹائرڈ پرنسپل وصدر کاروانِ شکیل
جالندھری اسٹریٹ بدایوں

اردو زبان گلہائے رنگا رنگ کا ایک حسین گلدستہ ہے جس میں رنگ ونور کے ساتھ ساتھ دماغ کو مخمور دل کو مسرور کرنے والی ایک عجیب سی خوشبو ملے گی جس پر دنیا فریفتہ ہے چاہے وہ اس پیاری زبان کا چاہنے والا ہو یا اس کی مخالفت میں منھ کھولنے والا۔ بہر کیف یہ پیاری زبان وہ ہے جسے پروان چڑھانے اور خوب سے خوب تر بنانے میں ہر مذہب وملت کی کشادہ دماغ ہستیوں نے دل کھول کر مصمّم ارادوں کے ساتھ خدمات انجام دے کر اپنے ادبی شہ پاروں سے مالا مال کیا۔ اس حقیقت کا اظہار تاریخ ادب اردو کے صفحات پر موجود ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں دبستان دہلی اور دبستان لکھنؤ کا تذکرہ ملے گا وہیں سرزمین بدایوں سے میدانِ ادب میں آئے ان حضرات کا بھی جگہ جگہ تذکرہ مل جائے گا جنھوں نے بحیثیت شاعر ادیب، تاریخ داں وتنقید نگار اور افسانہ نگار ومترجم کی حیثیت سے اپنے کارہائے نمایاں سے عالمی سطح پر شہرت حاصل کی۔

حقیقت یہ ہے کہ سرزمین بدایوں کو خالقِ کائنات نے عظیم برکتوں سے نواز کر یہاں سے ابھرے صاحبِ علم وفن حضرات کو عظیم مراتب سے نوازا ہے اسی ضمن میں بزرگ ہستیوں کو وہ بزرگی عطا کی کہ ان کی زندگی خدمتِ خلق میں بسر ہو کر دنیا کے لئے ایک نمونہ بن گئی آج بھی یہاں ایسی ایسی بزرگ وعظیم مرتبت ہستیاں محوِ خواب ہیں (شہداء، علماء، فضلا، صاحبِ کشف وکرامات) جن کے نادر ونایاب کارنامے ہماری زندگی کے لئے مشعل راہ بھی ہیں اور مشعل ہدایت بھی۔ بہر حال ۲۰۰۷ء میں اس سرزمین کی درخشاں تاریخ دہرانے، تقریباً ۷۰۰ (سات سو) سال پرانی صوفیانہ زندگی بے نقاب کرنے کے لئے بدایوں کی سرزمین سے بیحد محبت کرنے والے حضرت مفتی محمد شمشاد حسین رضوی صاحب نے حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبی بدایونیؒ کی نادر ونایاب تصوف کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ پیش کر ایک لاجواب کام انجام دیا ہے اس سلسلہ

میں جس قدر ان کی علمیت ، ذہانت ، سوجھ بوجھ اور تحقیقی جذبہ کی تعریف کی جائے وہ کم ہے کیونکہ موثر انداز، سادہ سلیس زبان کا استعمال اور قدم قدم پر نکات پر تجزیہ پیش کر اپنی بات کو دلوں کی گہرائی تک پہنچانے کا انداز قابل تعریف بھی ہے اور قابلِ قدر بھی۔ ان کا یہ کارنامہ یقیناً اس مادیت کے دور میں روحانیت کے چراغ جلا کر ہمارے قلوب میں نئی روشنی پیدا کرنا ہے۔ یہ روشنی تصوف کی لافانی روشنی ہے جس سے اہل بصیرت قلبی سکون اور دماغ سرور ہی محسوس کریں گے۔ یہ تصوف کی نادر ونایاب کتاب ایک تاریخی دستاویز بھی ہے جس میں آج سے ۷۰۰ سال قبل بدایوں کے حالات وواقعات، تہذیبی، مسلکی، صوفیانہ اور درویشانہ سرمایہ ہے جو آج کے دور میں مشعل راہ کا کام انجام دے گا۔ تصنیف ھٰذا آج سے ۷۰۰ سال پہلے کے اخلاقی، روحانی، علمی تقاضوں کو پورا کرتی ہی تھی لیکن آج بھی یہ تصوف کی رہبری کے تمام تقاضوں کو پورا کر رہی ہے۔

''سلک السلوک'' کا اردو ترجمہ کا منظر عام پر آنا، ہاتھوں ہاتھ اہل علم کا لینا بھی قابل تعریف ہے۔ اندرونِ ملک و بیرونِ ملک مختلف رسائل میں تبصروں کا شائع ہو کر منظر عام پر آنا مترجم کی زبردست کامیابی کی دلیل ہے اور اس ولایت کے دور میں تصوف کے قدرداں ہونے کا ثبوت بھی، آج مجھے بیحد خوشی ہے کہ اسی صاحب طرز ادیب و مترجم حضرت مفتی محمد شمشاد حسین رضوی صاحب کے نوکِ قلم سے درِ آبدار کی شکل میں نکلے تحقیقی تبصرے ''آفتاب و ماہتاب'' کے نام سے دوسری کتب منظر عام پر آنے کے لئے تیار ہے جس میں حضرت سلطان العارفینؒ اور حضرت شاہِ ولایت کے حالاتِ زندگی، حالاتِ کشف وکرامات کے ساتھ ساتھ کچھ دوسری بزرگ و بلند کردار کی قابلِ تقلید ہستیوں کے حالات و واقعات پیش کئے ہیں ساتھ ہی مختلف نکات کا تجزیہ عالمانہ انداز سے خوبصورت اردو میں پیش کر لاجواب خدمت انجام دی ہے۔ یقین کیجئے کتب کی ورق گردانی میں جہاں جہاں طائرانہ نظر پڑی ہے منہ سے بیساختہ واہ...... سبحان اللہ ہی نکلا ہے۔ انداز بیان، زبان و بیان، مختلف نکات (عقدہ سلاحل کا حل) پیش کرنے موٴثر بیان قابلِ ذکر ہے۔ انشاء اللہ یہ مفتی صاحب کا کارنامہ بھی تحسین بھری نظروں سے دیکھا جائے گا اور بہت جلد شمعِ روحانیت کے پروانے ان کتب کو ہاتھوں ہاتھ لے کر فخر محسوس کریں گے۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سلک السلوک کا مختصر تعارف

۷/دسمبر ۲۰۰۷ء سے ۱۰/دسمبر ۲۰۰۷ء تک منعقد پُستک میلہ ۲۰۰۷ء کے
موقع پر ''سلک السلوک'' کا مختصر تعارف پیش کیا گیا۔
جس سے متاثر ہوکر میڈیا نے ازخود ''سلک السلوک'' کو
سرو قیّم اور نایاب کے صیغہ میں تسلیم کیا۔

نام کتاب : **''سلک السلوک''** (مترجم)
مصنف: حضرت مولانا حافظ خواجہ ضیاء الدین نخشبیؒ
مترجم: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی
ناشر: حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں
محترم صدر: جناب نصیر الدین ایڈوکیٹ
مہمان خصوصی: جناب ڈی۔ کے۔ بھاردواج (اُدّھیوگ پتی)
مہمان خصوصی: جناب ڈاکٹر دنیش یادو
معزز مہمان جناب منتریشور پاٹھک (ضلع پریوجنا ادھیکاری آپدہ پربندھن)
خصوصی ساندھ: شریمتی منجل شنکھدار

آداب
اس شہر بدایوں میں پہلی بار یہ علمی پروگرام ادھیکش شریمتی نرملا جی و جناب محمد عثمان (سچو) دوارہ علمی دوستی کا پیغام لئے وِشال پستک میلہ ۲۰۰۷ء ۷/دسمبر ۲۰۰۷ء سے ۱۰/دسمبر

۲۰۰۷ء تک زیر حمایت ادھیکش نگر پالیکا پریشد بدایوں جناب عابد رضا صاحب نگر پالیکا پریشد بدایوں میں منعقد کیا گیا ہے جو قابل مبارکباد ہے۔

بدایوں دبستان علم میں وقتاً فوقتاً تصنیف وتالیف کا سلسلہ ہوتا آرہا ہے۔ اس سلسلہ میں تذکرۃ الواصلین، مردان خدا، ہست و بود، بدایوں قدیم و جدید، کنز التاریخ و انوار الٰہی وغیرہ کتب لکھی گئیں۔ انوار الٰہی کے علاوہ مذکورہ کتب منظر عام پر آچکی ہیں جن سے تاریخی سرگرمیاں ظاہر ہیں۔

ہم شکر گذار ہیں کہ امیر الفقراء حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبی رحمتہ اللہ علیہ کی فارسی کی تصنیف تصوف (अध्यात्मवाद) پر آدھارِت ''سلک السلوک'' کے اُردو ترجمہ سے متعارف کرانے کے لئے ہم کو موقع عطا کیا گیا ہے۔

۱۴ ارکتب میں اس تصنیف کا حوالہ پڑھنے کے بعد ہماری انتھک کوششوں کے نتیجہ میں یہ کتاب میسر ہوئی اور ہماری استدعا پر جناب قبلہ مفتی محمد شمشاد حسین رضوی صدر معلم مدرسہ شمس العلوم بدایوں نے اپنی محنت ولگن سے اس کا ترجمہ کر کے حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں کے ذریعہ جنوری ۲۰۰۷ء مطابق محرم الحرام ۱۴۲۸ھ میں شائع کرائی۔ یہ تصوف کی انفرادی تصنیف ہے جو اُردو زبان میں پہلی بار منظر عام پر آئی۔ اس کا اجراء اعلیٰ سطح پر بریلی عرس کے موقع پر ہزاروں افراد کی موجودگی میں ۱۶؍مارچ ۲۰۰۷ء کو مترجم مذکور نے اپنے پیرزادہ سے کرایا اور مقامی رُونمائی دارالعلوم شاہ ولایت بدایوں میں ۱۸؍مارچ ۲۰۰۷ء میں عمل میں آئی جس میں علم دوست حضرات نے شرکت کی۔

مترجم مفتی صاحب کی علمی خدمات اور کاوشیں ہم سب کو روشناس کرانے کے لئے قابل تحسین وآفریں ہے اور ہم سب اُن کے شکر گذار ہیں۔

بدایوں کی (جو مدینۃ الاولیاء کہلاتا ہے) اور اہل بدایوں کی خوش نصیبی ہے کہ یہ سرزمین علماء، صلحاء، اصفیاء، شعراء اور ادباء کا مسکن ہے۔ انھیں پاکباز ہستیوں میں اُس دور کے

مدرسہ معزیہ کے ملک الشعراء اور متعلم حضرت شیخ شہاب الدین مہمرہ رحمتہ اللہ علیہ اور اُن کے شاگرد رشید حضرت مولانا حافظ خواجہ ضیاء الدین نخشبی رحمتہ اللہ علیہ اپنے اپنے مزارات میں آرام فرما ہیں جن کی علمی واخلاقی خدمات سے آج جہان متعارف ہے۔

ہم سب سے پہلے ''سلک السلوک'' کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں جو اشد ضروری ہے۔ اس قدیم دبستان فکر کی اس تصنیف میں زبردست فکری گیرائی اور معنوی تابانی پائی جاتی ہے۔

'سلک' اس ریشمی دھاگہ کو کہا جاتا ہے جس میں انمول موتی پروئے جاتے ہیں۔ 'سلوک' کے معنیٰ طریقت کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کتاب طریقت کے ریشمی دھاگوں سے مزیّن ہے۔ عشق حقیقی کے پیاسوں کو یہ سیراب کرتی ہے۔ اسکے مطالعہ سے نفس وقلب میں طہارت، لطافت، شفافیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں تصوف کے مسائل اخلاص اور پیار سے سمجھائے گئے ہیں۔ سماج، معاشرہ، اخلاق وکردار میں نکھارنے کی تعلیم ہے۔ حضرت خواجہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس فن کے جوہر شناس اس راز سے بخوبی واقف ہیں کہ اس ''گوہر آبدار کی کوئی مثال نہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان موتیوں کو ہر ایک دھاگہ میں پرویا نہیں جاتا۔ حضرت نے ان آبدار موتیوں کو ۱۵۱؍دھاگوں میں پرو کر اس کا نام ''سلک السلوک'' رکھا ہے۔

جن عنوانات پر گہرائی اور ہمہ گیریت سے روشنی ڈالی گئی ہے وہ تصوف کی راہ کے یہ مقامات ہیں......

(۱) توبہ (۲) مقام (۳) حال (۴) وجد وتواجد (۵) قبض وبسط، خوف ورِجا (۶) علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین (۷) لوائح، لوامع اور طوالع (۸) صحو وسکر (۹) معجزہ وکرامت، خداپرستی اور اُنس وغیرہ۔

ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد جو روشنی ملتی ہے اس تعلیم سے شاید ہی

کوئی الگ ہو پائے۔ بیرون ہند پاکستان میں بھی اس کتاب کی عظمت کا پُر جوش اعتراف ہورہا ہے۔

ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنؤ اگست۔ستمبر ۲۰۰۷ء میں اور رسالہ ''اعلیٰ حضرت'' بریلی میں جو تبصرہ دیئے گئے ہیں وہ قابل شکر گذاری ہیں۔

آج تقریباً ۷۰۰ برس پہلے اس کی تصنیف سماج میں روحانی، اخلاقی اور خداشناسی کی تعلیم کے لئے ہوئی اور اُس وقت کے ایاّم کی ضرورتوں کو اُس نے پورا کیا ہے جس کی تعلیمات آج سماج و معاشرہ کی اہم ضرورت ہے۔عوام کے ہاتھوں تک آسانی سے پہنچ جائے اس لئے اس ۴۰۰ صفحات کی کتاب کا واجبی ہدیہ -/120 (ایک سوبیس) روپیہ ہے جس کو ماہنامہ ''نیا دور'' نے بھی سراہا ہے تا کہ اس کا تعلیمی مقصد پورا ہو سکے۔آپ کو یہ بھی جان کر خوشی ہوگی کہ مفتی صاحب نے حضرت چھوٹے و بڑے سرکار کے بارے میں تفصیلی کتاب ''آفتاب و ماہتاب'' تصنیف کی ہے جو انشاء اللہ حضرت بخشی اکیڈمی بدایوں کے ذریعہ منظر عام پر آئے گی۔

**عبداللطیف خاں** (ایم.اے.)
(سابق آفس سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن)
محلّہ قبولپورہ بدایوں

**شمیم الدین صدیقی قادری**
(ایڈوکیٹ)
محلّہ ناگران، بدایوں

مورخہ ۹/دسمبر ۲۰۰۷ء

☆☆☆

۷۸۶
۹۲

۲/۱۷-سی، پی ای سی ایچ سوسائٹی
کراچی-۷۵۴۰۰
۳/جون ۲۰۰۷ء

مکرمی زید عنایتکم السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

کرم نامہ موصول ہوا۔ تفصیلی حالات معلوم ہوئے۔ چند روز ہوئے آپ کی طرف سے "سلک السلوک" بھی مل گئی۔ مفتی شمشاد حسین رضوی زید مجدہٗ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے نادر و نایاب اور تصوف پر بہت مفید اور عجیب وغریب کتاب ترجمہ کر کے شائع کی۔ مفید حواشی بھی لکھے۔ فقیر مطالعہ سے بہت محظوظ ہوا۔ مطالعہ کی فرصت نہیں ملتی مگر اس کتاب نے دل کھینچ لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مترجم محترم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین۔

فقیر کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ فقط والسلام

احقر ڈاکٹر مسعود احمد

To,

**Dr. Sadaqat Ullah Khan**
Mohalla Sotha Khail
Badaun (U.P.) India

# مختصر تعارف حضرت مصنف

| | |
|---|---|
| نام | محمد شمشاد حسین رضوی |
| ولدیت | جناب عبدالشکور صاحب مرحوم |
| سن ولادت | یکم جنوری ۱۹۶۲ء |
| وطن | ڈمراواں وایا عمرپور ضلع بانکا (بہار) |
| موجودہ سکونت | محلہ چودھری سرائے، شکیل روڈ، بدایوں (اترپردیش) |
| بیعت و اجازت | حضور سرکار مفتیِ اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے حضرت علامہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ العالی صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف نے سن ۲۰۰۵ء میں عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر اجازت وخلافت سے نوازا۔ |
| فراغت | جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس سے ۱۹۸۱ء میں فراغت پائی یہیں حضرت علامہ مفتی محمد یامین صاحب مرادآبادی مفتیِ اعظم بنارس کی نگرانی میں کار افتاء میں عبور حاصل کیا۔ |
| اساتذۂ کرام | غزالیٔ دوراں، رازیٔ زماں، حضرت علامہ مولانا قاضی شمس الدین علیہ الرحمہ، یادگار سلف عمدۃ الخلف حضرت علامہ مفتی محمد خادم رسول صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، عالم باوقار حضرت علامہ مولانا محمد نجم الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس، فاضل خوش مقال حضرت علامہ ابوالفتح محی الدین احمد ہشام شہزادہ گرامی حضرت مصنف قانون شریعت، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، مولوی محمد یوسف علی نعمانی علیہ الرحمۃ |
| تعلیمی لیاقت | مولوی، منشی، عالم، فاضل درس نظامی، فاضل دینیات، فاضل معقولات، فاضل عربی ادب، فاضل طب، ادیب کامل، معلم، ایم. اے. |
| عقد مناکحت | سن ۱۹۷۹ء میں مولوی محمد قمرالدین صاحب پوسٹ سجور ضلع بھاگلپور، (بہار) کی بڑی صاحبزادی سے رشتۂ مناکحت میں منسلک ہوئے۔ |
| خاندان | حضرت مترجم دیندار، علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے ہیں انکے بڑے بھائی اور تایازاد برادران بھی عالم دین ہیں، بڑے بھائی کا نام حضرت علامہ مولانا محمد علیم الدین رضوی صدر مدرس تعلیم القرآن قصبہ تلہر ضلع شاہجہاں پور، آپ کے دیگر بھائی اور بھتیجے بھی عالم وحافظ ہیں۔ اس طرح آپنے علمی ماحول میں نشوونما پائی اور اپنے اساتذہ کے زیرسایہ رہکر علم وفن |

اورفکروشعور کی لذت سے آشنا ہوئے۔ ہندستان کے اہل علم میں آپکا شمار ہوتا ہے، کتاب سلک السلوک کے اردو ترجمے سے آپ موصوف مترجم کے مبلغ علم کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

**درس و تدریس**
ملک کے مشہور و معروف علمی دانشگاہوں میں آپ نے امور تدریس انجام دیئے خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل مدارس قابل ذکر ہیں۔ دارالعلوم منظر اسلام اور دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، الجامعۃ الاسلامیہ گنج قدیم رامپور، مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں کے بعہدۂ صدر مدرس ۲۲/اپریل ۱۹۸۴ء سے فائز ہیں۔

**انفرادی خصوصیات**
فکر رسا ذہانت، معاملے کی پاتال تک پہنچنے کا حوصلہ ہرنشیب و فراز سے گذر جانے کی جرأت، پیچیدہ حالات میں بھی مسکرانے کی عادت، ہرایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کی سرشت، حسن سلوک، رواداری، ہم آہنگی علمی وقار اور فکری توازن سے کام لینا وغیرہ وغیرآ پکی انفرادی خصوصیات ہیں۔

**علمی وتہذیبی خدمات**
درس وتدریس کے علاوہ تحریر وتصنیف سے بھی آپ طبعی لگاؤ رکھتے ہیں. ہند اور بیرون ہند کے مختلف جریدوں میں آپکے مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے ہیں آپ کے کچھ اہم مقالات کے عنوانات اس طرح ہیں...... ☆ امام احمد رضا کے عربی قصائد کا تجزیاتی مطالعہ، ☆ امام احمد رضا اور تحقیقات آب، ☆ امام احمد رضا اور فونو گراف، ☆ حضور مفتیٔ اعظم قیادت اور اسباب وعوامل، ☆ اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت، ☆ لفظ اعلیٰ حضرت معنی و مفہوم اور استعمال، ☆ لفظ کملی کی تحقیق، ☆ صاع اور کیلوگرام کا معادلہ، ☆ درہم و دینار اور جدید کیلوگرام، ☆ مشتاق احمد نظامی ایک ہمہ جہت شخصیت، ☆ علامہ ارشد القادری ایک ہمہ جہت شخصیت، ☆ لفظ بریلوی علم وفکر کے تناظر میں، ☆ کیا اہل سنت والجماعت کو بریلوی کہنا نادانی ہے، ☆ صدر العلماء اور علم حدیث وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ آپ کی کچھ کتابیں جوزیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ بھی ہیں...... ☆ حقیقت یا صرف افسانہ، ☆ خنجر حق، ☆ ماہ طیبہ ☆ مولانا حسن بریلوی شخصیت اور شاعری، ☆ مجرم تم نہ کہ ہم وغیرہ وغیرہ

اس جائزے سے بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ حضرت مترجم مختلف خوبیوں کے مالک ہیں اللہ رب العزت ان کی خوبیوں کو دو بالا فرمائے اور عمر وصحت میں برکت عطا کرے۔

**منجانب : قاری عبدالرسول قادری**
(ناظم اعلیٰ دارالعلوم شاہ ولایت، قبولپورہ بدایوں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں کا مختصر تعارف اور اسکے اغراض و مقاصد

فیض یافتہ آنریری مجسٹریٹ خان بہادر مولوی رضی الدین (بسمل) بدایوں کی تصنیف ''تذکرۃ الواصلین و کنز التاریخ'' کے مطالعہ سے ان کی بزرگان دین سے گہری عقیدت واضح ہوتی ہے۔ حضرت شہاب الدین مہمرہ رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا حافظ خواجہ ضیاء الدین نخشبی رحمتہ اللہ علیہ کے مزارات پر اُن کی حاضری کے تحت اُن کے تاثرات مرقوم ہیں جن سے متاثر ہو کر چند اہل عقیدت کی توجہ ان بزرگوں کی طرف ہوگئی اور ان چند لوگوں نے اپنی اپنی معلومات اور مطالعہ کے تحت بدایوں میں آرام فرما صاحبِ تصنیف و تالیف بزرگوں کی نسبت سے حضرت نخشبی اکیڈمی کا قیام ۲۰۰۴ء میں علم دوست حضرات اور چند عقیدت مند حضرات کے تعاون سے بدایوں میں عمل میں لانا ضروری سمجھا۔ شرح دُعائے سریانی کی نسبت سے حضرت نخشبی رحمتہ اللہ علیہ سے عوام و خواص عام طور سے واقف ہیں جو پنج سوروں میں بالعموم شامل ہے اور ان حضرت کا تذکرہ دیگر کتب میں بھی ہے۔ اس اکیڈمی کے جو حضرات بھی ہمدرد ہیں ناظم اکیڈمی کی نظر میں وہی اُس کے اراکین بھی ہیں۔

جو لوگ علم تاریخ سے ذرا بھی دلچسپی رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سرزمین بدایوں علمی، فنّی، تہذیبی، فکری، شعری، تصوف و سلوک اور تواضع کے لئے بہت زیادہ راس آتی ہے جہاں نفوسِ قدسیہ نگاہوں سے بھی کام لیا کرتے تھے اور کتابوں سے بھی اور عمل کر کے دکھاتے بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مواعظِ حسنہ میں ایسی تاثیر پائی جاتی تھی جو پتھر کو موم کر دیتی تھی۔

چنانچہ اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد معاشرہ درستگی کے لئے اسلاف کی تعلیمی کاوشوں سے عوام الناس کو واقف کرانا ہے اور تہذیب و تمدن، انسان دوستی، خدا شناسی، خدا پرستی کی

زندگی کا فروغ ورحم دلی کے جذبات، صبر، ایثار اور تواضع کی اعلیٰ صفات سے بھرپور تعلیمی تصنیفات سے آگاہ کرانا ہے تاکہ اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفس ہو اور نفس و قلب میں طہارت، لطافت، شفافیت پیدا ہو اور سماج، معاشرہ اور اخلاق و کردار میں نکھار آئے۔

یہ تصنیفات دورِ حاضرہ میں یا تو معدوم ہو گئیں یا میسّر نہیں ہیں۔ اس تصور کو بھی ذہن میں رکھا کہ مصنف یا مؤلف کو جو بھی علمی امداد ہو سکے اُسے کتب اور ذاتی معلومات کے ذریعہ میسر کرایا جائے تاکہ سماجی اصلاح اور اتحادِ باہمی کے مقاصد کو پورا کیا جا سکے۔

اغراض و مقاصد مذکور الصدر کو پورا کرنے کے لئے مدرسہ معزیہ کے ملک الشعراء اور معلم حضرت شیخ شہاب الدین مہمرہ رحمۃ اللہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا حافظ خواجہ ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی آج سے تقریباً ۷۰۰ برس پہلے کی فارسی تصنیف ''سلک السلوک'' کا اُردو ترجمہ حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں کے ناظم نے کیا جس کو انھوں نے ۲۰۰۷ء مطابق محرم الحرام ۱۴۲۸ھ میں اکیڈمی کے ذریعہ شائع کرایا۔

''سلک السلوک'' کے بعد حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں کے سلسلہ اشاعت کی دوسری کڑی ''آفتاب و ماہتاب'' (یعنی چھوٹے بڑے سرکار) پیش خدمت ہے۔

اسے بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ ان دو۲ برگزیدہ مقدس ہستیوں کا ذکر پاک ہے جہاں ہر قوم و ہر مذہب و ملّت کے ہزاروں زائرین اعراس پر حاضر ہوتے ہیں اور سال بھر تک زائرین کی حاضری کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان حضرات سے بدایوں کو عظمت حاصل ہے اور اُن کے پاکیزہ ناموں سے عوام و خواص کو صدیوں سے آگاہی ہے۔

حدیث پاک ہے۔ ''صالحین کا ذکر رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہے''۔

کتاب ھٰذا میں جہاں بدایوں شریف کے مشاہیر عظام کا تذکرہ جمیل ہے وہیں اس مقدس سرزمین کو ''دبستان علم'' کی حیثیت سے بھی متعارف کرایا گیا ہے۔ اس دبستان علم کی خوبی و کمال نے بدایوں کو قبۃ الاسلام بنا دیا۔ سرزمین بدایوں کو دبستان علم بنانے والے

مدرسہ معزیہ کے علاوہ ذاتِ گرامی حضرت سلطان العارفین روشن ضمیر خواجہ سید حسن شیخ شاہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنھوں نے تقریباً ۲۸ سال معاشرہ کو رُشد و ہدایات عطا کیں اور یہاں دور دراز سے لوگ آ آ کر سکونت پذیر ہوئے اور اسی طرح اُن کے خلیفہ اور برادر عزیز حضرت سید ابو بکر موئے تاب بدرالدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت جلوہ گر ہے۔

آئندہ پروگرام میں مولوی تسلیم اللہ خاں غوری سے حاصل شدہ مولانا اکرام اللہ محشؔر بدایونی کی تصنیف فارسی زبان میں ''روضۃ صفا'' ہے جو ایک قلمی نسخہ ہے جس کا ترجمہ اُردو زبان میں ناظم اکیڈمی کے ذریعہ زیرِ تکمیل ہے تاکہ زبان اُردو میں عوام الناس کو بدایوں کی عظمت کے بارے میں واقفیت ہو سکے۔ فارسی زبان کی یہ تصنیف غیر مطبوعہ ہے۔

اس کے بعد حضرت نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''طوطی نامہ'' کی تلاشِ بسیار جاری ہے اور میسّر ہو جانے پر انشاء اللہ قبلہ ناظم کا ارادہ اُردو زبان میں اُسے منتقل کرنے کا ہے جس کا ترجمہ متعدد زبانوں میں عالمی سطح پر پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مطابق ہو چکا ہے۔

## استدعا

علم دوست حضرات و بزرگان دین سے عقیدت رکھنے والے حضرات محترم ناظم کی اس سعیٔ پیہم میں اپنے مفید مشوروں سے ہمت افزائی اور توسیع علم کی کاوشوں میں سرگرم عمل افراد کے لئے دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

عبداللطیف خاں (ایم۔اے۔) سابق آفس سپرنٹنڈنٹ محکمہ تعلیم بدایوں
شمیم الدین صدیقی قادری ایڈوکیٹ بدایوں

کیا سمجھ پائے گا حاسد مسلک احمد رضا　　دل ہے کالا کان بہرا آنکھ بھی اچھی نہیں

محمد زاہد علی رضوی

# مذہب و مسلک کا حقیقی عرفان

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

ناشر

کلک رضا فاؤنڈیشن

اندھیری (ویسٹ) ممبئی ۵۸

09768078692